Done

Cat by

سیاسی تاریخ ہند

سلسلۂ نصابیات علمیہ جامعۂ عثمانیہ

سیاسی تاریخ ہند

جلد دوم

از سنہ ۱۷۸۴ء تا سنہ ۱۸۲۳ء

تصنیف

میجر جنرل سر جان میلکم

جی-سی-بی، کے-ایل-ایس ایف-آر-ایس، وغیرہ وغیرہ

ترجمہ

مولوی ابن حسن صاحب-ایم-اے

مددگار پروفیسر کلیۂ جامعہ عثمانیہ

سنہ ۱۳۵۰ھ م سنہ ۱۳۴۱ف م سنہ ۱۹۳۲ء

دارالطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

یہ کتاب مسٹر جان مرّے پبلشر (لندن) کی اجازت سے جس کو
حق اشاعت حاصل ہے اُردو میں ترجمہ کر کے
طبع و شایع کی گئی ہے۔

فہرست مضامین

سیاسی تاریخ ہند جلد دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیاسی تاریخ ہند

جلد دوم

(۱)

آٹھواں باب

ہندوستان میں کمپنی کا عروج سنہ ۱۷۵۶ء

قبل اس کے کہ ہم ان اہم مسائل کی جانچ کریں جنکا تعلق ہندوستان کی حقیقی حالت اور حکومت سے ہے۔ ہمیں اپنی سیاسی قوت کو سرسری طور پر دیکھ لینا ضروری ہے اور اسکے مطالعہ میں اسکے بانیوں کے کیرکٹر اور لارڈ کارنواس کے زمانے سے لیکر مسٹر ہیسٹنگز تک کے دور حکومت کی حیرت انگیز ترقی کی جانب خصوصیت کے ساتھ توجہ کرنی چاہیئے۔ یہ زمانہ اگرچہ

باب ۸ (۲) صرف ۷۰ سال کا ہے لیکن اس دور میں ایسے واقعات اور انقلابات رونما ہوئے جو دیگر سلطنتوں کی تاریخ میں عموماً صدیاں گذر جانے پر واقع ہوا کرتے ہیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اولاً اپنے کارخانے قائم کئے اور پھر ڈیڑھ سو سال تک وہ مشرق میں تجارت کرتی رہی اس کے بعد اُسے ہندوستان میں سیاسی قوت حاصل ہوئی۔ اس کی حالت میں اس عظیم الشان انقلاب کا باعث اور تمام وجوہ سے کہیں زیادہ فرانسیسیوں کی مخاصمت تھی سب سے اول پانڈیچری کے نہایت قابل اور بلند حوصلہ گورنر ڈوپلے نے اپنی قوم کے لئے ایک مشرقی سلطنت قایم کرنے کی اسکیم تیار کی تھی۔ اس اسکیم سے جو قریب قریب درجۂ تکمیل کو پہنچ گئی تھی ایسٹ انڈیا کمپنی یقینی طور پر تباہ و برباد ہو جاتی اس لئے ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس کامیابی کے روکنے کے لئے فرانسیسیوں سے جو جنگ کی اس میں اس کی بقا کا سوال تھا۔

انگریزوں اور فرانسیسیوں کے مابین پہلی جنگ کارومنڈل کے ساحل پر ہوئی جس کا انجام فرانسیسیوں کی مکمل شکست ہوا اور پھر اسی جنگ کی بدولت کمپنی ان ہندوستانی ریاستوں کے ساتھ سیاسی تعلقات قائم کرنے کی پیچیدگیوں میں مبتلا ہوئی جنھیں اس نے مدد دی تھی اور اسی کے باعث کمپنی کو ان ریاستوں کی طرف سے آیندہ کے لئے خطرہ پیدا ہو گیا جن کی اس نے مخالفت کی تھی۔

ساحل کارومنڈل پر کمپنی کے بکایک قوت پکڑ جانے کے بعد ہی بنگال میں کمپنی کو اس سے بھی زیادہ سرعت سے ترقی کرنے کا موقع مل گیا۔ کلکتے پر غنیم کا قبضہ ہونا۔ انگریزوں کے کارخانے کا لوٹا جانا اور ان کے بہت سے ملازمان کا مقید ہونا اور مارا جانا ایسے واقعات تھے جن کی بدولت انھیں بجز اس کے کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ ہندوستان کے اس حصے کے ساحل سے دست بردار ہو جائیں یا اپنے سارے فوجی وسائل سے کام لیکر اس غیر اشتعالی ظلم کی سزا دیں اور ایسی روش اختیار کریں جس سے کہ ایسے واقعات دوبارہ رونما ہونے نہ پائیں چنانچہ انگریزوں نے آخر الذکر کارروائی پسند کی اور اس کام کی انجام دہی لارڈ کلائیو کی فراست و جودت طبع کے تفویض کی گئی جس نے امیر البحر واٹسن (Watson) کی ۱۷۵۶ء

باب ۵

شجاعت کی اعانت سے نہ صرف کمپنی کے کاروباری مقامات دوبارہ واپس لے لئے بلکہ اس بادشاہ کو شکست دی اور معزول کر دیا جس نے انگریزوں پر حملہ کیا تھا اور اس کی جگہ ایک ایسے نواب کو تخت نشین کر دیا جو اپنے حالات کے لحاظ سے ان کے احکام کے تابع ہو گیا کیونکہ انھوں نے ہی اسے اس مرتبہ پر پہنچایا تھا۔

جنرل کلائیو

۱۷۵۷ء میں سراج الدولہ معزول کر دیا گیا اور میر جعفر بنگال کا نواب بنا دیا گیا۔ میر جعفر نے حکمرانی کی تمنا میں ایسے وعدے کر لئے جن کا پورا کرنا اس کی قدرت و قوت سے باہر تھا۔ ایک طرف تو یہ حال تھا دوسری طرف ذی مرتبہ ہندوستانیوں پر وہ ہاتھ ڈالنا چاہتا تھا انھیں انگریز اپنی حفاظت میں لے لیتے تھے لہذا کرنل کلائیو کے بنگال سے روانہ ہونے سے پیشتر ہی میر جعفر ان تمام زیر باریوں اور قیود سے جنکے معاوضے میں اُسے تخت و تاج ملا تھا تنگ آ گیا۔ اُس نے ان قیود سے رستگاری حاصل کرنے کی حتی المقدور کوشش کی۔ اس کے خاص مقاصد یہ تھے کہ کلکتے کے خزانے میں واجب الادا روپیہ داخل نہ کرے اور ان افسروں کو برخاست کر دے جنھیں ملازمت پر برقرار رکھنے کا اس نے اور برطانوی حکومت نے وعدہ کر لیا تھا۔ ایک نہایت باخبر اور ذہین مصنف لکھتا ہے کہ میر جعفر نے اپنی طرف سے کلائیو کو خوب روپیہ بھرا اور اُن معاملات میں ان کی تائید حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن میر جعفر نے لارڈ موصوف کی خدمت میں جو تحائف پیش کئے وہ نہ تو لارڈ مذکور نے طلب کئے تھے اور نہ ان تحائف کے معاوضہ میں اُس نے کوئی قول و قرار کیا تھا۔ لہذا اس نے معاہدہ اور اُس کے متعلقہ وعدوں کی پابندی کا سختی سے مطالبہ کیا۔ٛ

(۴۲) ۱۷۹۵ء

جب میر جعفر نے اپنے وعدوں کو ٹالنے کی کوشش کی تو کلائیو نے اس کی مخالفت کی اور ساتھ ہی ساتھ شہزادہ سے یعنی ولی عہد سلطنت دہلی کی تجاویز نامنظور کر کے

ٛ بحوالہ تاریخ ایسٹ انڈیا کمپنی مصنفہ گرانٹ صفحہ (۱۷۲)

باب۔ وعدہ پر قائم رہنے کی خود مثال پیش کی۔ ولی عہد مذکور نے بنگال پر حملہ کرتے وقت لارڈ کلائیو کو یہ لالچ دیا کہ آپ جو شرائط بھی پسند کریں وہ اپنے اور کمپنی کے مفید مطلب مجھ سے طے کرلیں بشرطیکہ آپ میر جعفر کا ساتھ چھوڑ دیں۔ لارڈ کلائیو کی شہرت ہندوستان سے جانے سے کچھ مدت پیشتر بٹاویا (Batavia) کے ایک ڈچ بیڑے کو شکست دینے سے بہت بڑھ گئی تھی اسوقت شبہہ کیا گیا تھا کہ نواب کی اس میں سازش ہے اور بعد میں اس امر کی تصدیق ہوگئی کہ یہ فوج صرف اس غرض سے بھیجی گئی تھی کہ انگریزوں کے خارج کرنے میں نواب کو مدد دے کرنل کلائیو نے جس بے لوثی۔ مستعدی اور جرأت سے اس موقع پر کام لیا اس کی بدولت اس واقعہ کو اس کی زندگی کا نہایت روشن کارنامہ کہا جاسکتا ہے۔ ایک یوروپین رقیب کے دلاورانہ حملہ کی شکست کے علاوہ اس کا نہایت سودمند اثر یہ ہوا کہ سردست انگریزوں کی بے ثبات طاقت کے خلاف نواب اور دیگر ہندوستانی والیانِ ریاست کی سازشوں کا خاتمہ ہوگیا لیکن ۱۷۶۱ء میں لارڈ کلائیو کے ہندوستان سے روانہ ہونے کے بعد ہی سے کمپنی کے ظاہری اور باطنی دشمنوں کے دل میں کامیابی کی توقعات پیدا ہونے لگیں اور اس کے خلاف سازشیں شروع ہوگئیں؀ ۱۷۶۱ء (۵)

مسٹر وین سی ٹارٹ (Vansittart)

مسٹر وین سی ٹارٹ کے پہنچنے تک مسٹر ہالویل نے حکومت کا کام انجام دیا۔ شہنشاہ دہلی اور مرہٹوں کے حملے اور متعدد بغاوتوں کی وجہ سے سارے بنگال میں تباہی پھیل گئی اور سب پر خوف طاری ہوگیا۔ اگرچہ ان سب فوجی کارروائیوں میں انگریزی افواج نے اپنی خصوصیات برقرار رکھیں تاہم کمپنی کی حالت روز بروز نازک ہونے لگی اولاً مسٹر ہالویل (Holwell) کو اور بعد میں مسٹر وین سی ٹارٹ کو جعفر علی کی وفاداری پر بہت کچھ شبہہ ہوا اور انھوں نے یہ قطعی رائے قائم کرلی کہ یہ شخص حکومت کرنے کے قابل نہیں ہے۔ اس دوران میں جو لڑائی جھگڑے نواب اور اس کے افسروں اور

لے اسوقت لارڈ کلائیو کی دولت کا بڑا حصہ ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کے پاس تھا جس کی معرفت اس نے اپنا روپیہ انگلستان کو روانہ کیا تھا۔ بحوالہٗ پارلیمنٹری رپورٹ۔

باب ۳ کمپنی کے ملازموں کے مابین ہوئے ان سے اس خیال کو مزید تقویت حاصل ہوگئی۔ بدقسمتی سے اس زمانے میں حکومت کے ہر شعبے میں تجارت کا جذبہ حاوی تھا اور اسی سبب سے کمپنی کے ملازموں کو ان کی خدمات کا صلہ نقدی، تحائف اور مراعات کی شکل میں ملتا تھا اور یہ سب باتیں حکومت کے سیاسی مفاد کے لئے مضر تھیں۔

(۶) نواب کی ریاست میں بلا محصول تجارت کرنے کی رعایت نہایت مضر تھی۔ یہ رعایت نواب کی آمدنی کے لئے نقصان دہ اور اس کی رعایا کے حق میں ظالمانہ تھی اور اس رعایت سے جو شکایتیں اور الزامات روزانہ پیدا ہوتے تھے وہ دونوں سلطنتوں کے دوستانہ تعلقات کو زیر و زبر کرنے والے تھے؛

حالات بنگال مسٹر ہالویل کی قطعی رائے ہوگئی تھی کہ آئندہ کے لئے جعفر علی کو برسر اقتدار چھوڑنا کمپنی کے مفاد کیلئے نہ صرف ضرر رساں بلکہ خطرناک ہے اور اس کے جانشین مسٹر وین سی ٹارٹ پر بھی ان خیالات کا ایسا زبردست اثر تھا کہ اس نے برسر حکومت ہونے کے ایک ماہ کے اندر نواب کے داماد اور سپہ سالار قاسم علی سے ایک خفیہ معاہدہ کر لیا جس کی رو سے اُسے دیوان یا وزیر کے لقب سے حکومت بنگال کے پورے اختیارات دیدئے گئے اور قاسم علی ان فوجوں کی تنخواہ کے معاوضے کے لئے جنھوں نے اس کی امداد کی تھی کمپنی کو بردوان، مدنا پور اور چٹگانگ کے علاقے دینے پر رضامند ہوگیا؛ گورنر نے یہ معاہدہ بہ نفس نفیس بمقام مرشد آباد کیا تھا۔ اگرچہ جعفر علی نے اپنی کمزوریوں کو تسلیم کیا اور اصلاحات جاری کرنے کے لئے قاسم علی کو بہتر شخص بھی مان لیا تاہم اُس سے حکومت سے دست بردار کرانے کے لئے برطانیہ کو فوجی قوت استعمال کرنیکی ضرورت پیش آئی اور جب اس سے تمام اختیارات لئے گئے تو اس نے نہایت خفگی کے ساتھ نواب کا لقب بھی چھوڑ دیا اور اس نے وعدہ کر لیا کہ میں مع اپنے اہل و عیال کے کلکتے آکر انگریزوں کی پناہ میں رہونگا

(۷) ۱۷۶۳ قاسم علی جانتا تھا کہ انگریزی حکومت کے بہت سے ارکان میرے برسر اقتدار ہونے

۱ے اگست ۱۷۶۰ء۔

کے سخت مخالف ہیں۔ اس لئے ان مخالفین کو اپنا طرفدار بنانے کی کوشش کی مگر وہ بے سود ثابت ہوئی۔ اس وقت بنگال کے ارکان مجلس اور فوجی عہدہ داروں میں فرقہ بندی ایسے زوروں پر تھی کہ وہ تمام دیگر خیالات پر حاوی تھی۔ ان اختلافات نے نواب کے دل میں جو اندیشے پیدا کر دئیے تھے ان کے علاوہ وہ کمپنی کے ملازموں اور اپنی رعایا کے مابین مسلسل جھگڑوں کے باعث جیسا کہ اس کے خطوط اور شکایتوں سے معلوم ہوتا ہے بہت سخت تنگ آگیا تھا۔ ملازمان کمپنی نے محصول سے مستثنے ہونے کا استحقاق اپنے گماشتوں کو بھی عطا کر دیا تھا یہی نہیں بلکہ انھوں نے خود ہی عدالتی اختیارات بھی حاصل کر لئے تھے اور نواب یا اُس کے مقامی عہدہ داروں کے احکام کا اگر کچھ بھی اثر ان رعایت یافتہ تاجروں کے مفاد پر پڑتا تھا تو وہ کمپنی کے حقوق پر بلاواسطہ حملہ بتایا جاتا تھا نواب نے ان خرابیوں کے رفع کرنے کے لئے جو تدابیر اختیار کیں بیشک وہ نہایت قبل از وقت اور سخت تھیں مسٹر وین سی ٹارٹ اسے محسوس کرکے مونگیر (Monghyr) پہنچا اور وارن ہسٹنگز کی مدد سے اس نے ایک معاہدہ کیا جس کی رو سے یہ قرار پایا کہ ملازمانِ کمپنی کو جو اجازت نامہ دیا جائیگا وہ صرف غیر ملکی اشیاء کی درآمد و برآمد تک محدود رہیگا اور آئندہ سے اندرونی تجارت میں کسی کے ساتھ کوئی خاص رعایت نہوگی، اس معاہدہ سے انگریزی سامان پر
(۸) ۱۷۶۳ء مناسب محصول مقرر کر دیا گیا اور یہ بھی قرار پایا کہ انگریزوں کے دیسی گماشتوں کے عدالتی اختیارات لے لئے جائیں اور جو رعایتیں اُنھوں نے خود حاصل کر لی تھیں وہ بھی آئندہ سے انھیں نہ دی جائیں اور اگر انھیں کوئی نقصان پہنچے یا وہ کسی کو ستائیں تو اس کی دادرسی ملک کے ہندوستانی حکام کی عدالت میں ہوگی ؂

نواب قاسم علی سے کمپنی کا بگاڑ

نواب اور مجلس کلکتہ کی گرم مزاجی کے باعث ان خرابیوں کی اصلاح کی کوشش کا اُلٹا اثر پڑا حالانکہ نواب کو معلوم تھا کہ ابھی عہد نامہ کی توثیق ہونی باقی ہے لیکن اس پر دستخط ہوتے ہی نواب نے اس کا اعلان کر دیا اور اس عہد نامہ کو دشمنوں پر اپنی

فتحمندی ہونے سے منسوب کیا اس کے ساتھ ہی عہد نامے کے شرائط پر عملدرآمد باب
ہونے کے احکام بھی نافذ کردیئے اور اس کے عہدہ داروں نے اپنے بادشاہ
کی بے عقلی اور تعجیل کے باعث حد سے تجاوز کیا اور انتقامی مظالم شروع کردیئے
جس سے مجلس کی کثیر تعداد کے خیالات کی تائید ہوگئی اور انھوں نے اس معاہدہ
کو نامنظور کردیا جو گورنر نے نواب سے کیا تھا۔ اس کارروائی سے نواب بہت
برافروختہ ہوا اور اس نے فوراً ہی بڑی ناعاقبت اندیشی سے ایک مکروہ
حرکت یہ کی کہ دو سال کے لئے ہر قسم کا محصول کروڑگیری سب کے لئے معاف
کردیا۔ یہ کمپنی کے ساتھ بدعہدی قرار دی گئی کیونکہ نواب کی اس حرکت
سے محصول کے حقوق جاتے رہے جو گذشتہ معاہدوں کی رو سے کمپنی کو حاصل
تھے مجلس کی کثرت رائے سے مسٹر امیاٹ اور مسٹر ہال کا وفد اس حکم
کی منسوخی کے لئے نواب کی خدمت میں بھیجا گیا۔ اسوقت دونوں فریق اسقدر (۹)
مشتعل تھے کہ صلح و آشتی کے ساتھ وہ اس جھگڑے کو ختم نہ کرسکے ہر ایک سنہ ۱۷۶۳ء
واقعہ نے مخاصمت میں اور اضافہ کیا ان سب کے علاوہ حاکم پٹنہ مسٹر ایلیس (Ellis)
کی درشت کلامی نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا کیونکہ وہ قاسم علی کی مسند نشینی
کا سخت مخالف تھا اور اس کی ہر ایک حرکت قاسم علی کے خلاف ہوتی تھی
اور وہ ہمیشہ اس کے مقامی عہدہ داروں سے جھگڑتا رہتا تھا۔

ان حالات کی موجودگی میں بدقسمتی سے ایک اور واقعہ پیش آگیا پٹنے کی
فوجوں کیلئے ہتیاروں سے بھری ہوئی کشتیاں مونگھیر ہوکر گذریں۔ قاسم علی نے
ہتیاروں کی آمد کو مسٹر ایلیس کی کارروائی تصور کرکے دونوں کشتیوں کو روک لیا
جو لوگ کہ نواب کے پاس بھیجے گئے انھوں نے اس کارروائی پر بہت کچھ
شکایت کی لیکن نواب نے مزید مطالبہ یہ پیش کیا کہ پٹنے سے فوجیں ہٹائی
جائیں ورنہ کم از کم مسٹر ایلیس کی بجائے کسی اور اعتدال پسند شخص کا تقرر کردیا
جائے کونسل کے تقررکردہ نمائندوں اور خود مجلس کی کثرت آرا نے
ان مطالبات کو اعلان جنگ کے مساوی تصور کیا۔ اور مسٹر ایلیس حاکم
پٹنہ کو یہ اختیار دیدیا گیا کہ حقیقی جنگ چھڑنے سے پیشتر اگر وہ ضرورت

باب ششم — سمجھے تو وہاں کے قلعے پر قبضہ کرلے۔

اگرچہ گورنر اور مسٹر وارن ہسٹنگز نے ایک ایسے شخص کو اختیارات امتیازی دینے کی سخت مخالفت کی جس نے اپنے رویہ سے ثابت کردیا تھا کہ وہ لڑنے پر ادھار کھائے بیٹھا ہے لیکن اس مخالفت کی کچھ پروا نہیں کی گئی۔ ان دونوں کا خیال تھا کہ اس کارروائی سے باآسانی مصالحت ہوجانے کی ساری امیدیں منقطع ہوجائیں گی۔ ان کی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔

(۱۰) ۱۷۶۳ء

میر جعفر کی دوبارہ مسند نشینی

جنگ کا یقین ہونے پر نواب خوفزدہ ہوگیا اور اس نے ہتیاروں سے بھری ہوئی دونوں کشتیوں کو چھوڑ دیا اور اسی کے ساتھ ازسرنو صلح کی گفت و شنید کرنے کی درخواست کی لیکن پٹنہ کی خبریں سنکر اس نے اپنی صلح پسند تجویز واپس لے لی اور اعلان جنگ سے پیشتر ہی پٹنہ کی فوجوں کے قلعے پر یکایک قبضہ کرلنے سے اس کے خیالات کی تائید بھی ہوگئی۔

پٹنہ کے انگریزوں کی بے پروائی سے نواب کی فوج نے قلعے پر قبضہ ہوجانے کے دوسرے ہی دن انگریزوں پر اچانک حملہ کردیا اور اس موقع پر جو انگریز قتل سے بچگئے وہ قید کرلئے گئے۔

نواب نے انگریزوں کے ایک نمایندہ مسٹر ہال کو بطور ضامن کے روک لیا دوسرے نمایندہ مسٹر امیات کو کلکتے چلے جانے کی اجازت دیدی لیکن وہ مرشد آباد تک پہنچنے پایا تھا کہ نواب کے حکم سے حملہ کرکے مار ڈالا گیا

نواب نے قلعۂ پٹنہ پر قبضہ ہونے کے وقت سے اپنے آپ کو کمپنی کا سخت دشمن مشہور کردیا تھا۔

گورنر اور فوجی مجلس نے پہلی کارروائی یہ کی کہ میر جعفر کو پھر نواب[۱] بنادیا قاسم علی کے خلاف ایک فوج روانہ کی گئی جو اپنی فوجوں کے شکست کھانے پر پٹنے بھاگ گیا لیکن بھاگنے سے قبل اپنی عملداری کے چند ہندوؤں کو جن پر کمپنی

---

[۱] ۷۔ جولائی ۱۷۶۳ء۔

باب (۱۱)

کے دوست ہونے کا اسے اشتباہ تھا اس نے قتل کرا دیا ؎

نواب قاسم علیخاں کا اخراج

قاسم علی نے پٹنے سے انگریزی سپہ سالار کو لکھا کہ اگر تم اور آگے قدم بڑھاؤ گے تو میں مسٹر ایلس اور دیگر انگریز عہدہ داروں کے سر کاٹ کر تمہارے پاس بھیج دونگا۔ اس وقت پٹنے میں ۵۰ بڑے اور ۱۰۰ چھوٹے افسر مقید تھے۔ مسٹر آدم نے انکی حالت کا احساس کر کے اُن کے نام ایک خط بھیجا کہ جس طرح بھی بن پڑے تم رہائی حاصل کرو۔ ایلس (Ellis) اور ہے (Hay) نے جن کے نام یہ خط تھا، ایسا سخت جواب دیا جس سے کہ اُن غلطیوں کی تلافی ہو گئی جو ان سے سرزد ہوئیں تھیں۔ انھوں نے لکھا کہ ہماری رہائی ناممکن ہے ہم راضی برضا ہیں ہماری خواہش ہے کہ آپ ہماری وجہ سے جنگ ایک لمحہ کے لئے بھی ملتوی نہ کریں۔" یہ خط مسٹر دین سی ٹارٹ کے پاس بھیجا گیا جس نے نواب کے نام ایک خط روانہ کر کے اُس کی اس دیدہ و دانستہ بے رحمی پر تاسف ظاہر کیا اور انتقام لینے سے ڈرایا دھمکایا بھی لیکن یہ سب بے سود ثابت ہوا نواب کے قبضے میں جس قدر بھی یوروپین تھے وہ بجز مسٹر فلرٹن (Fullarton) کے نہایت سنگدلی کے ساتھ تہ تیغ کر دیئے گئے ؎ ڈاکٹر اس لئے چھوڑ دیا گیا کہ اس کے پیشے کی وجہ سے نواب اس کی بہت عزت کرتا تھا ؎

حملہ کر کے پٹنہ فتح کر لیا گیا اور قاسم علی وزیر اودھ کی عملداری میں بھاگ کر چلا گیا۔ وزیر اودھ سے مطالبہ کیا گیا کہ قاسم علی اور سمرو (Sumru) جرمن کو جو اس ظالمانہ قتل عام کا آلہ بنا تھا کمپنی کے حوالے کر دیا جائے ؎

(۱۲) **لارڈ کلائیو کی حکومت ۱۷۶۵ء**

شجاع الدولہ وزیر اودھ نے نہ صرف ان مطالبات کی تعمیل کرنے سے انکار کیا بلکہ وہ ایک زبردست فوج لیکر انگریزی فوج پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ ہو گیا۔ وہ پٹنے

لہ بحوالہ مراسلہ منجانب قاسم علی بنام مسٹر ایڈمس ۹ ستمبر ۱۷۶۳ء

لہ۲ ۱۷۶۳ء

باب۳ سے پسپا ہوا اور بمقام بکسر اُسے شکست فاش نصیب ہوئی۔ اب انگریزی فوج میجر منرو کی سرکردگی میں اس کی سلطنت میں داخل ہوگئی۔ اس فوج نے مادھوراؤ مرہٹہ سردار کو بھی شکست دی جسے وزیر اودھ نے اپنی امداد کے لئے بلالیا تھا۔ شجاع الدولہ نے اس موقع پر جو کام کیا وہ اس کے گذشتہ کیرکٹر کے شایان شان تھا۔ وہ ان لوگوں کو بھینٹ چڑھا کر اپنی عزت پر بٹہ لگانے کے لئے راضی نہو سکا جنھوں نے اس کے ملک میں پناہ لی تھی۔ اُس نے قاسم علی اور سُمرو سے کہہ دیا کہ تم میرے علاقہ سے بچ کر نکل جاؤ اور خود انگریزوں کے پڑاؤ پر جا پہنچا اور کہا کہ میں بلا کسی شرط کے اپنے کو آپ کے رحم و کرم کے سپرد کرتا ہوں۔

بنگال کی گزشتہ تین سال کی حالت نے انگلستان میں بیحد پریشانی اور دہشت پھیلادی تھی اور اس کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ کرنل کلائیو اب لارڈ کلائیو کے لقب سے اس علاقے کے انتظام پر مامور ہوا۔ اس کے ساتھ ہی ایک منتخبہ مجلس بھی مقرر ہوئی۔ وہ ان واقعات کے بعد یہاں پہنچا اور شجاع الدولہ کو دیگر والیان ملک کی طرح اس پر جو اعتماد تھا اسی اعتماد پر اس کی یہ کارروائی مبنی تھی جو شجاع الدولہ نے اس موقع پر کی اور انگریزوں کی فیاضی پر بھروسہ کرنے کا اُسے کچھ افسوس بھی نہوا۔ لارڈ کلائیو نے بامداد جنرل کارناک شجاع الدولہ سے
ایک معاہدہ کرلیا جس کی رو سے قرار پایا کہ نواب وزیر اودھ کو پچاس لاکھ (۱۳)
روپیہ صرفہ جنگ ادا کرنے اور کڑہ و الہ آباد کے علاقے شہنشاہ دہلی کی امداد کے لئے دیدینے کے بعد تمام ملک بشمول بنارس واپس دیدیا جائے جو کمپنی کو شاہ دہلی سے ملا تھا۔

لارڈ کلائیو کی آمد سے پیشتر نواب جعفر علی کا انتقال ہوگیا اور اس کی جگہ اس کا نابالغ بیٹا اس شرط سے مسند نشین کردیا گیا کہ ملک کا انتظام اُن اعلیٰ عہدہ داروں کے ہاتھ میں رہیگا جنھیں برطانوی حکومت نامزد کرے گی۔ لارڈ کلائیو نے وزیر اودھ سے معاہدہ کرنے کے بعد شہنشاہ دہلی سے ایک معاہدہ کیا جس کی رو سے بنگال اور بہار کا انتظام دوامی طور پر انگریزی

حکومت کے سپرد کر دیا گیا اور پھر نواب بنگال سے ایک اور معاہدہ کیا گیا جس کی رو سے نواب بنگال اور اس کے ورثاء کے لئے انگریزی حکومت نے ۵۰ لاکھ سالانہ مقرر کر دیا۔

وزیر اودھ کے مطیع ہونے سے پیشتر شاہ عالم ایک روز انگریزی کیمپ میں چلا آیا اس وقت اگرچہ اس کے ہمرکاب معدودے چند اشخاص تھے لیکن اس حالت میں بھی اس نے اپنا شاہی وقار قائم رکھا میجر منرو نے کمپنی سے معاہدہ کرنے کی بابت شاہ عالم کے شرائط گورنر کی خدمت میں روانہ کر دئے۔ گورنر باجلاس کونسل نے نہ صرف ان شرائط کو پسند کیا بلکہ چند شرائط پر اودھ کا کچھ علاقہ شاہ عالم کو دیدینے کا وعدہ کیا لیکن لارڈ کلائیو نے اس عہد نامے کو نامنظور کیا۔ اس وقت شاہ عالم کی کچھ بھی ذاتی ملکیت نہ تھی اور نہ اُس کا کیرکٹر ایسا کامیاب رہا تھا جس سے اس بات کا خیال پیدا ہو سکے کہ وہ اصول سلطنت یا حکومت کرنے میں کامیاب رہ سکے گا۔ البتہ اس کا نام واجب الاحترام تھا۔ اور حصول قوت کا وسیلہ مانا جاتا تھا لہذا اگر انگریزوں کی خواہش ہوتی تو وہ اپنی عملداری کی توسیع کے لئے اس کا نام بطور حیلے کے استعمال کر سکتے تھے۔ لیکن لارڈ کلائیو نے اس کمینہ خواہش کی سخت مذمت کی اور شہرۂ آفاق شجاع الدولہ کے ساتھ حسن سلوک کر کے مشرق میں سلطنت برطانیہ کی آئندہ سربلندی کی بنا ڈالدی اور ایک ایسے ملک کی حکومت حاصل کر لی جو اپنی زرخیزی اور اپنے وسائل کی کثرت کی وجہ سے برطانیہ کی تجارتی اور سیاسی قوت کو ترقی دینے کے لئے نہایت کارآمد ثابت ہونے والا تھا۔ (۱۴)

اب ہندوستان میں انگریزوں کی سیاسی قوت جس کا انحصار ملک کے بڑے حصوں کے قبضے پر تھا ایشیائی فتوح نہایت تیزی سے زور پکڑ گئیں[1]۔

[1] ۱۷۵۷ء میں نواب بنگال سے جو معاہدہ ہوا اس کی رو سے کمپنی کو یہ حق حاصل ہوا کہ وہ شاہ دہلی کے نام سے خود سکہ ڈھال کر چلائے اسی سال میں کلکتہ کے ۲۴ ضلع کمپنی کی ملکیت

(۱۵) باثہ اس غیر معمولی قوت کی حقیقی نوعیت معلوم کرلے اور ان وجوہ کو معلوم کرلنے کے لئے جو اس کی اس درجہ ترقی کا موجب ہوئے اولاً لارڈ کلائیو کی رائے پر توجہ کرنی چاہیئے جس لئے دیگر اشخاص کے علاوہ اس قوت کے حاصل کرلنے میں خود بہت کچھ کیا ہے ؟

حالات ہند کے متعلق لارڈ کلائیو کے خیالات

لارڈ کلائیو کے نزدیک مدراس میں انگریزوں کی حالت میں جو انقلاب ہوا اُن کا باعث فرانسیسیوں کی طمع ہوئی اور تقریباً بنگال میں بھی یہی کیفیت ہوئی کیونکہ مثل ساحل کارومنڈل

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ میں دئیے گئے اور اسکی تجارت میں آسانیاں بہم پہنچائی گئیں اور قاسم علی نے ۱۷۶۰ء میں ایک امدادی فوج کے معاوضہ میں مدناپور۔ بردوان اور مگانگ کے زرخیز علاقے کمپنی کے سپرد کردئیے۔

۱۷۶۲ء میں نواب جعفر خاں کے تخت نشین ہونے پر مذکورہ علاقے دوامی طور پر کمپنی کو دیدئیے گئے۔ ۱۷۶۴ء میں شاہ عالم شہنشاہ دہلی نے کمپنی کو بنارس اور غازی پور دیدیا اور پھر اگلے سال ہی ۱۷۶۵ء میں اسی کے فرمان سے وہ بنگال۔ بہار اور اڑیسہ کے زرخیز صوبوں کی برائے نام حاکم اور فی الحقیقت مالک بن گئی۔

نواب محمد علیخاں نے ۱۷۶۳ء میں چند نہایت قیمتی اراضی کمپنی کو عطا کیں انکے علاوہ ساحل کارومنڈل پر اور بہت سا ملک کمپنی کو مل گیا۔ ۱۷۶۵ء میں کمپنی کو ایک جاگیر ملی جسمیں کرناٹک کے نہایت زرخیز اضلاع داخل تھے۔

بسی (Bussy) نے صوبہ دار دکن سے شمالی سرکار کا علاقہ بطور عطیہ کے حاصل کیا تھا لیکن جب انگریزوں نے فرانسیسیوں کو نکال کر مچھلی بندر پر قبضہ کرلیا تو شمالی سرکار بھی انکو دیدیا گیا اور ۱۷۶۵ء میں شہنشاہ دہلی نے ایک فرمان کے ذریعہ سے شمالی سرکار اور نواب کرناٹک کے دئیے ہوئے علاقوں کی منظوری صادر فرمادی کمپنی کا نہایت پرانا مقبوضہ بمبئی ۱۷۶۵ء میں نہایت مختصر مقام تھا لیکن نفیس بندرگاہ اور بہت سی ٹیکریوں کے باعث جسمیں سورت کی ٹیکری بھی شامل تھی بمبئی بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ شاہ پرتگال نے اسے اپنی بیٹی کیتھرائن کے جہیز میں شاہ چارلس دوم کو دیا تھا اور بادشاہ مذکور نے ۱۷۶۰ء میں یہ شہر مع جزیرہ کے کمپنی کے حوالہ کردیا ؟

باب۲ کے بنگال میں ہمارے یورپین رقیب ہمارے ایشیائی دشمنوں سے دلی دوستی رکھتے تھے۔"

(۱۶) اس اتحاد کا اور اُن خیالات کا حوالہ دیکر جو فرانسیسی مقبوضات پر حملہ کرنے سے جعفر علی کے دل میں پیدا ہوئے تھے اس لئے نہایت شد و مد کے ساتھ اپنی حسب ذیل رائے اس مجلس کے سامنے پیش کی جسکے تفویض کلکتہ کے معاملات کئے گئے تھے۔ "اگر آپ چندر نگر پر قبضہ کر لیں گے تو آپ وہاں نہیں ٹھہر سکینگے بلکہ آپ کو آگے بڑھنا پڑیگا۔ اور چونکہ آپ نے فوجی قوت کے بل پر اپنا قبضہ جمایا ہے نہ کہ نواب کی رضامندی سے لہذا نواب بھی آپ کو بزور نکال باہر کرنے کی کوشش کریگا۔ ایک دوسرے خط میں وہ لکھتا ہے کہ "بالآخر ہمارے لئے اب وہ نازک وقت آپہنچا جو میرے پیش نظر تھا اس سے میری مراد یہ ہے کہ اب ہم کو مستقل طور پر یہ طے کر لینا چاہئے کہ آیا ہم سارے ملک پر اپنا تسلط قائم کرنا چاہتے ہیں اور کر سکتے ہیں یا نہیں۔"

میری دلی تمنا تھی کہ ہماری فوجی کارروائیاں ایک معتدل تجویز پر مبنی ہوتیں اور ہم اس سے زیادہ فوج رکھنے پر مجبور نہ ہوتے جو ہماری تجارت کی حفاظت کیلئے کافی ہوتی لیکن چونکہ اب ہماری نگاہ وسیع ہو گئی ہے اور کمپنی کا وسیلۂ معاش صرف تجارت ہی نہیں ہے اس لئے ہم کو آگے بڑھنا چاہئے کیونکہ اب پیچھے ہٹنا ناممکن ہے۔"

اس کے بعد لارڈ کلائیو اور ارکان مجلس نے اسی قسم کے خیالات اپنے ایک مراسلہ میں ظاہر کئے ہیں جو مجلس نظماء کی خدمت میں روانہ کیا گیا تھا۔ (۱۷)
وہ لکھتے ہیں کہ "اب وقت آگیا ہے کہ قطعی طور پر اس کا فیصلہ کر دیا جائے

لے لارڈ کلائیو نے سرزمین ہند پر قدم رکھنے کے بعد ہی مجلس نظماء کے ایک ممتاز رکن کے نام ایک خط روانہ کیا جس میں کمپنی کی فتوحات کی ترقی اور انگریزوں کی بلند حوصلہ تجاویز کے متعلق جس میں انگریزوں کو پوری کامیابی حاصل ہوئی اس نے نہایت وضاحت کے ساتھ اپنے اس قسم کے خیالات ظاہر کئے ہیں۔

باب ۳ کہ آیا ہمارا بطور سوداگر ہندوستان میں رہنا اور ہندوستانی حکومت کی ناجائز مداخلت
ناانصافی اور ہر قسم کی اہانت برداشت کرنا کمپنی کے حق میں مفید ہے یا اپنی تجارت
اور اپنے حقوق کی محافظت اپنی تلوار کے زور سے کرنا کمپنی کے حق میں سود مند
ثابت ہوگا۔ اس کا خواہ کچھ ہی انجام کیوں نہ ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ گامزن ہو کر
اور اتنی دور پہنچنے کے بعد ہم کو رفتہ رفتہ آگے بڑھنا پڑا حتیٰ کہ ہر ایک انقلاب اور
ہر ایک جنگ جو یہاں ظہور میں آئی اس کی وجہ سے آپ کے تمام مقبوضات
معرض خطر میں آگئے"۔[۱]

لارڈ کلائیو کو اگرچہ یہ اطمینان تھا کہ ناگزیر واقعات نے ہم کو سلطنت
قائم کرنے پر مجبور کیا ہے لیکن اس نے نہایت دانشمندی سے ہمیشہ یہی کوشش
کی کہ ہماری ترقی بتدریج اور آہستہ آہستہ ہو۔ اس لئے حتی الامکان والیانِ ملک
اور باشندگانِ ہند سے صلح کرنے کی کوشش کی اور ان کے عادات وخصائل
تعصبات اور جذبات کو ملحوظ رکھ کر بہت کچھ ایثار سے کام لیا لیکن اس قوت
کو اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دیا جو ہمارا وجود قائم رکھنے کے لئے اب ضروری
بن گئی تھی۔ جو نظام حکومت اس نے قایم کیا تھا، اس میں بہت سے ایسے سخت نقائص
موجود تھے جس سے کہ وہ مستقل طور پر جاری نہیں رہ سکتا تھا لیکن اسکی ہر ایک کارروائی
سے ایک کامیاب مدبر کی قابلیت ظاہر ہوتی ہے اُس نے موجودہ مواد کے مطابق (۱۸)
اپنا کام بنایا اور واقعات حاضرہ کے مناسب جن پر اسے قدرت حاصل نہ تھی
کارروائی کی اور خفیف سی کامیابی پر قناعت کر لینے کے طعن کو برداشت کیا لیکن
زیادہ کی خواہش کر کے جو کچھ ملا تھا اسے خطرے میں ڈالنا پسند نہیں کیا۔

جن مشکلات سے اُسے سابقہ پڑا ان میں اضافہ ہوتا گیا کیونکہ ان کے
دفعیہ کے وسائل اس کے پاس موجود نہ تھے۔ اگرچہ اسکے پاس نہایت قابل
لوگ موجود تھے لیکن اُس زمانے میں سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ دیوانی اور
فوجی محکموں کی حالت عام طور پر خراب تھی۔ اس نے ان محکموں کی اصلاح کی کوشش کی اور انگلستان میں
کمپنی کی حکومت کو اس انقلاب کی طرف پوری توجہ دلائی جو ان کے معاملات میں پیدا ہو گیا تھا۔
وہ لکھتا ہے کہ چند سال پیشتر جو حالت تھی اب اُس میں بہت کچھ تبدیلی

[۱] مراسلہ بنام نظماء اعلیٰ مورخہ ۳۰ ستمبر ۱۷۶۵ء

باب۳ ہو گئی ہے کیونکہ اس وقت آپ کی ساری توجہ صرف تجارت تک محدود تھی اور اس وقت آپ صرف اسی بات سے خوش ہوئے تھے کہ ہندوستانی حکومتوں کے استحصال بالجبر اور اہانت سے محفوظ رہ کر اپنے لگائے ہوئے سرمایہ سے خود نفع اٹھالیں لیکن اب آپ زبردست اور مالدار سلطنت کے مالک بن گئے ہیں۔ دیگر یوروپین سلطنتیں آپ کی کامیابی کو رشک و حسد کی نظر سے دیکھتی ہیں جن کے مقبوضات ہندوستان میں ہیں اور آپ کے تعلقات نہایت وسیع بعید پیچیدہ اور گرد و پیش کی سلطنتوں سے ایسے وابستہ ہیں جن کے باعث سیاست نہایت اعلیٰ مگر مشکل ہو گئی ہے"۔[۱]

(۱۶) ہندوستان میں کمپنی کے معاملات پر وسیع نظر ڈال کر اور اُن جذبات و خیالات کا حوالہ دیکر جو واقعات حاضرہ سے ہندوستانی والیان ریاست کے دل میں پیدا ہو گئے تھے لارڈ کلائیو اپنے اسی خط میں تحریر کرتا ہے کہ "ہندوستان کے والیان ملک فوراً ہی ہمیں معتدل برتاؤ کرنے کے قابل نہیں تصور کریں گے اور نہ ہم یہ توقع کر سکتے ہیں کہ بجز رعب و داب کے وہ اور کسی کے خیال سے ہمارا ساتھ دیں گے۔ میر جعفر و قاسم علی اور نواب ارکاٹ نے (جو میرے علم میں بہترین مسلمان ہیں) اپنی حرکات سے اس امر کا کافی ثبوت دیدیا ہے کہ انگریزوں کے تفوق سے نجات حاصل کرنے کے لئے یہ لوگ ہمیشہ کوشاں رہینگے اور کسی ایسے موقع کو ہرگز ہاتھ سے نہ جانے دینگے جو ہماری تباہی کا موجب ہو لیکن اگر ہم اپنی فوجیں مکمل حالت میں رکھیں گے تو اس کا انجام خود ان کے حق میں مہلک ہوگا"۔

اسی قسم کے خیالات ہمیں اس کے ایک اور خط میں ملتے ہیں جس کا بیشتر

---

[۱] لارڈ کلائیو اپنے خط مورخہ ۲۹ دسمبر ۱۷۵۹ء بنام مسٹر لیس لا (S. law) میں لکھتا ہے کہ "اگرچہ صلح بہت بڑی رحمت ہے لیکن اگر اپنے مقبوضات کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو اپنے ہاتھ میں تلوار لیکر اس ملک میں ہم کو صلح کرنی چاہیئے۔ ہمارے لئے کوئی اور چارہ کار نہیں کہ یا تو ہم ہندوستان کے ہر معاملہ کو اس کی ابتدائی پستی تک پہنچا دیں یا ہم اپنی زبردست فوجی قوت برقرار رکھیں جب سے کہ مسلمان اپنے معاہدوں کی سختی سے پابندی کرنے پر مجبور رہیں"۔

باب تذکرہ ہو چکا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "جن نوابوں کو ہم مدد دیتے ہیں وہ یا تو ہمارے
مقبوضات پر رشک کرینگے یا ہماری طاقت سے حسد کرینگے۔ رشک خوف اور
طمع کے باعث وہ ہم کو تباہ کرنے کے لئے روزانہ موقع کے منتظر رہینگے فتحمندی
ہمارے لئے عارضی فائدہ کا موجب ہوگی۔ کیونکہ ایک نواب کو معزول کرکے ہم (۲۰)
دوسرے کو اس کا جانشین کریں گے اور جب کبھی اس کی مالی حالت اس کو زبردست
فوج رکھنے کی اجازت دیگی وہ انھیں اصول پر کاربند ہوگا جس پر کہ اس کا پیشرو
تھا۔ اس لئے بلا تصنع ہمیں خود نواب بن جانا چاہئے خواہ ہمارا نام نواب ہو لیکن
فی الحقیقت ہم پورے نواب ہوں"۔

یہاں پر جو کچھ تحریر کیا گیا ہے تاوقتیکہ اس کے ہر ایک لفظ کی صداقت تسلیم نہ کر لی جائے ہم ہندوستان کی گزشتہ پنجاہ سالہ تاریخ کو نہیں سمجھ سکتے ہیں واقعات نے لارڈ کلائیو کی پیشین گوئیوں کی صداقت کردی۔ یہ پیشین گوئیاں فطرت انسانی کا صحیح مطالعہ کرنے۔ ہندوستان کے والیان ملک کے احساسات وخیالات وجذبات اور ایشیائی سوسائٹی وحکومت کی ساخت کے متعلق صحیح معلومات حاصل ہونے پر مبنی تھیں لیکن اس کی رائے پر ان حضرات نے بہت کم توجہ کی جو ہندوستان کی قدر صرف اس وجہ سے کرتے تھے کہ اس سے انکا یا انکے دوستوں کا فائدہ یا اُن کی جماعت کے اثر میں کمی یا بیشی ہوتی تھی۔

لارڈ کلائیو نے جس وقت ہندوستان چھوڑا ہے اس وقت انگریزی سلطنت کی جس قدر وسعت تھی اس کی جانب توجہ دلاکر اور جس روشنی میں کہ حکام بالا اسے دیکھتے تھے اس کا تذکرہ کرکے اس نے ۱۷۷۲ء میں دارالعوام میں ایک معرکۃ الآرا تقریر کی جس میں اس نے بیان کیا کہ کمپنی نے ہندوستان میں ایسی عظیم الشان سلطنت حاصل کرلی ہے جو روس اور فرانس کو مستثنٰے کرکے یورپ کی ہر ایک سلطنت سے زیادہ وسیع ہے آپ کو وہاں سے چالیس لاکھ پونڈ سالانہ مالگذاری ملتی ہے اور اسی قدر نفع وہاں کی تجارت سے حاصل ہوتا ہے۔

فطرۃً یہ گمان ہوتا تھا کہ حکام بالا اس کامیابی کی طرف خاص طور پر (۲۱)

باب ۵

توجہ کرینگے اور مجلس نظماء سے اتفاق رائے کر کے کمپنی کے منشور کی نوعیت پر غور کرینگے اور ایسے تدابیر اختیار کریں گے جو ایسے زبردست مقبوضے کے شایان شان ہوں کیا اس پر انھوں نے کبھی غور کیا ہے ؟۔ نہیں ہرگز نہیں۔ انھوں نے ایسی مستحکم اور پائیدار شئے کی بجائے بحر جنوبی کا حباب تصور کیا انھوں نے مستقبل کی طرف سے بے پرواہ ہو کر صرف صورت حاضرہ کا خیال رکھا۔ وہ کہتے تھے کہ جو کچھ مل سکے آج ہی لے لو کچھ نہ کچھ کل بھی مل جائیگا۔ ان کو تو صرف دال روٹی فوراً آپس میں تقسیم کرنے کا خیال دامن گیر تھا۔ فوری فائدہ اٹھانے کی ان کو اس درجہ فکر لاحق تھی کہ انھوں نے عارضی مالکان کمپنی کا ایک جتھا کھڑا کر کے نظماء سے اپنے شرائط منوانے کی کوشش کی۔ اُن کا تو یہ فرض تھا کہ وہ کمپنی کے نظماء سے ان کے تجاویز طلب کرتے اور اگر کوئی تجویز ان کے روبرو پیش نہ کیجاتی تو پھر پارلیمنٹ کی امانت سے وہ خود ایک مکمل تجویز تیار کرتے اگر اراکین سلطنت اپنے فرائض منصبی کو ادا کرتے تو پھر ہم شہنشاہ معظم کی یہ تقریر نہ سنتے جس میں آنیوالی مصیبت سے ہندوستان کو بچانے کے لئے پارلیمنٹ کو مداخلت کرنے کی ضرورت بتائی گئی ہے۔"

اب یہ کوئی حیرت انگیز امر نہیں ہے کہ کمپنی کے معاملات کے انتظام کی خرابی کی بابت لارڈ کلائیو کے جو خیالات تھے ان سے متاثر ہو کر وہ اس بات کا زبردست حامی بن گیا کہ حکومت ہند کے معاملات میں پارلیمنٹ مداخلت کرے۔

(۲۲) جب نظماء نے ایک مسودہ قانون کے خلاف درخواست پیش کی جو اُن کے اختیارات مقرر کرنے کی بابت تھا تو اس درخواست کی مخالفت میں لارڈ کلائیو نے یہ زبردست الفاظ فرمائے تھے کہ " اگر کمپنی کو نجات نصیب ہوگی تو اسی ایوان پارلیمنٹ کی وساطت سے "۔

لارڈ کلائیو کی زندگی میں اس کی رائے اور اس کے اختیارات کی تبدیل کے لئے انتہائی کوششیں کی گئیں اور جب نئے مصنفین برطانوی ہند کی ابتدائی تاریخ بیان کرنے کے لئے ان مختلف روشن دستاویزات کا حوالہ دیتے ہیں جو

باب جو وہ چھوڑ گیا ہے تو یا تو وہ اس کے دشمنوں کی شہادت پر نامناسب زور دیتے ہیں یا وہ اپنے تئیں زبردست مصنفوں کی نیتوں اور رایوں کی قدر کرنے کے قابل نہیں ثابت کرتے لیکن لارڈ کلائیو کے خصائل جن سے کہ اس کی رایوں کی قدر کم یا زیادہ ہو سکتی ہے ہرگز خموشی سے چشم پوشی کرنے کے لائق نہیں کیونکہ ان کا ہماری سیاسی قوت کے مطالعے سے گہرا تعلق ہے؛

لارڈ کلائیو کا طرز عمل

تمام جماعتیں لارڈ کلائیو کے طرز عمل کے ابتدائی حصے کی بیحد ثنا خواں ہیں لیکن یہ خیال سخت غلطی پر مبنی ہے کہ لارڈ کلائیو نے اس زمانے میں کبھی بجز سپاہیانہ اوصاف کے اپنا کوئی اور وصف ظاہر نہیں کیا۔ اس نے سرکاری ملازمت کے ابتدائی زمانے ہی میں ثابت کر دکھایا کہ اُسے باشندگان ہند کے متعلق مکمل معلومات حاصل ہیں۔ اس نے نہایت فراخ دلی اور دل سوزی کے ساتھ ان کی کمزوریوں اور تعصبات کا مطالعہ کیا۔ اس نے اہل ہند کے اعلیٰ اوصاف کا اعتراف کر کے ان پر اعتماد کیا جس کی وجہ سے وہ نہ صرف اس کی دلاورانہ فتوح بلکہ اُس کی سیاسی اور سول خدمات کے بھی مدح سرا ہو گئے؛

لارڈ کلائیو نے بنگال میں جو انقلابات پیدا کئے انھوں نے اس کے دل میں نئی اُمنگ پیدا کر دی اور بہت جلد وہ بڑا صاحب ثروت ہو گیا اُسے بحیثیت سپہ سالار افواج ہند کمپنی کی اس زمانے کی ملازمت کے رواج کے بموجب نہایت بیش بہا تحائف ملے۔ اس نے اپنی جانفشانیوں اور کامیابی کا یہ انعام کھُلم کھُلا قبول کیا تھا اگرچہ کچھ مدت بعد اسی کے باعث وہ مورد الزام (۲۲ قرار پایا لیکن ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اُس وقت تحفے کی مقدار اور اس کے قبول

ـلہ لارڈ کلائیو اپنے مراسلہ مورخہ ۱۲ اگست ۱۷۵۷ء بنام مسٹر پٹ میں اپنے پیدا کئے ہوئے انقلاب کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ میں نہایت مسرت کے ساتھ آپ کو بتاتا ہوں کہ اس فتح سے جو فوائد مجھے اور کمپنی کو حاصل ہوئے ہیں ان کے ہم پلہ گولکنڈہ کی عظیم الشان عقلمندی نہیں ہو سکتی ہے۔ اس ملازمت کی منفعت ہی نے مجھے ایسے صحت مقام پر

باب ۳

کرنے پر کوئی شخص معترض ہوتا تھا۔

حقیقت حال یہ ہے کہ حکومت ہند کے اس زمانے کے ملازمان کمپنی کی تنخواہیں بہت قلیل ہوتی تھیں۔ سول۔ فوجی اور سیاسی خدمات پر جب وہ مامور ہوتے تھے تو ہندوستانی عہدہ داروں کی طرح ان تمام خدمات سے وہ بھی تنخواہ کے علاوہ حق المحنت اور دیگر فوائد وصول کر لیتے تھے جن کے کہ وہ انقلاب یا فتوح کی وجہ سے وارث بن گئے تھے یہ حق المحنت معمولی موقعوں پر خاص خاص شعبوں کی سرکاری آمدنی کا کچھ فی صد حصہ یا تجارتی حقوق یا ادنیٰ طبقے والوں کے تحائف کی شکل میں وصول (۲۴) کیا جاتا تھا لیکن ہر حالت میں اس کی مقدار بہت بڑی ہوتی تھی۔ لیکن اب جب صلح کی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ قیام کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اپنے مشیر قانون اعزا احباب کے جملہ خطوط میں اس نے اس تحفے کو بہت بڑا بیان کیا ہے اور ایک خط میں اُس نے صاف صاف لکھا ہے کہ نواب کی فیاضی کو پوشیدہ رکھنے کی میری خواہش ہرگز نہیں جو ہم دونوں کے لئے نہایت معزز ہے۔

لے بڑے معاملات میں اشخاص متعلقہ کو روپیہ دینے کی اس قسم کی ایک مثال ٹیپو سلطان کے معاہدہ میں ملتی ہے جو اس نے ۱۷۹۰ء میں لارڈ کارنوالس سے کیا تھا۔ دربار خرچ کے نام سے ۳۰ لاکھ روپیہ کا مطالبہ کیا اور ٹیپو سلطان نے یہ رقم دیدی جس کے صاف یہ معنی تھے کہ معاہدہ مرتب کرنے میں جن عہدہ داروں کا تعلق ہے ان میں یہ روپیہ تقسیم کیا جائیگا لارڈ کارنوالس نے اس میں سے اپنا حصہ نہیں لیا لیکن اس کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ لارڈ کلائیو کی بحیثیت سپہ سالار ۳ ہزار پونڈ سالانہ تنخواہ تھی اور اسے انگلستان میں کوئی انعام ملنے کی بھی توقع نہ ہوسکتی تھی اس کے برخلاف لارڈ کارنوالس کی سالانہ تنخواہ ۳۰ ہزار پونڈ تھی اور اس کے علاوہ اُسے حکومت نے ایک لاکھ پونڈ بطور انعام کے مرحمت کئے تھے۔

اب خدمات کا صلہ دینے کے لئے برعکس جو اصول اختیار کیا گیا ہے اسے ہم بعد میں بیان کرینگے لیکن ہم نے اس کا تذکرہ رائے قائم کرنے میں احتیاط سے کام لینے کے لئے کردیا ہے کیونکہ ہم گذشتہ واقعات کے متعلق بھی اپنے ہی زمانہ کے اعلیٰ اوصاف

باب گفت و شنید یا کسی نواب کی مسند نشینی کے لئے عظیم الشان واقعات پیش آتے تو زر نقد تحائف اور املاک بھی حاصل کی جاتی تھیں لیکن ان کی مقدار کا انحصار ایک فریق کے اعتدال اور دوسرے کی قابلیت پر ہوتا تھا۔

جب انگلستان میں سلطنت ہند کے متعلق خطرہ محسوس ہوا تو لارڈ کلائیو کا بنگال میں دوبارہ تقرر آٹھ سال وطن میں اپنی حاصل کی ہوئی ثروت سے عیش کرنے کے بعد کر دیا گیا۔ اس نے اپنے اس "مختصر دور حکومت" میں جو انتظام اور جو کارروائی کی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح اسکا کیرکٹر ذاتی اغراض اور ذاتی منفعت کے ناپاک (۲۵) اثر سے بالاتر تھا اسی طرح کسی کے خوف و رعب کی اثر پذیری سے بھی مبرا تھا۔

ان روز افزوں خرابیوں کے خطرات کا بھی اسے صحیح علم حاصل تھا جنھوں نے ہندوستان میں انگریزوں کی متزلزل قوت کی جڑیں اور بھی ڈھیلی کر دی تھیں اپنے ان معلومات کی بنا پر اُس نے ایک تجویز پیش کی (جس پر عملدرآمد کیا گیا) جس کی رو سے اس نے نہ صرف اپنے کو بلکہ اپنے جانشینوں اور کمپنی کے سول اور فوجی

سلسلہ حاشیہ صفحہ گذشتہ (۱۹) دیکھکر رائے قائم کرتے ہیں حالانکہ اب حالات کی نوعیت بہت بدل گئی ہے جب لارڈ کلائیو نے حکومت بنگال کا دوبارہ جائزہ لیا تو اس نے اپنے ایک خط مورخہ ۶ رمئی ۱۷۶۵ء بنام کمپنی میں تحریر کیا کہ "میں اب پھر اس بات کو دہراتا ہوں جو آپ کئی بار میری زبان سے سن چکے ہیں کہ میں خود کسی قسم کی منفعت حاصل کرنا نہیں چاہتا ہوں جو موقعے مجھے بحیثیت گورنر ملیں گے ان سے میں ایک پیسے کا بھی نفع نہ اٹھاؤنگا بلکہ آپ یقین فرمائے کہ اگر کوئی کمپنی کے اعزاز اور سعادت کے موافق ہوگا تو میں یہاں کے اختیارات اور انگلستان میں اپنے اثر سے کام لیکر دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرونگا اس وعدہ کو اس نے نہایت دیانت داری کے ساتھ پورا کیا اور وہ انگلستان جاتے وقت ۵ ہزار پونڈ کے خسارہ میں تھا۔ اس کی اولو العزمی کی بہت سی مثالیں پیش کیجا سکتی ہیں از انجملہ یہ ایک زبردست مثال ہے کہ جب میر جعفر کو مسند نشین کرنے کے وقت اُسے روپیہ ملا تو اس نے مسٹر واٹسن کے حصہ کو پورا کرنے کیلئے اپنے وصول شدہ حصے میں سے ایک معقول رقم دیدی کیونکہ وہ مسٹر واٹسن کو اس قدر حصے پانے کا مستحق تصور کرتا تھا لیکن ارکان کمپنی نے اسکی منظوری نہیں دی تھی۔

باب۳

محکموں کے جملہ عہدہ داروں کو اُن سے حلف اور عہد و پیمان لیکر اس امر کا پابند کر دیا کہ وہ اپنے مقررہ معاوضے کے علاوہ کسی اور وسیلے سے ایک حبہ بھی حاصل نہ کریں۔

لارڈ کلائیو کے کلکتہ پہنچنے پر سرکاری ملازمت کی جو حالت تھی اس کی کیفیت
لارڈ موصوف نے اپنے نظما والے مراسلے میں تحریر کی ہے جسے ہم کئی بار نقل کر چکے (۲۶)
ہیں۔

اس خط میں اس نے کمپنی کے سول اور فوجی ملازموں کی عام اخلاقی کمزوریوں کا صحیح خاکہ کھینچا ہے اور اس فوری تباہی کو بتایا ہے جو اس خرابی، عدول حکمی، عیش پرستی اور غارت گری سے پیدا ہوگی جو سلطنت کے ہر شعبے میں پائی جاتی ہے اور جس کا اثر کمپنی کے ہر ایک ملازم کے چال چلن پر پڑتا ہے۔

ہندوستان پہنچنے پر ان معاملات کی جو کیفیت تھی اُسے لارڈ کلائیو نے دارالعوام کے روبرو اپنی ایک تقریر میں بالفاظ ذیل بیان کیا تھا "اب میرے سامنے تین راستے تھے۔ اول نہایت کشادہ اور منفعت بخش تھا یعنی جس حالت میں کہ میں نے کمپنی کی حکومت کو پایا اس سے فائدہ اٹھا کر میں خود ان کا سردار بن جاتا۔ وہاں کے افسروں نے جدید قواعد کی مخالفت کرنے کا جو تحائف قبول کرنے کے خلاف نافذ ہوئے تھے فیصلہ کیا تھا اسکی میں تائید کرتا اور اس طرح ان کی ہمت بڑھاتا۔ اگرچہ ان قواعد کی میں نے دوسروں سے خود تعمیل کرائی تاہم کسی نہ کسی بہانے سے میں دولت حاصل کر سکتا تھا اور عزت کے ساتھ جو کچھ پہلے کمایا تھا اس میں کسی مذموم طریقے سے اضافہ کر کے انگلستان واپس ہو سکتا تھا دولت کی اس افزائش سے وطن میں میرا اثر ضرور بڑھ جاتا لیکن اس سے میری طمانیت قلب میں کچھ اضافہ نہ ہوتا کیونکہ تمام معززا اور بلند خیال اصحاب بجا طور پر مجھے حقارت کی نگاہ سے دیکھتے۔

دوسرے یہ کہ اپنے اختیارات میں اس قسم کی مداخلت دیکھ کر اور
اس سے مایوس ہو کر میں قومی سلطنت سے دست بردار ہو جاتا اور اس کے
بچانے کی کوئی کوشش نہ کرتا اور بنگال سے واپس چلا آتا لیکن یہ کارروائی میری (۲۷)

باب ۳

بزدلی اور حماقت کا نتیجہ سمجھی جاتی۔ بتیسرا راستہ نہایت پیچیدہ تھا جس میں سخت
خطرات اور مشکلات تھے لیکن میں نے اسی راستے کو اختیار کرنے کا عزم بالجزم
کر لیا۔ الغرض میں نے اپنا فرض منصبی ادا کرنے کی ٹھان لی خواہ میری کارروائی
کی کیسی ہی مخالفت کیوں نہ کیجائے کمپنی کی فلاح کے لئے بڑی سخت جانفشانی سے
کام کرنے کی ضرورت تھی لیکن میں نے اس کوڑے کرکٹ کو صاف کرنے کا پورا تہیہ
کر لیا۔ میرے اس طرز عمل ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ میرے انگلستان واپس آنے کے بعد
سے تمام اخبار مجھے گالیاں دیتے ہیں اور بدنام کرتے ہیں۔ میرے اس رویئے ہی
کی وجہ سے آج مجھ پر الزامات لگائے جاتے ہیں اور اسی طرز عمل کی بنا پر میں آج اپنے دل پر ہاتھ
رکھ کر اس ایوان کے اور دیگر حاضرین اور ساری دنیا کے روبرو نہایت دیانت داری کے
ساتھ اعلان کرتا ہوں کہ میں نے کبھی کسی ایسی کارروائی پر عمل کرنے میں دریغ نہیں کیا جس
میں مجھے کمپنی اور اپنے ملک کا حقیقی مفاد و وقار مضمر دکھائی دیا ہو اور نہ میں نے کبھی
کسی قسم کی سختی اور ظلم کا ارتکاب کیا البتہ اگر ملزموں کو از روئے انصاف سزا دینا جرم سمجھا جائے تو دوں
دوسری بات ہے استحصال بالجبر تو کبھی بھولے سے بھی میرے ذہن میں نہیں آیا میں نے اپنے زیر دستوں
کو سختی ظلم اور استحصال بالجبر سے کام لینے کی کبھی اجازت نہیں دی کسی شخص کے ایسے نفع
کے لئے میرے اثر سے کبھی کام نہیں لیا گیا جو عزت اور انصاف کے سخت ترین
اصول کے خلاف ہو۔ خود کسی قسم کا فائدہ اٹھانا تو درکنار میں اس مرتبہ اپنی جیب
سے کئی ہزار پونڈ ضائع کر کے انگلستان واپس آیا ہوں "

لارڈ کلائیو کے کیرکٹر پر اس نیت سے جو ضرر رساں حملہ کیا گیا تھا کہ اُسے (۲۸)
ثروت اور شہرت سے محروم کر دیا جائے۔ لارڈ کلائیو اسے بجا طور پر اپنے دشمنوں
کی حرکت بتاتا ہے جو اس قابل یادگار موقع پر اس کے طرز عمل سے اس کے
دشمن بن گئے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنھیں اس نے برخاست کر دیا تھا یا جن
پر وہ غالب آیا تھا۔ ان کی فہرست میں سول اور فوجی محکموں کے بڑے بڑے
لوگوں کے نام داخل تھے اور وہ تمام لوگ جن کی لوٹ کھسوٹ کو اُس نے روک دیا
تھا اور جن کے حریصانہ افعال میں وہ مزاحم ہوا تھا اس وقت اس کے مخالف
بن گئے اور اپنے روپیہ اپنی قابلیت اپنے وکلاء۔ احباب اور اعزا کے زور سے

باب
اس کی تباہی کے درپے ہو گئے۔ ان لوگوں نے لارڈ کلائیو کے متعلق بیان کیا کہ ناجائز ذرائع سے دولت پیدا کر کے وہ دولت کے نشے میں سرشار ہو رہا ہے اور ہمارا اس لئے مخالف ہو گیا ہے کہ ہم بھی اسی طرح روپیہ کمانا چاہتے تھے۔ ہماری چغلیاں کھا کر اور اپنی قوت سے ہم کو سزا دیکر وہ اپنے کیرکٹر کی خوبی اور اپنی بے لوثی ثابت کرنا چاہتا تھا۔ بحیثیت سپاہی اور مدبر کے بھی اس کی فہم و فراست پر نکتہ چینی کی گئی اور اس کی کامیابی کو اس کے زبردستوں کی کارگزاری اور اس کے دشمنوں کی کمزوری سے جن کو اس نے شکست دی تھی اور ناگہانی واقعات سے منسوب کیا گیا۔

کمپنی نے ہندوستان میں ایک عظیم الشان سلطنت اس قدر اچانک طور پر حاصل کر لی تھی کہ ہمیں کوئی استعجاب نہیں ہوتا جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انگلستان میں جن اصحاب کے ہاتھ میں یہاں کی عنان حکومت تھی وہ اس کے قدم بقدم نہ چل سکے۔ وہ اپنی تجارتی رائے پر جمے رہے اور سیاسی قوت کو اندیشے کی نظر سے دیکھتے تھے جس کا پہلا نتیجہ تو یہ ہوا کہ ملازموں پر ان کا اقتدار اور رعب کم ہو گیا اور یہاں کمپنی کے ملازم آپس میں لڑتے جھگڑتے اور ایک دوسرے کے خلاف سازشیں کرتے تھے اور حریف کی ضرب سے اپنے آپ کو بچانے یا ترقی حاصل کرنے کے لئے اپنے انگلستان کے احباب کی مدد تلاش کرتے تھے اور اسی کو اپنے لئے بہترین وسیلہ تصور کرتے تھے۔ ان حالات میں اگر مفاد عامہ کا کبھی خیال آتا تو افراد کے بڑھانے یا گرانے کی فکر میں اسے نظرانداز کر دیا جاتا تھا۔ (۲۹)
ان میں سب سے انوکھی تجویز وہ تھی جو ۱۷۵۷ء میں منظور ہوئی اور جس کی رو سے یہ طے پایا کہ بنگال میں حکومت باری باری سے ہوا کرے۔ اس غرض کے لئے نظماء نے چار سول ملازموں کا تقرر کیا تھا تاکہ وہ پیچھے بعد دیگرے تین تین مہینے کام انجام دیں اس میں قابل تذکرہ یہ امر ہے کہ ان ممتاز وقتی حکمرانوں کی فہرست سے لارڈ کلائیو کا نام غائب تھا۔ اس تجویز کی منظوری کے بعد ہی جو انقلاب رونما ہوئے انھوں نے مفاد عامہ کو بغیر سخت نقصان پہنچائے اس تجویز پر عملدرآمد کرنا ناممکن بنا دیا ان چاروں اصحاب نے جو گورنر مقرر ہوئے تھے لوٹی سے

باب ۳ سے کام لیا جس سے وہ واجب الاحترام ہیں) اس خیال سے متاثر ہو کر مجلس[1] بنگال کے دیگر ارکان سے مشورہ کیا گیا اور ان سب نے متفق ہو کر کرنل کلائیو سے استدعا کی کہ آپ زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ کلائیو نے ان کی درخواست منظور کرلی اور اس کے حق میں ان گورنروں نے اپنے استعفے پیش کر کے مجلس نظما کے اس ارادہ پر پیشتر ہی سے عمل شروع کردیا جو فتح پلاسی کی خبر سننے پر کیا گیا؛

(۳۰) **لارڈ کلائیو کے خصائل**

اگرچہ عوام اور مالکان کمپنی کی خواہش سے لارڈ کلائیو کا ہندوستان میں دوبارہ تقرر ہوا تھا لیکن مجلس نظما کی ایک جماعت نے اس کے تقرر کی سخت مخالفت کی اور اس کے دشمنوں نے ان لوگوں کی اعانت سے جنھیں اس نے برخاست یا ذلیل کیا تھا کثرت رائے حاصل کرلی لیکن ان کی ساری کوششیں اور پارلیمنٹ میں اسکے مخالفین کی ساری قابلیت اس کی ہمت وجرات کو کم نہ کرسکی اور اس نے ایسی دلاوری اور فصاحت کے ساتھ اپنے کیرکٹر کو بچایا کہ وہ اپنے جملہ مخالفین پر غالب آگیا؛

لارڈ کلائیو کا کیرکٹر ہندوستان میں ہماری قوت کی ترقی سے وابستہ ہے اور اس وجہ سے ہماری خاص توجہ کا مستحق ہے۔ جب کبھی ہم اس کے قومی ورسیاسی طریقۂ کار اور ان وسیع معلومات پر غور کرتے ہیں جو اسے اہل ہند اور اُن کے قوانین ورسوم اور حکومت کے متعلق حاصل تھے اور ایسے ملک میں ضابطہ اور اصول جاری کرنے کے لئے اس کی کوششوں کو دیکھتے ہیں جہاں سلطنت کا کوئی اور نظام ہی موجود نہ تھا۔ نیز جب ہم اس کی مستعدی اور جرات پر نظر کرتے ہیں جس سے اس نے حکومت کے فوجی اور سول عمال کے باغیانہ جذبات اور عدول حکم کے رجحانات کو دبایا اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے فتح مندی سے کیا کیا کام لیا اور کس کس طرح سلطنت کی قوت مستحکم کرنے اور مشرق میں ہماری سلطنت

[1] مراسلہ منجانب کمپنی بنام کرنل کلائیو مندرجہ پارلیمنٹری رپورٹ۔

کے نظم ونسق کو ترقی دینے کی کوششیں کیں تو اس کی دماغی قوتوں کی وسعت کا
اندازہ کر کے ہم حیرت میں رہ جاتے ہیں۔ تاہم حاضرین نے کسی شخص پر ایسے
زبردست حملے نہیں کئے اور نہ ایسے بہتان لگائے جیسے کہ لارڈ کلائیو پر لگائے
گئے۔ جو توقعات کہ اس کی کامیابی سے پیدا ہوئے تھے جب اُن کے بر آنے
میں ان واقعات کے رونما ہونے سے مایوسی پیدا ہوئی جن پر اُسے قدرت حاصل
نہ تھی تو اس کے مخالفین نے پبلک کا رخ بدلا ہوا دیکھ کر اس سے فائدہ اٹھایا۔
اور اس پر طعن وتشنیع کرنے لگے حالانکہ جو نتائج مرتب ہوئے تھے وہ خاص طور (۳۱)
پر انھیں کے باہمی تنازعات اور بدنظمی سے منسوب ہونے چاہئیں۔ ان کی
کوشش سے جو تعصبات پیدا ہو گئے انھیں مقررین اور مصنفین نے برقرار
رکھا جو بلالحاظ مقامی حالات وخصوصیات کے ہندوستانی مسائل پہ بحث کرتے
تھے۔ یہ مسائل ان لوگوں کی سمجھ میں نہ آتے تھے لہذا انھوں نے حکمت عملی کے
پیچیدہ مسائل کو معمولی باتوں کی طرح پیش کر کے محض معمولی اور ناواقف اشخاص
کو مطمئن اور خوش کر دیا۔ ہندوستان میں جو لوگ برسر اقتدار ہیں انھیں کیسی ضرورتیں
پیش آتی ہیں انھیں کیسے خطرات کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور کن کن خطرات سے
بچنا پڑتا ہے اور کس تجویز پر عمل کرنے کے ذرائع مفقود ہوتے ہیں۔ بعض قوموں اور
والیان ملک کے جذبات اور کیرکٹر کے متعلق چاپلوسی سے کام لینا پڑتا ہے
یا مخالفانہ روش اختیار کرنی پڑتی ہے۔ یہ امور ان حضرات کے لئے ناقابل
التفات ہیں وہ سیدھی سادی باتوں سے نتائج اخذ کر لیتے ہیں اور مقامی تجربہ اور
صحیح معلومات کو متعصبانہ اور نجس تصور کر کے چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ اگر انھیں
باور کر لیا جائے تو پھر اُن کا محبوب نظریہ باطل ہو جائیگا اور پھر مقررہ اصول
وقواعد کے جواز میں شکوک پڑ جائیں گے جن سے ان کے خیال کے مطابق
ہر ایک کارروائی کی پختگی کو جانچنا چاہیے۔

ان حضرات کے نزدیک ہندوستان کے محاربات اور مسلک کا معیار (۳۲)
بہت پست کر دیا گیا ہے اور مغربی ممالک کے حکام کے مقابلے میں ہندوستان
کے عمال قطعی ذلیل اور ناقابل التفات ہیں۔

باب

ان مصنفین کی رائے میں انگریز حکام نے فاش غلطیوں اور جرائم کے سوائے کوئی کام بڑے پیمانے پر نہیں کیا ہے ان کی کارروائیوں کو یہ مصنفین جس معیار سے جانچتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی اور سوسائٹی اور کسی دوسری حکومت کے متعلق رائے زنی کر رہے ہیں ان خود ساختہ ججوں کی رائے میں لارڈ کلائیو کا یہ دعوےٰ بالکل مہمل ہے کہ آنیوالی نسلیں میرے کارناموں کی داد دیں گی لیکن کلائیو کے کارناموں سے جس قدر زیادہ واقفیت ہوگی[1] اسی قدر اس کی شہرت کو چار چاند لگیں گے ان سے ثابت ہو جائیگا کہ اس میں سپہ سالاری سے کہیں زیادہ مدبری کے اوصاف موجود تھے ؛؛

جب اپنی صحت کی خرابی کے باعث لارڈ کلائیو انگلستان جانے پر مجبور ہوا تو چلتے وقت اس نے اپنے جانشینوں کے نام ایک خط لکھا تھا اس میں اس نے اپنا یہ اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ میں نے بڑی دقتوں سے بد دیانتی اور نافرمانی کی اسپرٹ کو دبایا تھا اگر خدانخواستہ اس اسپرٹ نے پھر عود کیا تو سلطنت بڑے خطرے میں مبتلا ہو جائیگی ؛ وہ لکھتا ہے کہ اس حکومت میں یہ عام دستور ہے کہ قواعد اور قوانین بنا دئے اور پھر سمجھ لیا کہ ہمارا کام ختم ہوگیا لیکن اگر ان کا اعلان نہ کیا جائے اور ان پر عملدرآمد نہ ہو تو وہ کس مصرف کے ہیں ؛

(۳۳) جب تک کہ تم نافرمانی کی سخت سزا نہ دو اس وقت تک نہ تو کسی قانون پر عملدرآمد ہو سکتا ہے اور نہ کسی حکم کی تعمیل ہو سکتی ہے میں صرف اسی ایک دلیل

---

[1] مصنف نے دیباچہ میں لارڈ پاوس کا شکریہ ادا کیا ہے کہ اس نے اپنے باپ یعنی لارڈ کلائیو کے جملہ کاغذات اور خطوط بلا تکلف دکھا دئے۔ یہ کاغذات بکثرت تھے ان میں سے اکثر نہایت دلچسپ تھے۔ ان کاغذات سے سوانح عمری تیار کرنے کے لئے بہت کچھ مواد ملیگا اور ایک بڑے شخص کا کیرکٹر ظاہر کرنے اور ہندوستان میں برطانوی قوت کے عروج کا حال بیان کرنے میں بہت کچھ مدد ملے گی ؛

باب۳ بنگال میں کمپنی کی فلاح و بہبود کو منحصر کرتا ہوں اب کمپنی کے ملازموں میں اپنے فرائض منصبی کا پورا احساس پیدا ہوگیا ہے۔ اگر آپ عنان حکومت کو ڈھیلا کردینگے تو سارے معاملات پلٹ کر اپنی پہلی حالات پر آجا ئینگے۔ بدامنی اور بد دیانتی رواج پاجائیگی اور جدید فتحمندی کی اُمنگ پیدا ہوجائیگی اور پھر ان خرابیوں کے دفیعے کے لئے حکومت کو سخت کوشش کرنی پڑیگی۔ یاد کیجئے کہ سول اور فوجی محکمے والوں نے ہماری عدول حکمی کرنے اور مجلس نظما کے خلاف آزادی اختیار کرلنے کے لئے کیسی کیسی سر توڑ کوششیں کی ہیں ہماری زبردست تدابیر اور ان کے سود مند نتائج پر بھی غور فرمائے۔ حکام کی نافرمانی کرنا بغاوت کا پہلا قدم ہے اور ادھورے یارو کت حکام کے کاموں سے اصلاح نہیں ہوتی ہے۔ ہر بات کو خاموشی سے تسلیم کرلینے اور آپ کے دب کر کام کرنے سے ان لوگوں کو اور بھی سخت حملوں کی جسارت پیدا ہوگی اور یوماً فیوماً ان میں اضافہ ہوگا جن کا پھر مقابلہ نہ ہوسکے گا۔ ان خرابیوں کے رفع کرنے میں ہمارا بہت سا وقت صرف ہوا ہے اور یہ اہم کام پورے جوش۔ محنت اور بے لوثی سے انجام دیا گیا ہے اور یہ دیکھکر ہمیں اطمینان ہوگیا کہ بحمداللہ ہماری محنت ٹھکانے لگی۔ ہیں نے ملک کو بالکل امن کی حالتمیں چھوڑا ہے۔ سول اور فوجی محکمے والے ضابطے کے پابند اور اطاعت گزار ہیں۔ اب آپ صاحبان کا یہ فرض ہے کہ انھیں اسی حالت میں رکھیں۔ آپ میں قوت قابلیت اور دیانتداری موجود ہے۔ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ دینا کہ آپ میں ہمت و جرأت کی کمی ہے۔ میں آپ سے پھر کہتا ہوں کہ اپنے احکام کی پوری پوری تعمیل کرانے میں کوتاہی نہ کرنا جو شخص بھی آپ کے احکام کی تعمیل میں چون و چرا کرے اُسے فوراً برخاست یا معطل کردینا۔

"اگر آپ ان اصولوں سے روگردانی کریں گے جن پر کہ اس وقت تک ہم نے کام کیا (۳۴) ہے اور جن پر کاربند رہنا آپ ضروری بھی سمجھتے ہیں اور اگر آپ اس قوت سے صحیح طور پر کام نہ لیں گے جو آپ کو عطا کی گئی ہے تو پھر میں بری الذمہ ہونگا کیونکہ نتائج سے میں نے آپ کو آگاہ کردیا ہے"

لارڈ کلائیو نے اپنے ساتھیوں کو چلتے وقت اسی قسم کی نصیحتیں کی تھیں

باب

لیکن اصلاح کا جو کام اُس نے شروع کیا تھا وہ صرف اس کی اعلیٰ فراست اس کے زبردست کیرکٹر کے اثر کی اعانت سے درجۂ تکمیل کو پہنچ سکتا تھا اور جن لوگوں کے سپرد یہ کام ہوا وہ ان کے بوتے کا نہ تھا

مسٹر وریلٹ سنہ ۱۷۶۷ء

اس میں شک نہیں کہ مسٹر وریلٹ کا ارادہ اسی شاہراہ پر چلنے کا تھا جو اُسے بتا دی گئی تھی لیکن وہ ضرورت سے زیادہ نرم مزاج تھا اور لارڈ کلائیو نے اس قدر زور کے ساتھ جو بات اس کے ذہن نشین کرائی تھی کہ اُسے نہایت سختی سے اپنے اختیارات استعمال کرنے چاہئیں اُس سے وہ شروع ہی میں ہٹ گیا لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس بھی ہوتا تو بھی یہ ممکن نہ تھا کہ لارڈ وریلٹ یا کوئی اور شخص مالکان ایسٹ انڈیا کمپنی کو اُس کے اس ارادے سے کچھ زیادہ عرصہ تک باز رکھ سکتا جو وہ مقامی حکومت پر اثر قائم کرنے اور اُس کے اختیارات کو سلب کرنے کے لئے ظاہر

(۳۵) کر رہے تھے اپنے حصص پر زیادہ نفع ملنے کی توقعات میں مایوس ہو کر اور افراد کو بڑھانے کی خواہش اور اپنے احباب اور اعزا کے فرضی یا حقیقی نقصانات کے اندیشے سے ناراض ہو کر نظماء نے اس زمانہ میں اپنی مجلس کو حسد نا اتفاقی اور ظلم کا اکھاڑا بنا لیا تھا جس میں مختلف اغراض یکے بعد دیگرے غالب آتے تھے۔ بالآخر کثرت آرا سے طے ہو گیا کہ تین عہدہ دار بطور نگران کار سفیر کر کے ہندوستان روانہ کئے جائیں اور انھیں وہ تمام اختیارات دئے جائیں جو کمپنی کی حکومت کو انگلستان میں حاصل ہیں اور توقع کی گئی کہ اُن کی وسیع معلومات اُن کی خوبیوں اور اُن کی اعتدال پسندی سے بڑے بڑے فوائد حاصل ہوں گے۔

اس کارروائی پر چند اعتراضات بھی ہوئے لیکن ان کی پروا نہیں کی گئی اور بالآخر یہ نگرانکار انگلستان سے روانہ ہو لئے لیکن جس جہاز میں یہ عہدہ دار سوار تھے وہ اتفاق سے راستہ ہی میں غرق ہو گیا اور اس حادثے سے اس تجویز کا خاتمہ ہو گیا اگرچہ اس تجویز پر عملدرآمد کرنے کے لئے نہایت اعلیٰ قابلیت کے اشخاص منتخب کئے گئے تھے لیکن اس تجویز کے بانیوں کی توقعات غالباً پوری نہ ہوتیں ہو

سنہ ۱۷۶۳ء میں پیرس کے معاہدے میں ایک خاص دفعہ جملہ تنازعات

ختم کرلنے اور ہندوستان میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کے حقوق واضح کرلنے کے لئے شامل کی گئی ؛ باب

اس شرط کی رو سے محمد علی خاں کو کرناٹک کا جائز نواب اور صلابت جنگ کو دکن کا صوبہ دار تسلیم کرلیا گیا اول الذکر انگریزوں کا اور آخر الذکر فرانسیسیوں کا ساتھی تھا۔ ہندوستان کے معاملات کو اس طرح یورپ کی حکمت عملی سے ملانا نہایت غیر موزوں اور غلط طریقہ تھا۔ نظما محمد علی خاں کو اپنے حلیف کی حیثیت سے نواب تسلیم کرنا چاہتے تھے لیکن لارڈ کلائیو مذکورہ بالا معاہدے کی متعلقہ دفعہ سے (۳۶) پریشان ہوا اور اس کے مشورہ سے اس میں مناسب ترمیم کردی گئی تاکہ اس سے کوئی نقصان نہ پہنچ سکے لیکن شاہی وزراء کے طرز عمل کی وجہ سے یہ بات حاصل نہ ہوسکی اور انھوں نے کمپنی کے اختیارات میں ایسی بیجا اور شر انگیز مداخلت کی جس کی کوئی نظیر تاریخ ہند میں نہیں مل سکتی ہے ؛

وزراء نے سنہ ۱۷۷۰ء میں شاہی بیڑے کے سردار سرجان لنڈسے کو جو ہندوستان میں مقیم تھا محمد علی کے دربار میں اپنا سفیر مقرر کیا اور اُسے پورے اختیارات دئیے اور اس امر کیلئے یہ دلیل پیش کی کہ چونکہ شاہ برطانیہ اس معاہدہ کا ایک فریق ہے اس لئے بغیر نظما کے توسط کے اُسے یہ استحقاق حاصل ہے کہ وہ اس کا لحاظ رکھے کہ شرائط معاہدہ پر پورے طور پر عمل کیا گیا ہے یا نہیں۔ اصلی واقعہ یہ تھا کہ نواب کرناٹک کئی سال سے ان پابندیوں سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو مدراس کی مقامی حکومت کے تعلقات سے اس پر عاید کردی گئی تھیں اور جو انگریز اس کے گردوپیش تھے انھوں نے اُسے یہ مشورہ دیا کہ اگر شاہ انگلستان سے راست معاہدہ نہ ہو سکے تو اس سے کم از کم راست تعلقات قایم کرکے تم کمپنی سے نجات حاصل کرلو ان انگریزوں کو یہ توقع تھی کہ ہمارے آقا کا مرتبہ بڑھ جانے سے ہماری بھی توقیر ہوگی اور ہم کو بہت کچھ مالی فائدہ بھی پہنچے گا ؛

نواب محمد علی خاں کا ایسے مشیروں کے دم میں آجانا کوئی حیرت انگیز بات (۳۷) نہیں ہے۔ نواب محمد علی خاں کی یہ تمنا جائز اور معقول تھی کہ اس کی توقیر اور قوت

باب ۳

میں اضافہ ہو جائے اور نہ ہم اس بات پر تعجب کر سکتے ہیں کہ زیادہ دولت حاصل کرنے کی خواہش میں ان لوگوں نے نواب کو اس کوشش کی جرأت دلائی لیکن ان حضرات کی نیت کی بابت کیا تاویل کی جا سکتی ہے جنھوں نے سر جان لنڈسے (Sir John Lindsay) کا تقرر کرانے کے بعد اپنے ملک کے باضابطہ حکام کے خلاف دوسروں کو نہ صرف امداد دی بلکہ خود ہی اس حملہ کے بانی مبانی ہوئے۔ ایک قابل مصنف نے اس کارروائی کا صحیح نقشہ کھینچا ہے اور اس مضمون کی نہ صرف بطور سند کے بلکہ بطور ایک سبق آموز تمثال کے خاص اہمیت ہے لہٰذا ہم اسے یہاں درج کر دیتے ہیں:۔

وہ لکھتا ہے کہ "سر جان لنڈسے سفیر اگرچہ بظاہر ایک جہاز کا سردار مقرر ہوا تھا اور آرڈر آف دی باتھ کے فیتہ اور ستارے سے ممتاز کیا گیا تھا لیکن رازمیں اُسے وسیع اختیارات دیکر شاہِ برطانیہ کا نمایندہ مقرر کیا گیا اور اُسے نواب محمد علی خاں کے یہاں بھیجدیا گیا۔ یہ اعزاز پاکر سفیر مذکور مدراس کے گورنر اور اُس کی مجلس کا یک بیک سخت مخالف ہو گیا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان پر حملہ کرنے کی گھات ہی میں تھا اور اس وقت سے وہ کھلم کھلا نواب کرناٹک کا طرفدار اور اپنی قوم کی قائم مقام حکومت کا مخالف ہو گیا ہ

اس شاہی سفیر نے اپنی ساری کوشش نواب کرناٹک کا وقار بڑھانے اور حتی المقدور مقامی حکومت کے اختیارات کم کرنے میں صرف کر ڈالی ہ

نطا نے اس کے متعلق رائے زنی کی ہے کہ اس موقع پر سفیر مذکور ۳۴ نواب محمد علی خاں کے تخت کے سامنے کمپنی کو ذلیل کرنے ہی میں اپنی کارگزاری سمجھتا تھا"

جو اصحاب یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ کمپنی کی حکومت کے خلاف یہ غیر معمولی کوشش کس حد تک پہنچ گئی تھی وہ ان مورخین کی تصانیف کا ملاحظہ کریں جنھوں نے اس زمانے کے حالات قلمبند کئے ہیں۔ ہم نے تو اس کا تذکرہ صرف

ہ جنوبی ہند مصنفۂ ولکس حصۂ دوم صفحہ ۱۶۔

یہ بات دکھانے کے لئے کر دیا ہے کہ شاہی وزرا اس زمانے میں ہندوستان کے معاملات میں کس کس قسم کی مداخلت کیا کرتے تھے ۔ معاملہ کے سمجھنے کے واسطے اس کے جاننے کی اشد ضرورت ہے کیونکہ اس مداخلت ہی کی بدولت دوسروں کو سرفراز کرنے اور اپنے لئے اختیارات حاصل کرنے کے جھگڑے شروع ہوئے جن کے اثرات ہماری مشرقی سلطنت کے ہر حصّہ میں بہت جلد نمایاں ہو گئے؛ باب ۵

وارن ہسٹنگز کا تقرر ۱۷۷۲ء

مختلف جماعتوں کے اس زبردست تصادم کے دوران میں یعنی ۱۷۷۲ء میں وارن ہسٹنگز ہندوستان کا گورنر جنرل مقرر ہوا۔ اس شخص کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے۔ اس نے اپنی اعلیٰ فراست اور قابلیت سے ان تمام قوتوں کا پر زور مقابلہ کیا جو متعدد اسباب کی وجہ سے اس کے خلاف مجتمع ہو گئی تھیں اور اسکی زندگی کے آخر زمانے میں نہایت اہم واقعات رونما ہوئے ۔ نہ صرف بادشاہ سلامت نے اسکی عزت افزائی فرمائی بلکہ اس نے اُس دار العوام سے بھی خراج تحسین وصول کیا جس کے ارکان نے بیس[۱] سال قبل اس پر مقدمہ چلانے کا فیصلہ کیا تھا؛

مسٹر ہسٹنگز نے ہندوستان میں طویل زمانہ نہ صرف کیا اس نے مختلف (۳۹)
عہدوں پر کام کیا حتیٰ کہ وہ گورنر جنرل کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر پہنچ گیا۔ اسے اہل ہند کی مختلف زبانوں اور رسم و رواج سے پوری واقفیت حاصل ہو گئی تھی اور اس معلومات نے اس کی اعلیٰ دماغی قابلیتوں سے مل کر اس میں ایسے اعلیٰ اوصاف پیدا کر دیے جن کے بغیر وہ اس سلطنت کو تباہی سے نہیں بچا سکتا تھا جس کی زمام حکومت اُس کے ہاتھ میں دی گئی تھی لیکن جن حضرات نے اسکے دشمنوں اور اس پر الزام لگانے والوں کے بیانات پر یقین کیا ہے انھوں نے اور لارڈ میکالے نے

---

[۱] ۱۸۱۳ء میں وارن ہسٹنگز کمپنی کی مراعات کی تجدید کے سلسلہ میں بعض مسائل کے متعلق شہادت دینے کے لئے دار العوام میں طلب کیا گیا تھا جس وقت کہ وہ ایوان پارلیمنٹ میں داخل ہوا تو جملہ ارکان اُس کی تعظیم کے لئے سرو قد کھڑے ہو گئے۔

باب۳ کی طرح اس کے متعلق بھی رائے زنی کرتے ہیں بڑا ظلم کیا ہے اُن حضرات نے خاص خاص واقعات سے عام نتائج مستنبط کیئے ہیں اور جو غیر معمولی واقعات اُسے پیش آئے اور جس مجبوری کی حالت میں اس نے کام کیا اور جن مشکلات پر اُسے حاوی ہونا پڑا ان کی طرف انھوں نے مطلق توجہ نہیں کی ہے ؂

وارن ہسٹنگز کا دور حکومت

سنہ ۱۷۷۳ع کے قانون کی رو سے ایسٹ انڈیا کمپنی بہ نسبت سابق کے وزرا کی زیادہ دست نگر اور ماتحت ہوگئی جب مسٹر ہسٹنگز گورنر جنرل مقرر ہوا تو اسی کے ساتھ تین اشخاص جنرل کلیورنگ (General Clavering) کرنل مانسن (Colonel Monson) اور مسٹر فرانسیس (Mr- Francis) کا تقرر کونسل میں ہوا۔ انھوں نے سلطنت ہند کے متعلق انگلستان میں سبق پڑھا تھا اور انکی رائے ہر معاملہ میں مسٹر ہسٹنگز کے خلاف تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت کا نظم و نسق ان کے ہاتھ میں آگیا کیونکہ مجلس میں انھیں اکثریت حاصل تھی۔ جنرل کلیورنگ کے انتقال کے بعد وارن ہسٹنگز کو زیادہ اختیارات حاصل ہوگئے۔ معاملات کی اس حالت کا اندازہ
(۴۰) آپ خود کر سکتے ہیں جو اختلاف رائے کہ مجلس میں تھا وہ ملازمت کے ہر شعبہ میں پھیل گیا اور باشندگان ہند ہمارے ان اختلافات کو ہماری کمزوری پر محمول کرنے لگے اور اسے انھوں نے ہمارے تنزل کا پیش خیمہ سمجھا۔ ممکن ہے کہ ان حضرات کی نیت بخیر ہو جنھوں نے یہ خرابی پیدا کی تھی۔ لیکن جن اصولوں پر ہم نے ہندوستان پر اپنا قبضہ برقرار رکھا ہے اس سے وہ لوگ بہت کم واقف تھے ورنہ وہ مقامی حکام کے اختیارات محدود کرنے اور ان کو اپنے قابو میں رکھنے کی کوشش کرکے ہماری سلطنت کی بنیاد کو خطرہ میں نہ ڈالتے جیسا کہ انھوں نے کیا ؂

مسٹر ہسٹنگز نے اپنی حالت کا خود نہایت نفیس خاکہ کھینچا ہے اُسکی شہادت اُسی کے معاملے میں ناقابل اعتبار کہی جا سکتی ہے اُس کے بیانات اور واقعات متعلقہ پر ہم رائے زنی کر سکتے ہیں لیکن عام نتائج جو مسلمہ منطقی قضیہ سے اخذ کئے جائیں اور تجربہ و دانشمندی پر مبنی ہوں ان کی نوعیت محض اس بات سے نہیں بدل سکتی کہ وہ ایک غرض مند شخص کے اخذ کئے ہوئے ہیں۔ برخلاف اس کے اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ جن خیالات و احساسات سے متاثر ہو کر یہ رائے

باب قائم کی گئی تھی ان سے اُس کی صداقت میں کوئی فرق نہیں آیا تو ہمارے نزدیک اس قسم کی رائے کی وقعت بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔حکومت کی حقیقی حالت کے اثرات کا ذکر کرتے ہوئے جن کی وجہ سے خرابیاں زور پکڑ رہی تھیں اور اصلاحات میں رکاوٹیں پیش آتی تھیں مسٹر ہسٹنگز لکھتا ہے کہ "وہ ہر ایک معاملے کو تفصیل سے بیان کرنا ناممکن ہے" قصہ مختصر عنان حکومت بہت سے اشخاص کے ہاتھ میں ہے۔ اس حالت میں سلطنت کے نظم ونسق کی ذمہ داری جس قدر کم اشخاص پر ہوگی اُسی قدر خرابی میں تخفیف ہو جائیگی۔ یہاں ہر شخص کو برابر کے اختیارات حاصل ہیں۔ حکومت کے عہدہ داروں کا انحصار دوسروں کی عنایت پر ہے انگلستان میں ذلیل ہونے اور برطرف کئے جانے کا انھیں ہر وقت کھٹکا لگا رہتا ہے "

(۱۴) ان پر الزامات لگانے والے اور اُن کی جگہ کے امیدوار ہی ان کے خلاف شہادت مرتب کرنے والے اور اُن کے طرز عمل کے جانچنے والے ہیں۔ جبکہ ارکان حکومت میں اختلاف رائے موجود ہے (اس اختلاف رائے کو میں نہایت افسوس اور شرم کے ساتھ بیان کرتا ہوں) جبکہ حکام خود اس اختلاف کو پیدا کرتے ہیں حالانکہ ہر ایک رکن کو انگلستان کے حکام کی امداد کی ضرورت ہے اور جو امداد اُسے ملے اُس کا معاوضہ اُسے دینا پڑتا ہے اور جبکہ حکومت کا ہر ایک رکن دوسرے پر نفس پرستی کا اتہام لگاتا ہے اور اپنی ہر ایک ناکامی کا انتقام لینے کے لئے تیار رہتا ہے حالانکہ وہ اپنی ناکامی کے اسباب خود سمجھ سکتا ہے اور کسی اور شخص کو الزام دینے کی ضرورت نہیں۔ جبکہ اعلیٰ درجہ کے کارناموں کی طرف سے بھی چشم پوشی کیجاتی ہے اور ذاتی اغراض ومفاد کے ایثار کے بدلے میں رشوت ستانی کا الزام لگایا جاتا ہے تو ایسی حالت میں اصلاح کی کیا توقع کی جاسکتی ہے "

اپنی یادداشت کے دوسرے حصہ میں حکومت کے موجودہ نظم ونسق کے اثرات کے متعلق زبردست رائے ظاہر کرکے وہ بیان کرتا ہے کہ اگر طرز حکومت دوسری طرح کا ہوتا تو اس کا کیا انجام ہوتا "

باب وہ لکھتا ہے کہ پارلیمنٹ کے جس حکم کی رو سے میں کمپنی کے مقبوضات
بنگال کا صدر مقرر ہوا تھا اگر اُسی کی رو سے وہ وسیع اختیارات بھی مجھے دیدیئے
جاتے جو اس عہدے کے نام کے ساتھ وابستہ معلوم ہوتے ہیں اور اگر مخالفین
کو شریک کار بنانے کی بجائے انھیں میری اطاعت پر مجبور کیا جاتا اور اگر میری
علیحدگی سے اُن کے دل میں نئی توقعات پیدا کرنے کے بجائے میرے خلاف
(۴۲) شور و غوغا بلند کرنے والوں کی زبان بندی کیجاتی اور کمپنی کے ملازمان کو یہ نصیحت
کی جاتی کہ وہ مجھے اپنا آقا سمجھیں جیسا کہ قانوناً انھیں سمجھنا چاہیئے تھا اور جب
کمپنی کے معاملات کی نگرانی نظما سے وزرا کو منتقل کی گئی تھی اس وقت سرپرستی
کے اُن دعووں میں اضافہ کرنے کے بجائے کمی کر دی جاتی جن کے استعمال کرنے
کا ہر وہ شخص اپنے کو مستحق سمجھتا تھا جو کچھ ذاتی اثر رکھتا تھا یا جس کے تعلقات
دیگر بااثر حضرات سے تھے اور اگر اس عہدے پر کام کرنے کی مدت کا تعین
میری مرضی اور میرے کام کی خوبی پر چھوڑا جاتا اور سرپرستی کے دعووں کی تعمیل
پر اس کا انحصار نہوتا تو آج مجھے یہ ضرورت نہ ہوتی کہ میں اپنے فرائض کی کوتاہی
کی پبلک کے سامنے معذرت پیش کروں لیکن ہر معاملے میں نتیجہ برعکس ہی برآمد
ہوا ؛

اگر ملک کے حقیقی فوائد پر غور کیا جائے تو اس سارے نظام کو تبدیل
کر دینا چاہیئے کیونکہ جب تک فلاح عامۃ الناس کے انتظامات کے مقابلے
میں انفرادی فائدہ کا لحاظ کیا جائیگا اور جب تک کہ مراعات کی مذمت کرنے
والے اپنے ذاتی معاملات اور اپنے احباب کے لئے رعایتوں کے خواستگار
بنے رہینگے اور جب تک کہ حکومت بنگال کے ارکان کے وجود اور ان کی
سرکاری عزت اور ذاتی شہرت کا مدار اس قسم کی رعایتوں کی تعمیل یا عدم تعمیل
پر رہیگا اُس وقت تک انگریزوں کا قومی مفاد لازمی طور پر روبہ تنزل رہیگا؛
(۴۳) اس نظام حکومت کے تباہ کن نتائج کے متعلق بہت کچھ بیان کر دیا گیا
ہے جس کی علانیہ مخالفت اور پیچ کے طور پر حمایت کی جاتی ہے۔ اس کے
ظاہر کرنے کی تو کسی کو جرات نہیں ہوتی لیکن بہت سے حضرات اسے برقرار

باث رکھنے کے خواہاں ہیں۔ اس کی تفصیل نہایت درد انگیز ہے اور بہت سے حضرات اس کو سن کر سخت برافروختہ ہو جائینگے اگرچہ مجھے ان کی خفگی کا کچھ ڈر نہیں ہے تاہم میں اس سے چشم پوشی کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے صداقت کی خاطر بہت کچھ ایثار کیا ہے اور میرے اس اقبال سے میرے جانشین غالباً بہرہ اندوز ہونگے۔

"حکومت برطانیہ ہندوستان میں اپنے فرائض کو اس وقت تک پورے طور پر انجام نہیں دے سکتی جب تک کہ وہ ان کا پورا پورا لحاظ نہ رکھے"۔

مسٹر ہسٹنگز کی یہ رائے بالکل درست ہے کہ ہماری سیاسی قوت کا انحصار اندرونی نظم ونسق کی خوبی پر ہے اور اس کے استحکام کے لئے اُس نے بہت سی مقامی اور عملی مشکلات پر غالب آنے کے لئے سخت کوشش کی۔ اُس نے ایسی جانفشانی اور سرگرمی سے اس کام کو انجام دیا جو اس عہدے پر رہ کر ایک انسان کرسکتا ہے۔ اُس نے مالگذاری کے انتظام کیلئے ایک مجلس قایم کی، کلکٹر مقرر کئے، قواعد وضوابط شائع کئے، مال اور فوجداری کی عدالتیں قایم کیں، اور اُن کے اختیارات کی تشریح کی۔

ان تدابیر نے ہماری قوت کے استحکام میں بڑی مدد کی۔ لارڈ کلائیو اپنے زمانے میں اس سے زیادہ کچھ اور نہ کرسکا کہ ہماری ماتحت ہندوستانی ریاستوں کے معاملات میں ہماری دست اندازی کے اس نے اصول مقرر کر دیئے اور سلطنت کے انتظامات کیلئے چند عام قواعد بنا دیئے اور قابلیت کے اعتبار سے لوگوں کو ملازم رکھ کر نظام سلطنت کی چند خرابیوں کو ایک حد تک رفع کر دیا۔

مسٹر ہسٹنگز نے اس سے اور آگے ایک قدم بڑھایا اور اس نے نظام
حکومت کو درست کرنے کی طرف توجہ کی اور جو حضرات کہ تاریخ ہند سے پوری (۴۴)
واقفیت رکھتے ہیں اور جو ہماری اور اہل ہند کی اُس زمانے کی حالت سے آگاہ
ہیں جبکہ نظام حکومت میں یہ تبدیلیاں کی گئی تھیں وہ یہ معلوم کر کے ضرور مطمئن
ہو جائینگے کہ صرف اسی قدر تبدیلیاں اسوقت ہو سکتی تھیں۔ سلطنت کو نقصان

باب پہنچنے کے اندیشہ سے تعجیل کے ساتھ تبدیلیاں نہیں کی گئیں؛
مسٹر ہسٹنگز نے انگلستان واپس ہو کر اپنی سوانح عمری شائع کی اور اس میں نہایت پر زور الفاظ میں ہندوستان میں برطانوی قوت کی ابتدا اور اس کی ترقیات کا حال درج کیا وہ لکھتا ہے کہ "اس حیرت انگیز سلطنت کی مصیبت نے تخم ریزی کی، مقدر نے اس کی آبیاری کی، ضرورت نے اس کی کاشت کی اور اسے سانچے میں ڈھالا۔ اس کی بنا تجارتی تھی لیکن اس کی ترقی سے یکا یک فوجی قوت اور ملک حاصل ہو گیا جس کا لازمی نتیجہ سیاسی طاقت تھی۔ اس بات کی تحقیقات کرنا فعل عبث ہے کہ کمپنی یا ہماری قوم نے اس انقلاب سے کوئی مستقل فائدہ حاصل کیا ہے کیونکہ نہ اب ہم اُن تباہ کن اور حیرت انگیز راستوں سے واپس جا سکتے ہیں جن سے کہ موجودہ بلندی پر ہم پہنچے ہیں اور نہ حوصلہ مند تاجروں کی طرح عاجزانہ اور دلاورانہ کیرکٹر اب اختیار کر سکتے ہیں۔ ممکن تھا کہ اس ذریعہ سے ہمارا فوجی وجود ہندوستان میں چند روزہ ہوتا لیکن اب اُسے برقرار رکھنے کی ضرورت ہے اور اُن اصولوں کو اختیار کرنا چاہئے جو اُسے قائم رکھنے کے لئے ضروری ہیں"؛
(۴۵) ہماری ہندوستانی عملداری کی ابتدا اور اُس کی حقیقی حالت کے اس بیان پر کوئی شخص شک و شبہ نہیں کر سکتا ہے۔ مسٹر ہسٹنگز آگے چلکر نظام سلطنت کے متعلق اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر نتائج اخذ کرتا ہے اور انھیں حسب ذیل پُر زور الفاظ میں پیش کرتا ہے:-
"میرے افسران بالا دست نے پورے جوش اور استقلال کے ساتھ میری دس سال کی مدت میں میرے اختیارات کم کرنے، میرا اثر زائل کرنے، اور میری ساری کارروائیوں کو رد کرنے کی سر توڑ کوششیں کیں، حالانکہ اس وقت انھیں میری، پر زور تائید کرنے کی ضرورت تھی کیونکہ مجھے تن تنہا سارا کام کرنا پڑتا تھا۔ میرے افسروں نے اکثر معمولی معمولی باتوں کو خاص اہمیت دی حالانکہ ان میں سے بعض باتوں کا تو اُن سے کوئی تعلق نہ تھا اور چند امور ان کے مفاد کے لئے مضر تھے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ معاملات کو خاطر خواہ طریقے

پر نہیں سمجھا گیا کیونکہ ان حرکتوں سے کئی بار کمپنی کا وجود معرض خطر میں آگیا تھا اور باب
اس کی بربادی کے اسباب مہیا ہو گئے تھے۔ ان ایام میں کمپنی کا وجود ایک کچے دھاگے پر معلق تھا جو کسی معمولی واقعہ اور غلط رائے کی ایک پھونک سے فوراً ٹوٹ جاتا اور پھر ساری سلطنت کا یک لخت قلع قمع ہو جاتا۔ اے قادر ذو الجلال ہمارے حال پر رحم کر اور کبھی یہ روز بد ہمیں نہ دکھا؛

"میں اس ناقابل تردید واقعہ کو تسلیم کرتا ہوں کہ برطانوی حکومت بنگال کے عہدے دار اس قدر دور دراز فاصلے پر ہیں کہ اُن کے لئے ہر وقت عام ہدایتیں نافذ نہیں کی جا سکتی۔ غیر معمولی ضروریات ہر وقت پیش آتی رہتی ہیں
(۴۶) جن کی بابت فوری فیصلہ کرنا پڑتا ہے سلطنت کے اصولوں میں یکسانیت ضروری ہے۔ یہاں پر ایسی جماعت حکومت نہیں کر سکتی جو ہمیشہ بدلتی رہتی ہو اور جس کے ارکان کی رائے ایک دوسرے کے خلاف ہو اور بیشتر کارکار آپس میں ایک دوسرے سے رشک وحسد کرتے ہوں اور اپنے حقیقی سردار کے خلاف متحد ہوں۔ اس حکومت کے اختیارات کی نوعیت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ اگر انھیں کسی مستقل مزاج اور زبردست شخص کے ہاتھ میں دیدیا جائے تو اُن کے ذریعہ سے وہ ہر کام نہایت خوبی سے انجام دے سکتا ہے لیکن اگر وہ ایک ایسی جماعت کے ہاتھ میں دیدئیے جائیں جس کے ارکان لاپروا ہوں اور آپس میں متحد نہ ہوں تو وہی اختیارات اُس سلطنت کی تباہی کے موجب ہونگے کیونکہ وہ اپنے ذاتی مفاد، جذبات اور اپنی ذاتی ضروریات سے متاثر ہو کر اُنھیں آپس کے جھگڑوں میں ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے کے لئے استعمال کرینگے؛

اس منطقی قضیہ کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان صوبوں کے لئے خواہ کسی قسم کی حکومت قائم کی جائے خواہ اس کا اقتدار دیگر صوبوں پر بھی ہو یا اپنی حدود تک محدود رہے لیکن اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ اس کے اعلیٰ عہدہ دار کو پورے پورے اختیارات حاصل ہوں اور وہ کسی اور کا محتاج نہ ہو۔ اگرچہ انسانی زندگی کے مانند سلطنتوں کی حالت بھی ناپائدار اور حادث ہوتی ہے اور جن خرابیوں کی وجہ سے بنگال کی انگریزی سلطنت اندیشہ ناک حالت میں ہے ان سے جو

باب لوگ بھی واقف ہونگے اگرچہ وہ میری رائے سے اتفاق کرینگے تاہم مجھے اندیشہ ہے کہ بہت کم حضرات میری اس تجویز پر عمل کرنے کے لئے آمادہ ہونگے؛

جس طرح کہ ہر شخص جانتا ہے کہ ایک نہ ایک دن موت ضرور آئیگی لیکن کوئی شخص مرنے کا عقیدہ پیش نظر رکھ کر عمل نہیں کرتا ہے اسی طرح جو لوگ اس مصیبت سے آگاہ ہیں وہ حقیقت حال کی وجہ سے جو اُن کے پیش نظر ہے کند ذہن
بن گئے ہیں ہمیں ہرگز تعجب نہیں ہوگا اگر ان خیالات سے جو تجربہ اور معلومات (۴۷)
پر مبنی ہیں اور جنھیں نہایت فصاحت اور صداقت سے پیش کیا گیا ہے مصنف کے مخالفین کے دل بھی متاثر ہوجائیں۔ اس زبردست شخص کا ملک پر کچھ کم احسان نہیں کہ اُس نے انتظام سلطنت کے لئے وہ خاکہ پیش کردیا ہے جس سے کہ ہم مشرق میں اپنی قوت محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ وارن ہسٹنگز سے بہتر کسی شخص نے اس مواد کو نہیں سمجھا ہے جس سے کہ یہ عظیم الشان سلطنت بنائی گئی ہے اور اس کی پائداری کو بھی ہسٹنگز سے زیادہ کسی نے غائر نظر سے نہیں دیکھا۔ اُس نے اس مسئلے کے متعلق اپنی رائے ایسے وقت ظاہر کی تھی جبکہ اُسے یہ امید نہیں تھی کہ حکومت انگلستان کے ارباب حل وعقد باہمی رشک وحسد کے باعث ہندوستان کے گورنر جنرل کو پورے اختیارات دیدینگے جو اُس کے نزدیک ہندوستان کی مرفہ الحالی اور سلطنت ہند کے تحفظ کے لئے ناگزیر تھے؛

مسٹر ہسٹنگز نے جو سیاسی تدابیر اختیار کیں ان کی خوبیوں پر ہم تفصیلی بحث نہیں کرنا چاہتے۔ اس کے شرکا وکار نے ان تدابیر کی سخت مخالفت کی۔ جنرل کلیورنگ مسٹر فرینسس اور کرنل مانسن اپنی ایک یادداشت[۱] میں (جو ہندوستان میں پہنچنے کے چند روز بعد ہی لکھی گئی تھی) وہ دلائل پیش کرتے ہیں جن پر انھوں نے وہاں عمل شروع کیا تھا؛

وہ لکھتے ہیں کہ آپ نے اور آپ کی مجلس مقننہ نے جو عام اصول ہندوستان
میں امن قائم رکھنے کے لئے ہمیں بتادئے ہیں ہم اُن ہی پر عمل کرتے ہیں اور انھیں (۴۸)

---

[۱] مورخہ ۳۰ نومبر سنہ ۱۷۷۴ء۔

باب

ہم نے اپنی پالیسی کا دستور العمل بنالیا ہے ''

امن قائم رکھنے کے یہ معنی ہیں کہ ہم اپنے مقبوضات اور حلیفوں کے اُن مقامات کی پورے طور پر حفاظت کریں جن کی حفاظت عہد ناموں کی رو سے ہم اپنے ذمہ لے چکے ہیں لیکن اس میں اپنے اور حلیفوں کے لئے جدید فتوحات کا کوئی خیال داخل نہیں ہے۔ اس اصول پر کاربند رہ کر ہم آپ کی فوج سے کسی ہندوستانی ریاست پر کوئی اقدامی حملہ نہیں کرسکتے لیکن اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی گوارا نہیں کرسکتے کہ ان چھوٹی ریاستوں کو جو ایک زمانے میں ہمارے لئے حد فاصل تھیں اور جو اب ہماری حفاظت کی محتاج ہیں اُنھیں بڑی ریاستیں ہضم کرجائیں ''

مسٹر ہسٹنگز کے نکتہ چینوں نے اس پر یہ اتہام لگایا کہ اُس نے غیر منصفانہ محاربات کئے اور پھر انھی الزامات کی بنا پر پارلیمنٹ میں اس پر مقدمہ چلایا گیا۔ اس مسئلہ پر بحث کرنے کا یہ موقع نہیں ہے لیکن اگر محولۂ بالا یادداشت کی معقولیت اور صداقت تسلیم کرلی جائے تو کوئی شخص مسٹر ہسٹنگز کے اصول کی صداقت اور دانشمندی سے ہرگز انکار نہیں کرسکتا جس پر کہ اس نے ایسے موقعوں پر عمل کیا ہے یہی اصول سب بڑی سلطنتوں اور ان سے بڑھ کر ہندوستان کے لئے موزوں ہے ''

(۹۴) مسٹر ہسٹنگز کہتا ہے کہ میں امن قائم رکھنے کے اصول کو مانتا ہوں لیکن میں نے کبھی اس قدر سختی سے عمل نہیں کیا کہ اُس کی خاطر میں نقصان اٹھانے یا ایثار کرنے کے لئے آمادہ ہوگیا ہوں۔ میں نے کبھی ایسے معقول استحقاق کو ہرگز ہاتھ سے نہیں جانے دیا جسے میں دوستی سے منوا سکتا تھا اور نہ کسی ایسی ذلت کے آگے سر جھکایا جسے میں رفع کرسکتا تھا۔ ان دونوں حالتوں میں موقع کے لحاظ سے مجھے ہمیشہ اپنی اخلاقی کامیابی کی توقع رہی۔ غیر معمولی اور معقول ضرورت اور خطرات کی میں ایسی مثالیں پیش کرسکتا ہوں جبکہ اپنی جان اور امن عامہ کو خطرہ میں نہ ڈالنا میں گناہ کبیرہ تصور کرتا ہوں ''

صلح کی درخواست کرنے کو میں نے ہمیشہ سخت ذلیل اور غیر محفوظ خیال کیا۔ اکثر مواقع پر اپنے خلاف حملے کی تیاریاں دیکھنے اور انھیں درجۂ تکمیل تک

باب پہنچنے اور ان کے اثرات مرتب ہونے اور آخر میں اُنھیں رفع کرنے کی کوشش کے بجائے ہیں نے اقدامی حملے کو زیادہ صلح پسندی کے اصول کے مطابق پایا"

مسٹر ہسٹنگز اور اُس کے مخالفین کے دلائل سے کوئی صحیح نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا نہ اُن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں انگریزوں کے جو سیاسی تعلقات قائم ہیں ان کے لئے کون سے اصول مفید و مناسب ہو سکتے ہیں اور نہ اُن کی مدد سے دفاعی و اقدامی حکمت عملی کی تشریح کی جاسکتی ہے اور نہ اُن دونوں کے درمیان میں کوئی حد فاصل قرار دیجا سکتی ہے لیکن اسوقت انگلستان میں ہندوستان کے ان حکام کے خلاف اس قدر بدظنی پھیلی ہوئی تھی اور انکے حوصلوں کو روکنے اور جنگ کرنے کے جو اختیارات انھیں حاصل تھے انھیں حد درجہ محدود کرنے کا اس قدر سخت خیال تھا کہ مجلس مبعوثان نے اسکے متعلق تجاویز منظور کردیں جس قانون کی رو سے مجلس نگراں (Board of control) قائم ہوئی اور گورنر جنرل کو اپنے اہم فرائض انجام دینے کے لئے مناسب اختیارات دیئے گئے اُسی میں ایک دفعہ یہ بھی شامل کردی گئی کہ "ہندوستان میں فتوحات (۵۰) اور توسیع عملداری کی تجاویز پر عمل کرنا برطانیۂ عظمیٰ کی خواہش۔ عزت اور پالسی کے خلاف ہے"۔

علیٰ ہذا القیاس حکومت انگلستان سے اجازت حاصل کئے بغیر کسی ایسی سلطنت سے جس نے ہم پر یا ہماری کسی حلیف ریاست پر جس کی حفاظت کی ہمنے ذمہ داری قبول کی ہے حملہ نہ کیا ہو اور نہ حملہ کی تیاریاں شروع کی ہوں حکومت اعلیٰ کے لئے جنگ کرنا قطعی ناجائز قرار دیا جاتا ہے (اس سے وہ لڑائیاں مستثنیٰ ہیں جن کی اجازت پیشتر سے حکومت انگلستان سے حاصل کرلی گئی ہو) اس قانون سے انھوں نے اس قوت اور اثر کے بروقت استعمال کو ممنوع قرار دیدیا جو کمپنی کو حاصل تھی اور جس سے وہ مخالفین کے اتحاد اور انکی حاسدانہ تدابیر کو تکمیل سے قبل روک سکتی اور ان کے قلع قمع کی تدابیر (۵۱) کرسکتی تھی اور اپنی سلطنت کے لئے جو ایسے مطلق العنان والیان ملک کے علاقوں کے درمیان واقع تھی ایسی پالسی قرار دی جسے وہ نہ تو سمجھتے تھے

باب

اور نہ اُسے خود پسند کر سکتے تھے۔ ان والیانِ ملک کو تو صرف فتوحات اور حصول قوت سے غرض تھی۔ یہ لوگ اپنی جہالت کے باعث ہماری نیت اور ارادوں کے متعلق غلط رائے قائم کر لیتے تھے اور ہماری اعتدال پسندی اور ہمارے صبر وتحمل کو ہمارے خوف اور کمزوری پر محمول کرتے تھے اور اس مغالطے کے باعث جرات کر کے انھوں نے ایسی راہ اختیار کی جس کے سبب سے وہ بہت جلد تباہ وبرباد ہو گئے اور اس طرح ہمارے محتاط اور غیر دانشمندانہ مسلک کی بدولت وہ نتائج برآمد ہو گئے جن کے رفع کرنے کے لئے اسے اختیار کیا گیا تھا؛

اس کتاب کے پچھلے اوراق میں اس حقیقت کا بہت کافی ثبوت پیش کر دیا گیا ہے اور حال کے واقعات پر مختصر سا تبصرہ کر دینے سے یہ حقیقت اور بھی واضح ہو جائیگی؛

لارڈ کارنوالس کے کیرکٹر میں اعتدال اور استقلال دونوں موجود تھے اس لئے توقع تھی کہ اگر ممکن ہو سکا تو ہندوستانی ریاستوں سے ضرور صلح قائم رہیگی۔ لیکن ٹیپو سلطان کی دراز دستیوں سے وہ جنگ کرنے پر مجبور ہو گیا اور اس جنگ میں فتح حاصل ہونے سے اُس کے ملک کا بڑا حصہ کمپنی کی عملداری میں شامل ہو گیا۔ ٹیپو کو شکست دینے کے لئے اُس نے مجبوراً فرمانروائے دکن سے اتحاد کر لیا جو اس کے جانشینوں کے لئے بڑی پریشانیوں کا موجب ہوا؛

اس سے پیشتر لکھا جا چکا ہے کہ لارڈ کارنوالس نے مادھوجی سندھیا سے مراسلت کی اور محض اپنی مستعدی سے ایک خاص خطرے کو کچھ عرصہ کے لئے رفع کر دیا؛

لارڈ کارنوالس

لیکن ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ اگر یہ پاک طینت شخص اپنے آپ کو مدافعانہ پالیسی کے لئے ضروری تدابیر اختیار کرنے کا مجاز تصور کرتا تو وہ بغیر کسی جنگ کے خوف کے اس سلطنت کی ترقی کو روک سکتا تھا جس کے فرمانروا نے اس کے ہندوستان سے جانے کے دس سال (۵۲)

باب	کے اندر ایسے وسائل حاصل کرلئے جنکی بدولت وہ برطانیہ کا زبردست دشمن بنگیا[1]

[1] مادھوجی سندھیا کے دربار کے قابل رزیڈنٹ مسٹر جیمس انڈرسن نے اپنی مراسلت بنام سرجان میکفرسن قایم مقام گورنر جنرل ولارڈ کارنوالس میں اس حاسد راجہ کی قوت کی نوعیت اور ترقی کا نہایت مکمل حال تحریر کیا ہے۔ اول وہ ان تمام معقول دلائل پر طویل بحث کرتا ہے جن کی بنا پر ہم بجا طور پر سندھیا سے یہ توقع کرسکتے تھے کہ وہ ہمارے طرزِ عمل کو اچھی طرح سمجھیگا اور ہم نے اس کی بلند حوصلہ تدابیر کے روکنے کی جو کوشش نہیں کی اُسے ہماری نیک نیتی پر محمول کرے گا۔ اگرچہ ہمارے لئے ان کا روکنا نہایت آسان تھا اس کے بعد وہ اپنی رائے ظاہر کرتا ہے کہ "میں نہایت افسوس کے ساتھ لکھتا ہوں کہ سندھیا کے ساتھ جس نرمی کا ہم نے برتاؤ کیا ہے اس کے لئے نہایت ناموزوں طرزِ عمل اس نے جواب میں اختیار کیا ہے۔ اکثر معاملات میں ہمارے معتدل برتاؤ کو اُس نے بہت غلط سمجھا اور ہم نے جو اس کے ساتھ نرمی برتی اُسے اُس نے یہ سمجھا گویا اس کی قوت کے سامنے ہم نے سر نیاز خم کردیا اور دوسری طاقتوں پر بھی اس کے ظاہر کرنے کی کوشش کی الغرض یہ بات ظاہر ہے کہ پیشتر جو کچھ اعتماد اور اعتبار ہمیں اس کی ذات پر رہا ہو اب واقعات کے بموجب اسے بالکل تبدیل کردینا چاہیے"۔

مادھوجی سندھیا کی اصلی حالت، بیکس شاہ عالم کے نام سے تمام ہندوستان کا مالک بن جانے کے لئے اس کی جارحانہ کوششوں، اور اُن مشکلات کو جو مختلف سرداروں کو زیر کرنے میں حائل تھیں جو ابھی تک رام نہیں ہوئے تھے اس کی فوج کے ایک بڑے حصے کی تنظیم وکیفیت اور خود اس کی، دغابازی، ظلم اور غارتگری کی بہت سی حرکات سے اس کی جدید رعایا میں جو بے اطمینانی پیدا ہوگئی تھی ان سب کو بیان کرنے کے بعد مسٹر انڈرسن لکھتا ہے کہ وہ اس تفصیل سے جناب کو معلوم ہوجائیگا کہ سندھیا کی حالت اب بھی کئی لحاظ سے نازک ہے اور اس کی امیدوں کے برآنے کے لئے بہت مدت درکار ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اُسے اپنی عیاری سازشوں اور استقلال کے ساتھ انتظام کرنے کی قابلیت کیوجہ سے بہت ہوشیں

باب

اور ایسے قوی دشمن سے مشرق میں برطانیہ کو کبھی سابقہ نہ پڑا تھا۔
لارڈ کارنوالس نے سندھیا کے خاندان کے خلاف عمداً وہ تدابیر اختیار (۵۳)
نہیں کیں جن سے وہ اس قوت کو زور پکڑنے سے روک سکتا تھا جو کمپنی کے
خلاف استعمال ہونے والی تھی۔ بلکہ اس نے اپنے حکام بالادست مقیم انگلستان
کی رائے اور جذبات اور محولہ بالا قانون کی دفعات اور شرائط پر عمل کیا لیکن
اس شریف النفس شخص نے ہندوستان کے سرداروں اور والیان ملک کو (۵۴)
اس بات کا یقین دلانے کی ہر موقع پر کوشش کی کہ انگریزوں کا یہ طرز عمل انکے
اعتدال پسند مسلک پر مبنی ہے نہ کہ کسی خوف و رعب پر۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ حاصل ہیں اور ان سے وہ اپنی حقیقی قوت کی کمزوریوں اور اپنے دیگر عیوب کو کامیابی کے ساتھ چھپا لیتا ہے لیکن اس کے ساتھ وہ اپنی حرص وطمع کی وجہ سے اکثر ایسی حرکتیں کر بیٹھتا ہے جو مصلحت اور دوراندیشی کے منافی ہوتی ہیں اس آخر الذکر واقعہ کو پیش نظر رکھ کر میں نے خیال کیا تھا کہ اس معاملے میں اس کی رائے مستقل نہیں بلکہ عارضی اور چندروزہ ہے اسلئے فی الحقیقت ظن غالب یہی ہے کہ کہ اس کارروائی سے اس کی خاص غرض حصول زر کی امید تھی لیکن اس کے بعد جو واقعات اس کے موافق رونما ہوئے ان سے رفتہ رفتہ اس کی رائے کا صحیح اندازہ ہوگیا۔ اب یہ امر بیقینی معلوم ہوتا ہے کہ اپنے علاقہ، مالوہ اور اجمیر کو آگرہ اور دہلی سے ملادینے سے اسکی غرض اپنے واسطے ایک آزاد سلطنت قائم کرنا اور پیشوا کی اطاعت سے سبکدوشی حاصل کرنا ہے۔

اس کے بعد مسٹر اینڈرسن اپنی یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ اس خطرناک خواہش کے بعد جو سندھیا نے ظاہر کی ہے اور اس نرمی کے غلط معنی سمجھنے کے بعد جو ہم نے اسکے ساتھ برتی ہے اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم نہایت غور کے ساتھ اسکی حرکات کی دیکھ بھال کریں۔ آخر میں وہ اپنی اس تحریر کو ان الفاظ پر ختم کرتا ہے کہ "بعض موقعوں پر غالباً اسکی ترقی کو روکنا ضروری اور لابدی ہوگا اور جب کبھی اس کے لئے بغیر جنگ چھیڑے موزوں مواقع حاصل ہوں ان سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہئے"۔

باب۵

لارڈ ٹین ماؤتھ
Lord Teignmouth

لارڈ ٹین ماؤتھ نے اپنے سارے دور حکومت میں انگلستان کے مروجہ خیالات اور پارلیمنٹ کے احکام پر حرف بہ حرف نہایت احتیاط اور توجہ کے ساتھ عمل کیا۔ اس نے جو کچھ کیا وہ اپنے فرض منصبی کے صحیح احساس کے باعث کیا اگرچہ اُسے اس کا علم تھا کہ اس کی عدم مداخلت سے کس کس قسم کی خرابیاں پیدا ہو جائینگی۔ اس زمانے کی ہندوستان کی سیاسی حالت کے متعلق اس نے جو یادداشت اور خطوط تحریر کئے ہیں ان سے (اس شخص کی دیگر تصانیف کی مانند) برطانوی حکومت اور ہندوستانی ریاستوں کی حالت کے متعلق اس کی وسیع معلومات کا اندازہ ہوسکتا ہے؛

اس نے عدم مداخلت کے مسلک پر سختی سے قائم رہنے کے لئے جو کوشش کی اس کے نتائج مفصل طور پر گذشتہ ابواب میں بیان کردئے گئے ہیں ٹیپو سلطان کو انگریزوں کے خلاف کارروائی کرنے اور اپنی دیرینہ خواہش کے پورا کرنے کیلئے کوئی خاص محرک قوت درکار نہ تھی۔ اُسے جب کبھی مناسب موقع ملتا اس سے وہ ضرور فائدہ اٹھاتا تھا۔ لیکن اس موقع پر یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اس نے انگریزوں کے خلاف جو مخاصمانہ کارروائی اختیار کی اس میں فرانسیسی سفراء اور حکومت ماریشس کی متوقعہ امداد کا زیادہ دخل تھا یا ہم نے فرمانروائے دکن کا جو ساتھ چھوڑا اور اُس سے جو جسارت اسے ہوئی اس کا اثر زیادہ تھا؛

لارڈ ویلزلی (۵۵)

ٹیپو سلطان کو شکست ہوئی میسور میں ہندو راجہ کو اسکے بزرگوں کا ملک واپس دیا گیا۔ فرمانروائے دکن کے ساتھ ہمارا اتحاد قائم ہوا جس کی رو سے اُنھوں نے اپنے یہاں سے فرانسیسی فوجوں کو برخاست کرنے کا اقرار کیا اور جنگ میں ہمیں ان سے امداد ملی۔ ان سب واقعات سے جنوبی ہند میں ہمارے جملہ تعلقات میں عظیم الشان تبدیلیاں پیدا ہوگئیں۔ عام طور پر یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ ضرورت سے مجبور ہو کر لارڈ ویلزلی کو یہ تمام کارروائیاں شروع ہی میں کرنی پڑیں۔ کامیابی نے اُسے جس مقام پر پہنچا دیا تھا وہاں پر وہ نہیں ٹھہر سکتا تھا خواہ وہ پیچھے قدم ہٹاتا یا اور آگے بڑھتا اگر پہلا راستہ اختیار کیا جاتا تو سلطنت کے آئندہ تحفظ کو قربان کرنے

باب

وہ موجودہ چند پریشانیوں سے نجات حاصل کرسکتا تھا دوسرے راستے میں اگرچہ دشواریاں حائل تھیں اور مصیبتوں کا سامنا تھا لیکن نتیجہ میں امن وخوشحالی یقینی تھی۔ ٹیپو سلطان اور اس کے حلیف فرانسیسیوں کو مغلوب کرنے کیلئے مجبوراً ویلزلی نے مرہٹوں کے حملوں سے سلطنت آصفیہ کو بچانے کیلئے قول اقرار کرلیا۔ یہ کاروائی بھی امن وسکون قایم کرنے کی دیگر کاروائیوں کی طرح ایک ایسی قوم کے خلاف تھی جس کی فوجیں اپنی ساخت اور تعداد کے باعث اس وقت تک سر نہیں ہو سکتی تھیں جبتک کہ انھیں ہر سال اپنے ہمسایوں پر حملہ کرنیکا موقع نہ ملتا رہے اور یہ لوگ نظام دکن کے علاقے کو تقریباً ایک صدی سے لوٹ مار کے لئے اپنی میراث تصور کرتے تھے۔ لارڈ ویلزلی نے اس حقیقت سے آگاہ ہوکر لوٹ اور غارت گری کے اس سلسلے کو ہمیشہ کے لئے بند کرنے کے واسطے اپنی پوری قوت صرف کردینے کا تہیہ کرلیا۔ چونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ جدید تبدیلیوں کے بعد ہندوستان میں انگریزی عملداری قائم ہو جانے پر یہ سلسلہ ہرگز جاری نہیں رہ سکتا تھا۔

(۵۶) اس مسئلہ کے متعلق جو رائے اس نے قایم کی اور اپنی تجاویز پر عمل کرنے کے لئے اس نے جو تدابیر اختیار کیں وہ مفصل طور پر بیان کردی گئی ہیں لیکن مرہٹوں کے آخری سردار پر فتح حاصل ہونے کے عین موقع پر اس کی کاروائی روک دیگئی حالانکہ یہ مرہٹے علانیہ طور پر محض لوٹ مار اور غارت گری کے لئے جنگ کیا کرتے تھے۔

اسوقت انگلستان کے حکام بالادست کو بہت زیادہ خوف پیدا ہوگیا۔ ٹیپو سلطان پر فتح حاصل ہو جانے کے بعد جو حکمت عملی اختیار کی گئی تھی اس کے اصولوں پر انھوں نے اپنی ناراضی اور مخالفت ظاہر کی حالانکہ ٹیپو سے جنگ کرنا وہ مبنی بر انصاف اور ناگزیر تسلیم کرتے تھے۔ لیکن اس قدر تسلیم کرنے پر انھیں سب باتیں ماننا پڑیں کیونکہ برطانیہ کا اعتبار قائم رکھنے کی غرض سے فرمانروائے دکن کے ساتھ اتحاد اور دوستی قائم کرنے کے بعد ہمیں اپنے کاموں پر کوئی اختیار حاصل نہیں رہا۔ حیدرآباد میں معاونتی فوج قائم کرنا ہماری پہلی

باب۳ کارروائی اور پھر اسی قسم کی فوج پونا میں قایم کرنا ہماری دوسری کارروائی ہوئی۔
لارڈ ویلزلی کی حکمت عملی کا خاص مقصد یہ تھا کہ ہندوستانی والیان ریاست کے ساتھ اس قسم کے اتحاد قائم کئے جائیں۔ کیونکہ ان کے ذریعہ سے بغیر صرفہ کے ہماری فوج کی تعداد میں اضافہ ہوتا تھا اور اس کی بدولت ہندوستان میں امن برقرار رکھنے کے لئے زبردست فوجی مقامات بھی ہمارے ہاتھ میں آجاتے تھے۔ بارہا تجربہ سے ثابت ہوگیا تھا کہ جب کبھی امن میں خلل واقع ہوگا ہم جنگ سے نہ بچ سکینگے یا ہم ایسی مصیبت میں پھنس جائینگے کہ اُس کے اثرات ہماری شہرت اور ہمارے وسائل کے لئے جنگ سے بھی زیادہ خطرناک اور پریشان کن ہونگے۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ معاونتی معاہدوں کی بدولت ہمیں اپنی حکمت عملی کے مقاصد حاصل کرلنے کے زبردست ذرائع حاصل ہوگئے اور اس میں بھی کچھ شبہ نہیں کہ اپنا (۵۷)
اعتبار قائم اور امن وسکون کو برقرار رکھنے کے لئے ہم اس حکمت عملی کے مطابق عمل کرنے پر مجبور تھے تاہم ان معاہدوں کی بدولت ہمیں بڑی پریشانیاں لاحق ہوئیں۔ ان معاہدوں کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ جو ریاستیں ہماری زیر حفاظت تھیں وہ کمزور ہوگئیں اور ان کے فرمانروا اپنا وقار دوبارہ حاصل کرلنے کی کوشش میں یا تو اپنا تخت وتاج کھو بیٹھے یا کاہل الوجود اور عیش پرست بن گئے۔ ان نتائج کو ہماری لیاقت دقوت کے استحکام اور اُس کی ترقی پر محمول کرنا چاہیئے نہ کہ ان معاہدوں پر کیونکہ فتوحات کے جس راستے پر ہم مجبوراً پڑ گئے تھے اُسے درست کرلنے اور سنبھالنے کا یہ نہایت ہی اعتدال پسند ذریعہ تھا اور جن اسباب نے ہمیں اس راستے پر ڈالا وہ (جیسا کہ اوپر ظاہر کردیا گیا ہے) قطعی ہمارے قابو سے باہر تھے ؛
جس قسم کے معاہدے کہ لارڈ ویلزلی نے کئے ویسے اس کے پیشرو بھی کرچکے تھے لارڈ کلائیو کے زمانے سے لیکر اس وقت تک ہر ایک کا یہی مقصد تھا کہ جن ہندوستانی ریاستوں سے ہم نے معاہدہ کیا ہے انکے وجود کو حتی الامکان برقرار رکھا جائے۔ اس تدبیر پر مسلسل عمل ہونے سے اس کی ضرورت اور اس کے مفید ہونے کا ثبوت ملتا ہے ؛

باب ۸

اس تدبیر پر عمل کرنے یا اُن ذرائع کے اختیار کرنے کے علاوہ جن سے ہماری راست حکومت قائم ہو جائے ابتک کوئی دوسری تدبیر کسی کی سمجھ میں نہیں آئی۔ راست حکومت قایم ہونے سے اُن تمام خرابیوں کے علاوہ جو سوسائٹی میں یک لخت تبدیلیاں کرنے سے پیدا ہوتی ہیں ہمیں ان تمام زبردست خطرات کا مقابلہ کرنا پڑتا جن کا کہ اب تک کھٹکا لگا رہتا ہے"

جو حضرات کہ لارڈ ویلزلی کی کارروائیوں کے مخالف تھے ان کے (۵۸)
انگلستان میں برسر اقتدار ہو جانے پر لارڈ کارنوالس کو اس خیال سے منتخب کیا گیا کہ یہ شخص غیر جانب داری کے مسلک کو ہندوستان میں بخوبی رواج دیگا یہ شریف النفس شخص زیادہ عمر رسیدہ تو نہ تھا لیکن خرابی صحت کے باعث بیحد کمزور ہو گیا تھا چنانچہ ہندوستان پہنچنے پر اس کا انتقال ہو گیا اور سر جارج بارلو اسکا جانشین بنایا گیا اور اس نے حکام انگلستان کے مقرر کردہ اصولوں کی پابندی کر کے ان امور میں قطعی دست اندازی نہیں کی جو معاہدے کی رو سے ہمارے لئے لازمی نہ تھے البتہ صرف ایک معاملے میں جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے وہ اس راہ سے روگردانی کرنے پر مجبور ہو گیا اور اپنے طرز عمل کی حمایت میں اس نے جو زبردست دلائل پیش کئے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے تجربے اور معلومات اور یہ احساس فرض منصبی نے اسے یہ باور کرانے کے لئے مجبور کر دیا کہ عدم مداخلت کے اصول پر اسوقت کاربند ہونا قطعی ناممکن ہے"

سر جارج بارلو

لارڈ منٹو کا دور

لارڈ منٹو کے دور حکومت سے ظاہر ہوتا ہے کہ احتیاط کے (۵۹)
ساتھ بتدریج ہمیں ان اصولوں پر کاربند ہونا چاہیئے جن سے کہ ہماری عملداری قائم رہ سکتی ہے۔ لارڈ منٹو نے معرض خطر ہونے کے وقت انگریزی حقوق کو ایسے عمدہ پیرایہ میں پیش کیا جن سے حتی الامکان ان خیالات کی اصلاح ہو گئی جو قزاقوں اور پنڈاروں کی روز افزوں چیرہ دستیوں اور مظالم سے پیدا ہو گئے تھے اور جنھیں یہ سمجھ کر ممالک متوسط میں چھوڑ رکھا تھا کہ وہاں پر یہ لوگ آپس میں لڑ بھڑ کر کٹ مریں گے۔ لارڈ منٹو نے ان نتائج کا پیشتر سے

باب اندازہ کرلیا جو اس حالت سے پیدا ہونے والے تھے اور اس نے اپنے پیشروؤں کی طرح اپنی حکومت کو معاہدوں کے ذریعہ سے تقویت پہنچانے کی تدبیر کی اور لارڈ منٹو نیز حکومت انگلستان کو بیحد افسوس ہوا کہ وہ ناگپور کے راجہ سے اس قسم کا معاہدہ کرنے میں قطعی ناکام رہا۔ اس قابل اور اعتدال پسند شخص نے ان معاہدوں کی نوعیت اور اثرات کو وضاحت اور صداقت کے ساتھ بیان کرنے اور اُن کی مسلمہ خرابیوں کو بتانے کے بعد (بالخصوص جو حیدرآباد سے معاہدہ کرنے پر ظاہر ہوئیں) یہ نتیجہ نکالا ہے کہ "ان الفاظ سے یہ غرض نہیں کہ معاونتی معاہدوں کی حکمت عملی یا ان سے سلطنت برطانیہ پر ماضی، حال اور مستقبل میں جو سودمند اور منفعت بخش اثر پڑا اور پڑے گا اس پر کوئی اعتراض کیا جاتا ہے ان سے ہماری قوت اور وسائل کو زبردست فوائد حاصل ہوئے ہیں اور ان سے وہ تمام خطرات بھی ہمیشہ کے لئے رفع ہو گئے ہیں جو مرقومۂ بالا خرابیوں سے کہیں زیادہ اندیشہ ناک تھے لیکن ان معاہدوں میں دیگر انسانی کاموں کی مانند زوال کے اسباب موجود ہیں لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسی صورتوں میں قدرتی طور پر جو زوال پذیر اسباب سرعت کے ساتھ پیدا ہو جاتے ہیں ان کے روکنے کے لئے مناسب وصحیح تدابیر اختیار کی جائیں"

لارڈ ہیسٹنگز

لارڈ ہیسٹنگز نے اپنی حکومت کی ہر ایک سیاسی کارروائی میں ان اصولوں پر کاربند ہونے کی ضرورت کو ثابت کر دکھایا جن کی بدولت لارڈ ویلزلی کا عہد حکومت ممتاز ہوا تھا اور لارڈ ویلزلی کی خواہش کے بموجب اس نے سلطنت برطانیہ کی شہرت اور مرفہ الحالی کو ہندوستان کے امن عامہ کی معزز اور مستحکم بنیاد پر قائم کر دیا اور اس طرح جو زبردست اثر و اقتدار حاصل ہوا اس سے اسے برقرار رکھا (۶۰)

اس کی یادداشت مورخہ دسمبر ۱۸۱۵ء میں یہ خیالات نہایت قابلیت

باب ۸ کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں جس میں کہ اس واجب الاحترام شخص نے نہایت شستہ الفاظ میں اس تباہی اور مصیبت کو دکھایا ہے جو دس سال تک غیر جانب داری کے مسلک پر عمل پیرا ہونے سے واقع ہوئی اس کے بعد اس نے ان نتائج کو دکھایا جو اس کے برعکس طرز عمل کے اختیار کرنے سے مرتب ہوں گے۔ اس کے پرزور دلائل ہندوستان اور دیگر ممالک کی تاریخی مثالوں کے بیان کرنے سے اور بھی قوی ہوگئے ہیں اور اگر واقعات پر رونما ہونے سے ان کی صداقت کی تائید نہ ہوجاتی تو ممکن تھا کہ ان کا خاطر خواہ اثر نہ پڑتا لیکن ان واقعات کے بعد کوئی شخص ایک ایسے اصول کی حمایت نہیں کر سکتا تھا جو بارہ سال کے مسلسل تجربہ کے بعد ناقابل عمل ثابت ہو چکا تھا۔

لارڈ ہیسٹنگز کو پنڈاریوں اور مرہٹوں کے ساتھ جنگ کرنے میں مکمل کامیابی حاصل ہوگئی اور اس کے بعد اس نے اعلان کر دیا کہ ہندوستان میں انگریزی سلطنت کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہے اور اب وہ اس حیثیت سے جملہ تنازعات میں ثالث بن کر تصفیہ کرنے اور ہندوستان میں امن عامہ قائم رکھنے کی ضامن ہے۔ انگلستان کی رائے میں بھی اس وقت ایسی تبدیلی واقع ہوگئی تھی کہ اس کارروائی کے خلاف ایک آواز بھی نہیں سنائی دی حالانکہ چند سال پیشتر اس خیال کو حریصانہ خواب سے تعبیر کر کے اس کی سخت مذمت کی گئی تھی۔ واقعات (۶۱) اور تفصیلی معلومات نے پبلک کے روشن خیال طبقے کو یقین دلا دیا کہ ہندوستان کے مقامی نظم و نسق کے لئے انگلستان میں جو خیالات مروج تھے وہ غلطی پر مبنی تھے۔ مجلس مقننہ نے جو نظام حکومت ہندوستان کے لئے تجویز کیا تھا وہ کتنا ہی پسندیدہ کیوں نہ ہو لیکن ناقابل عمل ضرور تھا کیونکہ اگرچہ پارلیمنٹ انگریزی حکام کے لئے احکام نافذ کر سکتی ہے اور ان کے لئے ایک راستہ مقرر کر سکتی ہے لیکن اس کا اثر ہندوستانی ریاستوں تک نہیں پہنچ سکتا جن سے کہ ان کی مستقل طور پر جنگ جاری

باب۳ ہے اور جن کے خود مختار فرماں روا حسد، رشک، لالچ، غرور اور آزادی
کے حصول کے شوق میں انگریزی عملداری کو تباہ کرنے کیلئے خفیہ اور علانیہ
کارروائیاں کرتے رہتے ہیں اور ہندوستان سے ہر ایک انگریز کو نکال باہر
کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔

اگر حقیقت حال یہی ہے تو اس میں کس کو کلام ہو سکتا ہے کہ ہمیں
ہندوستان میں مجبوراً اقتدار اعلیٰ حاصل کرنا پڑا کیونکہ اس ملک میں اپنا
وجود برقرار رکھنے کے لئے صرف یہی ایک صورت ممکن تھی۔

انگلستان کے زبردست اور نہایت قابل مدبرین اور ہندوستان
کا تجربہ رکھنے والے انگریزوں نے متفقہ طور پر اس رائے کی تائید کی
کہ ہندوستان میں ہمارے علاقے کی توسیع نہ صرف ناپسندیدہ بلکہ
مضرت رساں ہے اور جن حضرات کے سپرد ہندوستان کا انتظام
تھا اُن کی دلی خواہش یہی تھی کہ حتی المقدور جنگ سے اجتناب کیا
جائے اور اس ملک میں امن قائم کیا جائے لیکن ان سب کو جنگ میں مصروف
ہونا پڑا اور جن حکام نے جنگ سے گریز کیا انھوں نے اسکی ضرورت کو تسلیم کرکے یہ کام اپنے جانشینوں
(۲۲) کیلئے چھوڑ دیا۔ اس زبردست واقعہ میں ہم اسقدر اور اضافہ کرتے ہیں کہ مجلس نگراں جو محض اس غرض سے
قائم کیگئی تھی کہ وہ اپنے اثر سے ملک گیری اور توسیع سلطنت کی تدبیر و تجاویز
کو روکے اُس کے ہر ایک صدر نے مقامی حکومت کی ہر ایک ایسی تجویز
کی تائید کی جس سے اس کے برعکس نتائج مترتب ہوئے اور انھوں نے
اُس کی ضرورت اور دانشمندی کو تسلیم کیا۱؎۔ اس لئے ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے

۱؎ لارڈ ولنگٹن ورہی ہی اس زمانے میں ایک ایسا شخص تھا جس نے لارڈ ویلزلی
سے عہد نامہ بسین کے متعلق اختلاف کیا تھا دونوں کے مفصل دلائل اس کتاب میں
درج ہیں لیکن ان دونوں میں اختلاف ایک جزوی معاملے پر تھا۔ یعنی فتح میسور اور معاہدہ
حیدرآباد کے بعد کیا انگریزی حکومت کے لئے یہ ممکن تھا کہ وہ اپنے مقررہ
اصولوں اور اپنے یہاں کے رواج سے یہاں پر حکومت کرتی رہتی۔ اور مرہٹوں

باب۳ پر مجبور ہوتے ہیں کہ اس سند میں جس قدر انگریزی مدبرین داخل ہیں ان سب پر وہی الزام عائد ہوتا ہے جو ہندوستان کے گورنروں پر لگایا جاتا ہے اور یہ کہ پورے طور پر واقعات معلوم ہو جانے پر لڑائیوں کو منصفانہ اور ضروری تصور کرکے خود انھوں نے ان لڑائیوں کی بخوشی اجازت دی۔ ممکن ہے کہ بعض ایسے معاملات بھی ہوں جن میں یہ ثابت کیا جاسکے کہ بعض افراد کے مزاج یا فیصلے کی غلطی سے جنگ میں عجلت ہوئی (۶۳) لیکن یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ نہایت اعتدال پسند حکام نے بھی مجبوراً یہی راستہ اختیار کیا۔ حکام بالا کے احکام اور قانون کی دفعات ہماری قوت کی بالیدگی کو روکنے میں قطعی ناکام ثابت ہوئی ہیں بلکہ ان کی وجہ سے ہماری قوت کے عروج میں اور بھی تیزی پیدا ہوگئی ہے جو کسی دوسری طرح پر ممکن نہ ہوتی ہے

واقعات سے یہی نتائج نکالے جاسکتے ہیں لیکن جس قانون نے فتوحات اور ہماری دست اندازی کی مخالفت کی وہ اب ردی کاغذ سمجھا جاتا ہے۔ ہم اب ہندوستان کے مسلمہ مالک ہیں اور اب کوئی ایسا فرماں روا یا سردار باقی نہیں جس سے ہمارے تعلقات قائم نہ ہوں۔ اور ان تعلقات کی رو سے ہم ان کے دوست و محافظ اور وہ ہمارے ماتحت اور باجگذار نہ ہوں۔ ایسی صورت میں یہ امر ضروری

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ سے اس کا انسداد نہ ہوتا جن کا طرز حکومت صرف لوٹ مار اور غارت گری پر مبنی تھا۔ مزید بران دونوں کی رائے میں ان تدابیر کے متعلق بھی اختلاف تھا جن سے کہ ان دونوں یعنی انگریزوں اور مرہٹوں میں اتحاد ہوسکتا تھا۔ لیکن جنگ سے مفر حاصل کرنے کا صرف یہی ایک ذریعہ تھا کہ ان سے ایسے معاہدے کرلئے جاتے جن کی وجہ سے لٹیروں کی اس قوم کے بڑے بڑے سرداروں کے مفاد ایک دوسرے کے متضاد ہوجاتے (اسی میں سے ایک عہد نامہ بسین تھا)

باب۳ معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنی حقیقی حالت کو سمجھیں اور تبدیلی حالات کے لحاظ سے ہماری مقامی اور بیرونی حکومت کی ساخت اور اس کے اصولوں میں جس قسم کی تبدیلیاں ضروری ہوں ان پر غور کریں۔ ان اہم امور کا دوسرے ابواب میں ذکر کیا جائے گا ؛

نواں باب

ہندوستان کے نظم و نسق کے متعلق حکومت انگلستان کی کارروائی پر نقد و تبصرہ

گذشتہ باب میں اپنی سیاسی قوت کی ابتدا اور اس کی ترقی کا تذکرہ اس غرض (۶۴)
سے نہیں کیا گیا ہے کہ افراد کی قابلیت یا ان کے کارناموں کا مقابلہ کرکے بے سود بحث کو تازہ کیا جائے۔ ان مسائل کی بابت لوگوں کے خواہ کچھ ہی خیالات کیوں نہ ہوں لیکن ہر شخص اس کی تائید کریگا کہ ہندوستانمیں ہماری قوت کے مسئلہ کی صورت بالکل تبدیل ہو گئی ہے۔ ہم اس بلند چوٹی پر جا پہنچے ہیں کہ ایک مدت دراز سے جہاں پہنچنے کے تصور سے بہت سے لوگ خوف زدہ ہو جاتے تھے اور جس مسالے سے کہ ہماری آئندہ قوت کی دیوار تیار ہوگی اس کی نوعیت اور ماہیت سمجھنے کے لئے ہمیں ان راستوں کا علم ضرور ہونا چاہئے جن سے کہ ہم نے منازل طے کئے اور جن میں بعض اوقات چند موانع پیش آئے اور جن میں کہ ہم اس تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھے جسکو روکنے

باب ۹ کانو در کنار ہم تو اس رفتار کو کسی ضابطے کا پابند ہی نہیں کر سکتے تھے۔ ہمیں یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ جبتک کہ کوئی عمارت اپنے اجزائے ترکیبی کے موافق نہو وہ قائم نہیں رہ سکتی ہے؛

ہم نے ہندوستان میں اپنے سب دشمنوں پر فتح حاصل کرلی ہے لیکن ہماری
(۶۵) کوششوں کی اس بارآوری ہی نے ہمارے لئے زبردست خطرہ پیدا کر دیا ہے۔ اپنی موجودہ حالت کو بہتر بنانے کے لئے اس وقت ہمیں جو سہولتیں حاصل ہیں اگر انھیں صحیح طریقے پر استعمال نہ کیا گیا تو انھیں کی بدولت تباہی کے اسباب بہت جلد پیدا ہو جائینگے؛

ہندوستان کی اصلی حالت پر غور کرنے والوں کو اس بات کا یقین ہو جائیگا کہ حاصل کی ہوئی سلطنت کو برقرار رکھنے کے مرحلے سے جو ہمیں اس وقت درپیش ہے فتح مندی کا معاملہ بہت زیادہ آسان تھا۔ نفسیاتی خواہشات نے حصول سلطنت کی ہم کو ترغیب و تحریص کی۔ کامیابی حاصل ہونے سے ہمیں دولت اور شہرت مل گئی۔ اب اسے برقرار رکھنے کی کارروائی کو بکمال دانائی انجام دینا چاہیے جس کی رو سے اس کے بعید مقاصد پر نظر رکھنا ہوگا۔ اگرچہ ایسی صورت میں اکثر بجائے ستائش کے اس کی مذمت کی جائیگی لیکن اس کی خاص خوبی اس کے تدابیر کے غیر محسوس عمل میں مضمر ہوگی۔ اس موقع پر صرف اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ انگریز حکام اور مقیمان ہند انگریزوں کے خصوصیات اور اہل ہند کے حقیقی حالات ہی کو پیش نظر رکھا جائے بلکہ گذشتہ تجربات سے استفادہ حاصل کر کے حاکم و محکوم دونوں کی فطرت کے موافق، ان کے عادات وخصائل، تعصبات اور قوانین و رسوم کو پیش نظر رکھ کر ان تبدیلیوں کا اندازہ کرنا چاہیے جو حاکم و محکوم کی حالت میں پیدا ہونگی تاکہ ہم ان تبدیلیوں اور مصیبتوں کو رفع کر سکیں جنکا پیدا ہونا ان فوری تبدیلیوں سے ناگزیر ہے؛

سنہ ۱۸۱۱ء سے قبل انگلستان میں ہندوستان کے نظم و نسق کے متعلق جو
(۶۶) تبدیلیاں واقع ہوئی تھیں ان کی بابت اس کتاب کے دیباچے میں ہم کافی طور پر بیان کر چکے ہیں۔ آئندہ (۲۰) سال کے لئے کمپنی کے حقوق کی تجدید کے لئے

۱۸۱۳ء میں جو قانون پارلیمنٹ نے منظور کیا تھا اس سے سلطنت ہند کے باب
اس شعبہ کے اختیارات میں کوئی مادی تبدیلی نہیں ہوئی تھی لیکن ایک زبردست
تجارتی جماعت کو ہندوستان میں تجارت کرنے کے جو حقوق عطا کئے گئے ان
کے باعث کمپنی بہت کمزور ہوگئی اور اس کی بدولت وزراء کے اختیارات میں
اور بھی اضافہ ہوگیا۔ ابتدا ہی سے مجلس نظما نے دارالعوام میں امتیاز قائم کرنے
کی کوشش کی تھی اور اکثر موقعوں پر ملک معظم کے وزرا کا نہایت کامیابی کے
ساتھ مقابلہ کیا تھا لیکن جدید قانون نے ایک زبردست جماعت بنا دی ہے
اور کمپنی ان جملہ مسائل میں جن کا تعلق کمپنی کے حقوق اور اختیارات سے ہوتا ہے
اس جماعت کی دست نگر ہوگئی ہے؛

گورنر جنرل اور مختلف صوبوں کے گورنر اور سپہ سالار اعظم کے عہدوں
کے لئے نامزدگی کا حق اس قانون کی رو سے کمپنی کو حاصل ہے البتہ ملک معظم
کی منظوری حاصل کرنی لازمی ہے۔ اگر کسی شخص کا تقرر نامنظور ہو جائے تو مجلس
نظما دوسرے شخص کو نامزد کر سکتی ہے حتیٰ کہ ملک معظم اور مجلس نظما دونوں کی
رائے ایک ہو جائے لیکن کسی موزوں شخص کا تقرر کرنے اور اس اختلاف
رائے کو رفع کرنے کی غرض سے اس قانون میں یہ فقرہ اور بڑھا دیا گیا کہ اگر
عہدہ خالی ہونے سے دو ماہ کے اندر مجلس نظما کسی شخص کا تقرر نہ کرے گی تو (۶۷)
پھر اس عہدہ کے لئے نامزدگی کا حق ملک معظم کو حاصل ہو جائیگا۔ اس قانون
کی رو سے مجلس نظما اور ملک معظم کے وزرا میں ان جملہ مسائل میں اتفاق رائے
ہونا لازمی ہے جن کا تعلق سلطنت ہند کے استحکام اور اس کی صلاح سے
ہو۔ اگرچہ اس قانون کی دفعات سے پریشانی اور کمزوری پیدا ہونے کا
امکان معلوم ہوتا ہے لیکن یہ قانون انگریزی دستور کی صحیح اسپرٹ کو مدنظر
رکھ کر تیار کیا گیا ہے۔ اس قانون نے سرپرستی کے غلط استعمال کو بڑی حد
تک روک دیا ہے اور اختلاف رائے کی صورت میں فریقین کو رائے عامہ
کا جوابدہ قرار دیا ہے۔ اس سے ہمیشہ فائدہ ہی پہنچے گا کیونکہ ایسا زمانہ ہمارے
قیاس سے باہر ہے جبکہ انگلستان کے حکام ایسے مسائل میں رائے عامہ کی پروا

باب ۹ نہ کریں جو ان کے اعمال کے بابت زیر بحث ہوں؛
مجلس نظما کو جدید اور قدیم دونوں قانونوں کی رو سے بلا استمزاج وزرائے سلطنت برطانیہ، گورنر جنرل اور گورنرز اور سپہ سالار افواج ہند کو لبطور اپنے ملازم کے برخاست کرنے کا استحقاق حاصل تھا؛[1]

اسی قانون کی چند دفعات کی رو سے مجلس نظما کو بلا استمزاج کمشنران انڈیا بورڈ کسی بڑے عہدہ دار کے عارضی تقرر کا بھی حق حاصل نہیں تھا البتہ وہ ارکان کونسل اور اسٹاف کے جنرل مقرر کر سکتی تھی اور چند دیگر عہدہ داروں کے انتخاب اور نامزدگی کا اسے خاص طور پر اختیار دیدیا گیا تھا۔ اگر مقامی حکومت کسی سول یا فوجی افسر کو معطل یا برخاست[2] کر دیتی تو اسے مجلس نظما اپنے اختیار سے بحال کر سکتی تھی لیکن اس اختیار پر عمل کرنے کے لئے بھی وزرا کی منظوری حاصل کرنا لابدی تھا؛ ۶۸

نظما کے اختیارات پر اس طرح کی پابندیاں لگا دینا دانشمندانہ اور سود مند فعل تھا۔ انگلستان میں تقررات ہونے اور ہندوستان کے معطل اور

---

[1] جب ہم اس حق کی نوعیت اور مجلس نظما کی ساخت پر غور کرتے ہیں تو ہمیں استعجاب نہیں ہوتا ہے کہ اس حق پر کبھی بھی عمل نہیں کیا گیا لیکن جب کبھی وہ ہندوستان کے اعلیٰ افسران سے مطمئن نہ ہوتے تھے تو وزراء کی جماعت کے اندیشہ سے وہ ان افسران کو برخاست کرنے کی ذمہ داری لینے سے کانپ اٹھتے تھے چونکہ انھیں اس قسم کا حق حاصل تھا اس لئے وزراء پر بھی اس کا ضرور اثر ہوتا ہوگا؛

کمپنی کو ایسی صورتمیں برخاست کرنیکا اختیار نہیں رہا جبکہ گورنر یا گورنر جنرل یا سپہ سالار افواج ہند کی جگہ خالی ہوئی ہو اور مجلس نظما نے مقررہ وقت کے اندر کسی کو نامزد نہیں کیا اور وزرا نے ایسے عہدوں پر خود تقررات کر دئے ہوں۔

[2] اس قانون میں وہ فوجی افسران داخل نہیں ہیں جنھیں فوجی عدالت نے برخاست کیا ہو انکے مقدمات شاہ جارج سوم کے قانون ۱۸۰۵ (باب ۷۶) کے دفعہ ۴ و ۵ کے مطابق فیصل ہوسکتے ہیں۔

باب ۹

برخاست شدہ افسروں کے بار بار بحال کردینے سے زیادہ کوئی اور امر مقامی حکومت کے اثر اور اختیارات کو کمزور نہیں کرسکتا تھا اور نہ اس سے زیادہ اور کسی فعل سے ان افسروں کو پست ہمت کیا جاسکتا تھا جو اپنے اس قسم کے کاموں کی منظوری کے لئے کوشش کرتے تھے۔ لیکن جدید قانون کی رو سے مجلس نظما اور مجلس نگراں کار ہندوستان کی مقامی حکومت کے ایسے فیصلوں میں مداخلت نہیں کرسکتی جن کا تعلق سرکاری عہدہ داروں کے طرز عمل یا ان کی ملازمت سے (۶۹)
ہو۔ حکام انگلستان کے یہ قیود نہایت سودمند ہیں چونکہ ان سے پرائیوٹ سرپرستی کا سدباب ہو جاتا ہے اور ناواجب شخصی اثر محدود ہو جاتا ہے اور اس کی بدولت باہر کے سرکاری ملازم کلیتاً اپنے افسران بالادست ہی سے اپنا سروکار رکھتے ہیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے زبردست تجارتی معاملات کے انتظام کے خیال سے مجلس نظما عالم وجود میں آئی تھی لیکن گذشتہ چند سال سے دیگر فرائض کے مقابلے میں تجارت کا نظم ونسق غیر اہم فرض رہ گیا ہے۔ اس مجلس کی ادائے فرض کی قابلیت اور اس کے سلطنت ہند کے ضروری جزو ہونے کی اہمیت کے متعلق ہم نے اپنے چند خیالات ظاہر کرنے کا تہیہ کیا ہے ہر ایک قسم کی حکومت کی خوبیاں مقابلہ سے معلوم ہوا کرتی ہیں اور حکومت کی کسی شکل کو بھی ہم صرف اسی دلیل کی بنا پر منسوخ نہیں کرسکتے ہیں کہ وہ جدید خیالات کے مطابق نہیں ہے یا وہ رائے عامہ اور مقررہ اصولوں کے خلاف ہے۔ یہ وجوہ کسی خاص قسم کی حکومت قائم نہ کرنے کے لئے ضرور قابل تسلیم ہیں لیکن قائم شدہ حکومت کو برباد کرنے کے لئے وہ دلائل نہایت پوچ اور لچر ہیں۔ اگر برطانوی ہند کیلئے ہمیں کسی خاص قسم کی حکومت قائم کرنے کی ضرورت ہوتی تو وہ شخص فاتر العقل سمجھا جاتا جو موجودہ طرز حکومت وہاں کے لئے تجویز کرتا۔ لیکن غور کرنے سے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ آخر الذکر قانون انہی شبہات کی بنا پر نافذ کیا گیا تھا کہ ایکٹ سنہ ۱۷۹۳ء 33, Geor III Cap. 52 See 69 کی رو سے فوجی عدالت کے حکم سے برخاست کئے ہوئے افسر کا بحال کرنا قطعی ممنوع ہے۔

باب ۹

(۷۰) ہمیں معلوم ہوگا کہ اب حالت بالکل بدل گئی ہے اور ہماری عملداری کے ساتھ اس نے بھی ترقی کی ہے اور اب تاجروں کی جماعت کو ایک بڑے کارخانے کے انتظام کے بجائے ایک سلطنت کا نظم و نسق کرنا پڑتا ہے اور حکومت کے ہر شعبہ میں ہر ایک محکمے نے اپنے اپنے فرائض اپنے کاموں کی وسعت و اہمیت کے لحاظ سے انجام دئیے ہیں۔ ان سب باتوں کا انجام کامیابی اور مرفہ الحالی ہوا ہے۔ کمپنی کے مخالفین کا خیال ہے کہ یہ کامیابی قانون ساز جماعت کی مداخلت اور مجلس نگرانکار کے قیام سے حاصل ہوئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بہت سی اصلاحات ان وجوہ سے عمل میں آئی ہیں لیکن مجلس نگرانکار جن اغراض کے حصول کے لئے قائم کی گئی تھی وہ حاصل ہوگئے اس لئے ہمیں یہ نتیجہ نہیں اخذ کرنا چاہیئے کہ وہ مزید اختیارات دئیے جانے کی اہل ہے۔ جتنی نگرانی کہ اس نے دوسروں کے کاموں پر کی ہے اتنی ہی نگرانی اس کے کاموں پر دوسروں کی رہی ہے۔

مجلس نظما کے اختیارات کم ہوگئے ہیں اس لئے وہ نہایت ہوشیار اور حاسد ہوگئی ہے اور اس نے مجلس نگرانکار کی ہر ایک کارروائی کی اس طرح جانچ کی جس سے اس کے اثر اور اختیارات کے بیجا استعمال کا نہایت موثر طور پر انسداد ہوگیا۔

جب کمپنی کے ان دعاوی پر بحث شروع ہوئی کہ تجدید مراعات پر انھیں ہندوستان کے مالی، فوجی اور سیاسی امور میں وہی حقوق حاصل رہیں جو اسوقت ہیں تو اس تجدید کی دونوں ایوانہائے

(۷۱) پارلیمنٹ کے متعدد ممبران نے مخالفت کی لیکن اس مجلس کے اختیارات سلب کرنے کیلئے جو دلائل اور وجوہ پیش کئے گئے وہ اُن وجوہ سے بالکل مختلف تھے جو تیس سال پیشتر بیان کئے گئے تھے۔ یہ مخالفین کمپنی پر ظلم اور بددیانتی کا تو کوئی الزام عائد نہ کرسکے۔

لہ کمپنی کا اجازت نامہ دوامی ہے۔ سنہ ۱۸۱۳ء کے قانون نے اراضی اور تجارتی مراعات کی اور چند سال کے لئے تجدید کردی لیکن اس مدت میں اجازت کی میعاد ختم نہ ہوگی اس نظام کو تبدیل کرلنے کے لئے خواہ کوئی انتظام تجویز کیا جائے لیکن اس میں کمپنی کا یہ امتیازی حق خاص اہمیت رکھیگا۔

باب ۶

نظام سلطنت میں قابل تعریف تبدیلی تسلیم کی گئی لیکن نہایت زور کے ساتھ یہ شکایت پیش کی گئی کہ مجلس نظما ان زبردست فرائض کو انجام دینے کے لائق نہیں ہے اور حکومت کے سارے ڈھانچے میں نہایت بے ضابطگی ہے اور ایسی نا قابل جماعت کے برسر حکومت رہنے سے بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہونے کا احتمال اور امکان ہے۔ کمپنی کے مخالفین نے تو اس بات کو مان لیا کہ نظما کو جو حقوق حاصل ہیں ان کا ایک لخت سلب کر لینا نہایت مشکل ہے اور یہ اختیارات تاج برطانیہ کو دیدینا دانشمندی کے خلاف ہے لیکن ایسے بہت سے تجاویز پیش کیے گئے جن پر عمل پیرا ہونے سے مفاد عامہ کو اس سے چنداں نقصان و مضرت نہیں پہنچ سکتی تھی۔ ان معمولی دلائل کا جواب دینا چنداں دشوار نہ تھا۔

اس بات کو مان لینے سے کہ کمپنی کی عملداری میں زبردست تبدیلی پیدا ہو گئی ہے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نقائص لاعلاج نہیں ہیں اور انگریزی قانون کے اصول میں یہ بات داخل ہے کہ جس کی اصلاح ہو سکتی ہے اسکو نیست و نابود نہیں کرنا چاہیئے۔ ہماری سلطنت کے آزاد دستور کے دیگر (۲۲) حصوں کی طرح ہماری سلطنت ہند کے اس شعبے میں بھی بے ضابطگی پائی جاتی ہے اور جدید اہم فرائض کی ادائگی کی ناقابلیت کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ گذشتہ بیس سال میں جو کچھ بھی وقوع میں آیا ہے اس سے اسبات کی ترغیب ہوتی ہے کہ سب کو نیست و نابود کرنے کے بجائے ہم ترمیم اور اصلاح کرتے ہوئے آگے بڑھے چلیں کیونکہ یہ یقینی بات نہیں کہ موجودہ نظام کو درہم برہم کر کے اگر کوئی دوسرا انتظام قائم کیا جائے تو وہ موجودہ نظم کے برابر بھی موزوں اور مناسب ثابت ہو گا۔

سنہ ۱۷۸۴ء کے قانون کے بعد سے کمپنی کے دستور میں بہت سی اہم تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ لیکن سرمایہ داروں کی مجلس پر ان تبدیلیوں کا جو اثر پڑا ہے وہ سب سے زیادہ قابل توجہ ہے۔ جس زمانے تک کہ مجلس نظما وزرا کے زیر اثر نہیں تھی اس وقت تک ہندوستان کے بڑے عہدوں پر

باب ۹ نامزدگیوں اور دیگر اہم سیاسی معاملات میں مالکان کمپنی مداخلت کرتے رہے لیکن
جب معاملات ہند کے نظم و نسق میں خود حکومت ایک فریق بن گئی تو یہ ضروری
سمجھا گیا کہ ان کے انتظامات میں کمپنی کی مجلس عامہ دست اندازی نہ کرنے پائے
لہذا اس کے اختیارات جدید قانون کی چند دفعات سے بہت کچھ کم کر دئے گئے۔ دیگر
واقعات سے بھی مالکان کمپنی کی رائے اور اصولوں میں بہت کچھ تبدیلی واقع
(۷۳) ہوئی ہے ازانجملہ ہندوستان سے تجارت شروع کرلینے کا مسئلہ نہایت دقیع
اور اہم تھا۔ جب مجلس نظما میں کوئی جگہ خالی ہو جاتی تو اس کو پُر کرلینے کے لئے
خود اس مجلس کے ارکان کسی کا نام پیش کرتے اور اپنی شخصی اور اجتماعی کوششوں
سے اس کے تقرر میں کامیاب ہو جاتے تھے۔ یہ جدید ناظم مجلس نظما کا بیحد
مرہون احسان ہوتا جس کا اب وہ خود ایک رکن تھا اور ہمیشہ یہ خیال اس
کے دامن گیر رہتا تھا کہ یہاں کے اتحاد و ارتباط کو جس سے خود اسے فائدہ
پہنچا ہے قایم رکھنا چاہئے لیکن اب چند سال سے حالت بدل گئی ہے۔ کسی
امیدوار کی اگرچند اراکین حمایت کرلیتے ہیں تو دیگر ارکان مخالفت کرلیتے ہیں۔
اس طور سے اب وہ فرقہ بندی کے اصولوں پر اپنے فرائض ادا کرتے ہیں جس
کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس اتحاد اور یک جہتی کا خاتمہ ہو جائیگا جو کسی زمانے میں
اس جماعت کی قوت کا موجب تھی؎

انگلستان کی ان تبدیلیوں کا اثر بڑھتے بڑھتے ہندوستان پر بھی پڑنے
لگا ہے اور اس کی وجہ سے کمپنی اور اس کے غیر ملکی ملازمان کے تعلقات میں
بھی بڑی تبدیلی پیدا ہو گئی ہے کیونکہ اب ملازمان کلیتاً کمپنی ہی کے دست نگر
نہیں رہے ہیں۔ گذشتہ تیس ۳۰ سال میں جو واقعات رونما ہوئے ہیں ان سے
ہندوستان کے فوجی اور سول افسران کی قدر و منزلت اہل انگلستان کی نظر میں
بہت کچھ بڑھ گئی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے کیرکٹر کا نہایت عمدہ اثر
پڑ رہا ہے اور ان کی شہرت بڑھتی جاتی ہے ہندوستان کے فوجی عہدیدار
لارڈ بکن شاشائن (Lord Buckin Shaw shine) کے نہایت مرہون منت ہیں کہ آپ نے
اُنکے حقوق کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ ملک معظم کے روبرو پیش کرکے ان کو، او۔ بی (O.B.) کا

باب ۹ (۴۷۰)

خطاب عطا ہونیکی منظوری حاصل کرلی مسٹر کیننگ (Mr. Canning) صدر مجلس
نظما کی اس عنایت کی پبلک خاص طور پر شکر گذار ہے کہ آپنے سر ٹامس منرو (Sir Thomas Munro)
اور آنریبل ماونٹ اسٹورٹ (Hon'ble Mount Stuart) جیسے واجب الاحترام اور نہایت
قابل اشخاص کا تقرر کرایا جو مدراس اور بمبئی کے معزز عہدہ گورنری پر کئی سال تک مامور رہے ۔

ان دونوں کے تقرر کے وقت یہ اندیشہ ظاہر کیا گیا تھا کہ شاید مجلس نظما اپنے عملدرآمد کے خلاف انگلستان کے قابل حضرات کے بجائے اپنے ملازموں کو ان جلیل القدر عہدوں پر مقرر کرانے کی طرف توجہ کرے گی لیکن اس انتخاب سے سب مطمئن ہو گئے کیونکہ جب ہندوستان کے عہدیداروں میں ایسے قابل لوگ[2] داخل ہیں تو پھر اس قسم کا عملدرآمد معقول پالسی اور انصاف کے منافی ہے جس کی رو سے ایسے قابل اشخاص معزز عہدے پانے سے محروم رہیں جو وہ بجا طور سے حاصل کر سکتے ہیں اور جو ملک معظم اور ان کا ملک انھیں عطا کر سکتا ہے ۔

ہندوستان کے اعلیٰ عہدوں کے امیدواروں پر انگلستان میں اکثر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہاں کے سرکاری ملازماں سے ان کے بہت زیادہ (۴۷۵) قریبی تعلقات ہو جائینگے اگر اس بات کا امکان ہوتا کہ معمولی قابلیت کے لوگ اعلیٰ عہدوں پر مقرر کر دئیے جائینگے تو اس اعتراض کے لئے کوئی دلیل پیدا ہو سکتی تھی لیکن جو دشواریاں انھیں پیش آتی ہیں اُن کو مدنظر رکھ کر ہم ہرگز اس کی توقع نہیں کر سکتے ہیں کہ حکام انگلستان ایسے لوگوں کو ترقی دیدیں گے تاوقتیکہ وہ ہر طرح اپنے ہم قوموں سے سبقت نہ لیجائیں گے۔ ایسی صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے لوگ ہندوستان میں کیسی دوستی اور کس قسم کے تعلقات رکھ سکتے

۱ بحوالہ مراسلہ مسٹر کیننگ بنام صدر مجلس نظما مورخہ ۲۱ ستمبر ۱۸۱۸ء۔
۲ یہ کتاب لارڈ ہسٹنگز کی حکومت تک ختم ہو جاتی ہے ورنہ مصنف کا یہ فرض تھا کہ وہ مسٹر جان آدم (John Adam) کے کاموں پر توجہ کرے جس نے لارڈ ایمہرسٹ (Lord Amherst) کی آمد سے پیشتر قائم مقام گورنر جنرل ہونے کے زمانے میں یہ ثابت کر دکھایا تھا کہ وہ اس مقتدر عہدے کے فرائض انجام دینے کا ہر طرح پر اہل ہے ۔

باب ۹ ہیں۔ بلاشبہ کمپنی کے نہایت قابل اور بہتر ین قسم کے عہدیداروں سے انکے دوستانہ تعلقات ہو گئے۔ بیشک وہ اپنے ماتحتوں کی کمزوریوں اور ناقابلیتوں سے واقف ہو گئے اور اس کی بدولت انھیں اپنے سرکاری فرائض باحسن وجوہ انجام دینے کا موقعہ حاصل رہیگا۔ اپنے معاصرین میں معزز عہدے پر فائز ہونے سے انھیں ہمیشہ اس بات کا لحاظ رہیگا کہ ہم اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دکھائیں کہ اس اعلیٰ عہدے کے اعزاز کے ہم ضرور مستحق تھے۔ ہندوستان میں اپنے سے افضل عمال سے دوستی اور تعلقات رکھنا ان کے دل میں ایسی امنگیں پیدا کر دیگا جس سے پبلک کو بہت کچھ فائدہ پہنچیگا۔ اب ہم ان کا مقابلہ ایک ایسے شخص سے کرتے ہیں جس کو نہ تو اس مقام کی حالت معلوم ہے جہاں پر اسے کام کرنا ہے اور نہ اپنے زیر دستوں ہی کے متعلق اسے کوئی ذاتی معلومات ہیں اور نہ ان سے کسی قسم کی شناسائی اور تعلقات ہیں ایسا شخص اگر نام نمود حاصل کرلے تو یقیناً یا تو اس کا تعلق کسی سیاسی جماعت سے ہوگا یا پارلیمنٹ سے اس کے کچھ تعلقات وابستہ ہونگے۔ اس قسم کے خاندانی حقوق اور تعلقات و ذاتی دوستی کے بغیر اسے مجبوراً ہندوستان میں اکثر اشخاص کے سامنے جھکنا پڑیگا؛

(۲۶) اگر اس بات کو مان بھی لیا جائے کہ سرکاری ملازمان میں ایسے لوگوں کی بھی مثالیں ملتی ہیں جو اس قسم کے جملہ تعلقات اور حقوق کے اثرات سے الگ رہے ہیں تاہم اس قسم کا نادرالوجود شخص ہندوستان میں بالکل اجنبی ہوگا اور جن اشخاص سے اس کا واسطہ ہوگا ان کے کیرکٹر اور قابلیت کے متعلق ہر قسم کی معلومات حاصل کرنے کے لئے وہ دوسروں کا محتاج ہوگا اور اس کے نظم و نسق کی کامیابی کا انحصار اس کے دانشمندانہ انتخاب پر منحصر ہوگا کیونکہ ان ہی لوگوں سے وہ اپنے مختلف کام لیگا؛

ہندوستان میں انگریز حکام کبھی اس تعصب سے کام نہیں لیتے ہیں جس سے تنزل کے زمانے میں بھی خاندانی بادشاہ اور قومی سلطنتیں حمایت اور تائید کیا کرتی ہیں۔ ہماری حکومت کی وقعت اس کے حاکم بالا کی ذاتی قابلیت اور اوصاف ہی کی وجہ سے ہو سکتی ہے۔ اعلیٰ ذہانت اور راستبازی سے سلطنت ہند کی یوروپین

باب ۹

اور دیسی رعایا دونوں کی خوشنودی حاصل ہو سکتی ہے اور ظن غالب یہ ہے کہ اس کی بدولت وہاں امن بھی قائم رہ سکتا ہے اور ہر قسم کے خطرات پر بھی حاوی آیا جاسکتا ہے۔ معمولی استعداد کے لوگ خواہ انھیں معلومات بھی حاصل ہوں ہر زمانے میں جہانبانی کے کام کے لئے ناموزوں ثابت ہونگے اور اگر کسی زمانے میں ہندوستان کا نظم ونسق کمزور اور نالائق حکام کے ہاتھ میں دیدیا جائیگا تو وہاں کے اعلیٰ عہدے کی وقعت گرجائیگی اور وہ سارے خطرات نمودار ہوجائینگے جو اعلیٰ حاکم کی توہین وتذلیل سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس سلطنت کی سلامتی اسی میں ہے کہ برطانیہ عظمیٰ ہندوستان کو ہمیشہ مخدوش حالت میں سمجھتی رہے اور وہاں کے نظم ونسق کے لئے ایسے لوگوں کا تقرر کیا جائے جنھیں اس کے مفاد کا پورا علم حاصل ہو اور جن میں ایسے اعلیٰ اوصاف اور قابلیت موجود ہو جس سے وہ ہر ایک
غیر معمولی ضرورت کی موقعے پر مناسب طور پر کام لے سکیں کیونکہ وہاں پر اسی (۷۷)
قسم کا نظام حکومت جاری کرنا ناممکن معلوم ہوتا ہے جس کی رو سے ان مقبوضات کی بخوبی حفاظت ہو سکے۔ اگر انھیں محفوظ رکھنے کی کوئی صورت ہے تو وہ یہی ہے کہ وہاں کی حکومت قابل اور مستقل مزاج افراد کے ہاتھ میں رہے۔ اگر کچھ عرصے تک مسلسل طور پر ہمیں قابل اور لائق لوگ نہ ملیں یا فرقہ بندی اور دیگر اثرات اور وجوہ سے قابل حضرات کا انتخاب نہ ہوسکے تو ہمیں یہ مان لینا چاہیے کہ مشرق میں ہم نے جو زبردست سلطنت قایم کی ہے اگر اس کے ہاتھ سے جانے کا احتمال نہیں تو اس کا زوال بہت جلد وقوع میں آجائیگا"

اس قسم کے انتخابات کے مسئلے پر بہت کچھ قیاسی رائے زنی کی گئی ہے۔ بعض اصحاب کا خیال ہے کہ ہندوستان کے اعلیٰ عہدوں کے لئے فوجی لوگ زیادہ موزوں ہونگے۔ بعض فرماتے ہیں کہ سیول محکموں میں جن حضرات نے نمایاں ترقی کی ہے ان کا انتخاب زیادہ مناسب ہوگا۔ بعض حضرات یہ ارشاد کرتے ہیں کہ صرف اعلیٰ اور شریف خاندان کے لوگ ان معزز عہدوں پر مقرر کئے جائیں۔ بہت سے اصحاب یہ رائے دیتے ہیں کہ ان عہدوں پر ملازمان کمپنی مقرر کئے جائیں کیونکہ انھیں ہندوستان کے باشندوں اور وہاں کے حالات کے متعلق

باب ۹

تفصیلی معلومات حاصل ہیں ؛

ہمارے نزدیک اگر کوئی ایسا اصول قایم کیا گیا جس سے علمی قابلیت، ذہانت اور دیگر اوصاف حمیدہ رکھنے والے اشخاص کے لئے خواہ وہ کسی طبقے میں پائے جائیں جائز اور مناسب طریقے سے بلند حوصلے قایم کرنے اور قابل فخر امتیاز حاصل کرنے کے مواقع نہ رہے تو مقابلے کا شوق جاتا رہیگا۔ جس کی ضرورت ایسے لوگ تیار کرنے کیلئے ہے جو ہندوستان پر عملداری کرسکیں۔ ان اعلیٰ عہدوں پر خواہ وہ لوگ مقرر ہوں جنھوں نے سیول محکمے میں نمایاں ترقی کی ہے یا فوج میں اس کی کوئی اہمیت نہیں بشرطیکہ ان میں اپنے فرائض منصبی کو ادا کرنے کے جملہ ضروری اوصاف موجود ہوں۔ البتہ اگر سیول اور فوجی انتظام کی اعلیٰ قابلیت کسی ایک فرد میں موجود ہو تو ان دونوں معزز عہدوں پر صرف ایک شخص کا تقرر زیادہ مفید و مناسب ہوگا۔ اس بات سے انکار نہیں ہوسکتا کہ ایک والا مرتبت شخص کے مقرر ہونے سے عہدے کو ایک خاص اعزاز حاصل ہوجاتا ہے اور اس کا نہایت اچھا اثر ہوتا ہے لیکن یہ اثر اتنا زیادہ نہیں ہوتا کہ قابل اشخاص کے تقرر کا خیال ترک کردیا جائے یا نااہل کے نقائص پر پردہ پڑجائے۔ اسی طرح ملازمان کمپنی کو مقامی تجربہ حاصل ہونا بڑے عہدے پر مقرر کرنے کے لئے نہایت کمزور سفارش ہے تاوقتیکہ ان میں اعلیٰ درجے کی دیگر قابلیتیں موجود نہ ہوں۔ اعلیٰ عہدے کے لئے تفصیلی معلومات کی اس قدر ضرورت نہیں جس قدر کہ فطرت انسانی کے پرکھنے کے لئے اعلیٰ قسم کی واقفیت۔ کیرکٹر، عملی قوت اور حکومت کرنے کی حکیمانہ عقل کی حاجت ہے اور انھیں اوصاف نے ہر زمانے میں ان حضرات کو ممتاز اور سرفراز کیا ہے جنھوں نے بنی نوع انسان اور ملک کو فائدہ پہنچانے کے لئے اپنے ان اوصاف سے کام لیا ہے ؛

گورنر جنرل یا مدراس و بمبئی کی گورنری کے ممتاز عہدے پر جس شخص کا بھی تقرر کیا جائے اسے چاہئے کہ وہ اپنے کارناموں سے اپنے افسر کا (جس نے اسے مقرر کیا ہے) کامل اعتماد اور کامل بھروسا حاصل کرلے اور جب اس پر اعتماد نہ رہے تو فوراً اسے مستعفی ہوجانا چاہئے۔ سلطنت ہند کو بیرونی قوت سے جو اندیشہ

باب ۹ (۷۹)

ہے اس سے کہیں زیادہ اپنے یہاں کی اندرونی کمزوری سے خطرہ ہے اور یہ خطرات نہایت خوفناک طریقے سے ہمیشہ بڑھتے رہیں گے اگر وہاں کے نظم ونسق کو حکومت انگلستان کی متفقہ امداد نہ ملے۔ ہندوستان میں اعلیٰ عہدوں پر جو اصحاب مقرر ہوتے ہیں انھیں وسیع اختیارات دینے کی مسلمہ طور پر ضرورت ہے لیکن یہ بات انگریزوں کے جذبات کے منافی اور ہمارے آزادانہ نظام سلطنت کے کسی جزو کے بھی مطابق نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم سلطنت برطانیہ کے اصول و قواعد کو ان قواعد میں شامل نہیں کرسکتے ہیں جو بحیثیت غیر ملکی فاتح ہونے کے ہندوستان کی وسیع سلطنت پر ہماری بادشاہی قائم رکھنے کے لئے لازمی اور ضروری ہیں۔ جن اصحاب کے ہاتھ میں ہم وہاں عنان حکومت دیتے ہیں ان کی گردن پر ہم نہایت زبردست ذمہ داری ڈال دیتے ہیں[1] لیکن جو قیود حکام انگلستان پر عائد کی جاتی ہیں وہ ہندوستان میں ہمارے فرماں روا ہونیکی حیثیت کے لئے موزوں نہیں ہیں۔ لہذا ایسی حالت میں بجز اس کے کوئی اور نتیجہ خیز تجویز ہماری سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ ہم نہایت نازک اور پیچیدہ فرائض کو انجام دینے کے لئے لایق لوگ تیار کریں جو ہماری ہندوستانی رعایا کی سود و بہبود کا لحاظ رکھیں اور اس کے ساتھ ہندوستان میں رہنے والے انگریزوں کے حقوق اور مراعات کی نگہداشت کرتے رہیں لیکن قبل اس کے کہ اس مقصد کے حصول کے لئے کوئی تجویز پیش کیجائے اس بات پر غور کرنا زیادہ سودمند ہوگا کہ موجودہ نظام سلطنت سے ہمارا مدعا کس حد تک پورا ہوسکتا ہے ؎

(۸۰) بادشاہ سلامت کے وزراء کو ہندوستان میں اعلیٰ عہدوں پر تقرریات کرنے کے وقت اپنے ملکی فرائض کے ساتھ دوسروں پر احسان کرنے اور اپنی جماعت کے مفاد کی حفاظت کرنے کا بھی خیال دامنگیر رہتا ہے اور آئندہ بھی

---

[1] ہندوستان کے گورنر پر ایک سخت پابندی یہ عائد کی گئی ہے کہ وہ اپنی ہر ایک کارروائی کو خواہ وہ کیسی ہی معمولی کیوں نہ ہو تحریر کرکے مراسلے کی شکل میں انگلستان روانہ کرے ؎

باب ۹ رہیگا اور اسی سبب سے یہ اصحاب اس طرز حکومت کے عموماً حامی پائے جاتے ہیں اور بہت سے چیلے حوالے کرکے حتی المقدور وہ ملازمان ہند کے حقوق کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ چونکہ انھیں اپنے دوستوں کو ترقی دینے، غیر ممالک میں ان کی خدمات کا صلہ عطا کرنے اور اپنے اختیارات کو برقرار رکھنے کے انتظامات کرنے پڑتے ہیں اس لئے وہ ان تقررات کے لئے مقابلہ پسند نہیں کرسکتے جو ہر لحاظ سے مناسب و مفید ہوگا۔ ان خیالات کا قریبی تعلق انگریزی حکومت کے ڈھانچے اور ان افراد کے ذاتی مفاد سے ہے جو سلطنت کا انتظام کرتے ہیں لہذا ان کے رفع ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے لیکن سلطنت ہند پر جو مضر اثرات ان کے ہوتے ہیں وہ اس دلیل سے کم نہیں ہوسکتے ؛

جب سلطنت معرض خطر معلوم ہوتی ہے اسوقت ان ملازمان کی کاروائیاں بہت کم ضرر رساں ہوتی ہیں لیکن جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے حقیقی حالات سے زیادہ واقفیت ہونے کے بعد معلوم ہو جائیگا کہ سلطنت ہند ہمیشہ خطرے کی حالت میں ہے اور بظاہر جس وقت کامل امن و سکون ہو حکومت کے کام انجام دینے کیلئے پوری سرگرمی اور اعلیٰ درجہ کی قابلیت کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ اس وقت ایسی مدافعانہ تدابیر اختیار کرنی ہونگی جن سے وہ مشکلات رفع ہوسکتی ہیں جو مشرق میں ہماری سلطنت کی زبردست وسعت اور نوعیت پیدا کرتی ہے اور جن کے دوبارہ ظاہر ہونے کو صرف برسر حکومت اصحاب کی مسلسل نگرانی اور دانشمندی ہی روک سکتی ہے ؛

(۸۱) جن لوگوں کو ہندوستان کے متعلق کسی قسم کی معلومات حاصل نہیں یا اگر ہیں تو برائے نام انھیں ہندوستان میں اعلیٰ عہدوں پر مامور نہ کرنے یا انکے تقررات میں کمی کرنے کے لئے ایک زبردست دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ ان سے بہتر تو کمپنی کے وہ ملازم ہیں جو صدر مجلس میں کام کرتے ہیں اور جنھیں ضروری معلومات حاصل ہیں اور جو قابل بھی ہیں یا جو ماتحت عہدوں یا انتظامی شعبوں میں ملازم ہیں لیکن یہ دلیل پیش کرنے والے اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ دوسروں کو منتخب کرنے اور ملازم رکھنے کے لئے بڑی قابلیت درکار ہے۔ نالایق لوگ

قابل اشخاص کا تقرر کرنے سے ڈرتے ہیں اور بجائے اس کے کہ اپنی نالائقی کی کمی پورا کرنے کے لئے وہ ان کی اعانت حاصل کریں ان سے حسد کرنے لگتے ہیں اور بگڑ جاتے ہیں۔

یہ دلیل بھی پیش کی گئی ہے کہ بادشاہ سلامت کے وزراء پر اگر پوری ذمہ داری ہندوستان کے تقررات کی ہوتی تو وہ رائے عامہ کے خوف اور دارالعوام میں اپنے پر حملہ ہونے کے اندیشے سے بہت زیادہ محتاط ہو جاتے بہ نسبت اس کے کہ حالت موجودہ کی طرح وہ مجلس نظماء کے نامزد کردہ لوگوں کے متعلق اختلاف رائے پیش کریں یا تائید کر دیں لیکن اگر سلطنت ہند کے معاملات یورپ کے معاملات کی مانند یہاں پر سمجھے جاتے یا ان سے ویسی ہی دلچسپی لیجاتی تو یہ کہنا بالکل صحیح ہوتا۔ چونکہ ایسا کبھی ہرگز ہونے والا نہیں اور چونکہ وزرا سے یہی امید ہے کہ وہ ہندوستان کے معاملات کو ہمیشہ ادنیٰ درجہ کا سمجھتے رہینگے اس۔ لئے زیادہ مستحکم اور مستقل روک کی ضرورت ہے اور یہ روک سنگام صرف ایک ایسے معقول نظام حکومت ہی سے حاصل ہو سکتا ہے جس سے ذہانت کے جوہر کھل جائیں۔ علم کی قدر اور ذاتی اوصاف وخصائل کی وقعت قائم ہو جائے۔ اور کم ازکم ایسے مسائل میں جن میں کہ سلطنت ہند معرض خطر ہو، تعصب اور ذاتی (۸۲) اثر اور سرپرستی کی ساری کاروائیاں محدود ہو جائیں۔

یہ خیالات خصوصاً عام اصولوں کی بابت ہیں، ان کا کوئی تعلق مجلس نظماء یا وزراء کی کسی خاص کارروائی سے نہیں ہے۔ انھوں نے گورنر جنرل کے عہدے کے لئے نہایت قابل اشخاص کو منتخب کیا ہے جنھوں نے لایق وفایق سرکاری ملازمان کی امداد سے جو ہندوستان میں انھیں میسر آئے ہماری قوت کو اس بلند مگر خطرناک بام رفعت تک پہنچا دیا ہے جس کی وجہ سے ہندوستان کے لئے حکمرانی کرنے میں اب بہت زیادہ احتیاط اور غور کی ضرورت پیدا ہو گئی ہے۔ دائرۂ انتخاب بہت محدود ہے انگریز مدبر کے لئے جو ضروری اوصاف ہیں وہ شاذ و نادر ہی کسی ایک فرد میں مجتمع ہوتے ہیں اور اس وجہ سے جن لوگوں کے خاص حقوق ہندوستان کی ملازمت کی بنا پر ہیں ان کی موزونیت موجودہ

باب ۹ حالت میں ہوا فیوماً نہایت مشکوک ہوتی جائیگی۔ ان لوگوں میں جو دماغی قابلیتیں مخفی وہ گذشتہ ۳۱ سال کے معاہدوں اور دوستانہ اتحاد کے نامہ و پیام میں پورے طور پر نمایاں ہوگئیں اور کامیابی کے موقعوں پر ان کی جو مدح سرائی کی گئی اور جو شاباش انھیں دیگئی اس سے انئیں بڑھنے اور ترقی کرنیکی بلند اور محترم اسپرٹ پیدا ہوگئی لیکن اگر اس اسپرٹ کو برقرار نہ رکھا گیا تو یہ کم ہوکر قطعی مفقود ہوجائیگی ؟

معمولی اوقات میں لوگ اکثر بے مصرف کارروائیوں میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ اور انگلستان میں سلطنت ہند کا جو نظام قرار دیا گیا ہے اس کی وجہ سے اپنی طرز زندگی کو برقرار رکھنے سے جس میں کہ وہ نہایت کارآمد ثابت ہوتے مایوس اور ناامید ہوکر جو لوگ انگلستان واپس چلے جاتے ہیں وہ یا تو عیش پسند بن جاتے ہیں اور کاہل ہوجاتے ہیں یا اپنی رائے اور اپنی شہرت کا سارا زور اس نظام حکومت کے خلاف صرف کرتے ہیں جس نے ان کی ترقیات کی توقعات پر پانی پھیر کر ایک ایسے وقت میں انھیں ملکی خدمات انجام دینے سے محروم کردیا جس وقت کہ وہ اپنے ملک کے لئے نہایت کارآمد اور فیض رساں ثابت ہوتے ؟ (۸۳)

اگر اس بیان کو معاملے کی سچی تصویر مان لیا جائے تو ملازمان کمپنی کے لئے

لہ گذشتہ پچیس سال کے دوران میں ہندوستان کی سیاسی حالت میں جو انقلابات رونما ہوئے ہیں انھوں نے بڑی حد تک ان مواقع کو کم کردیا ہے جن میں حکام اپنے کو ممتاز کردکھاتے ہیں۔

آجکل جو لوگ کہ اعلیٰ عہدوں پر مامور ہیں انھیں اہم معاملات میں شاذ و نادر ہی اپنی قوت فیصلہ سے کام لینا پڑتا ہے اور اُنکے فرائض محض ضابطہ کی خانہ پوری کرلے کے رہ گئے ہیں کیونکہ نظام حکومت کا منشا یہی ہے کہ انھیں ایک چھوٹے ضلع کے حاکم کی مانند اپنی نگرانی اور تابع میں رکھا جائے۔ اس نظام حکومت کے متعلق کسی دوسرے موقع پر رائے زنی کی جائیگی۔ لیکن یہاں پر ہم صرف دستور بتائے دیتے ہیں کہ ہندوستانکے سیول اور فوجی افسروں کو پبلک کی نظر میں یا وقعت ثابت کرلنے کے اب وہ موقعے حاصل نہیں رہے ہیں جو اس سے پیشتر انھیں میسر تھے ؟

باب ۹

انگلستان اور ہندوستان دونوں مقامات پر توقعات کا وسیع ترمیدان کھولنے اور اس غرض کے لئے نظام حکومت میں تبدیلیاں کرنے کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے اگرچہ اس میں معدودے چند کامیاب ہونگے لیکن ہر ایک کے مدنظر توقعات ہونگی جن سے انھیں ایسی کوششیں کرنے کی ترغیب وتحریص پیدا ہوگی جو ہماری سلطنت ہند کو یقینی طور پر فائدہ پہنچانے میں ناکام نہیں رہیں گی؛

مذکورۂ بالا تبدیلیوں کو عمل میں لانے سے پیشتر بہت سے قدیم تعصبات کو دور کرنا پڑیگا۔ افراد اور جماعتوں کے اغراض کو مفاد عامہ کے مقابلے میں ترک کر دینا چاہیئے اور نظام حکومت ہند کے بعض اجزاء کی ترمیم وتنسیخ کرنی چاہیئے جو اکثر لوگوں کے نزدیک بنیادی اصول بنے ہوئے ہیں۔ اس قسم کی ترمیم در اصل سخت ضروری ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ ماننا پڑیگا کہ جن لوگوں نے ہندوستان میں تجربہ حاصل کیا ہے اور جنھیں وسیع معلومات کے ساتھ شہرت بھی حاصل ہے انھیں جبتک اعلیٰ عہدوں سے محروم و مایوس کرنے کے بجائے ترقی دینے اور حوصلہ افزائی کرنے کے لئے تبدیلیاں عمل میں نہ لائی جائیں اسوقت تک ہمارا نظام حکومت اس صحت و قوت کو قائم نہیں رکھ سکتا ہے جو اس کی دوامی مرفہ الحالی کے لئے ضروری ہے؛ (۸۴۳)

حکومت ہند کی انگلستان میں مقررہ شکل یہ ہے کہ ایک مجلس نگران ہے جس میں ایک صدر۔ ایک معتمد اور دو ارکان ہیں[۱]۔ معتمد پارلیمنٹ میں رہتا ہے اور ہر ایک محکمے میں مجرا ہوتے رہے ہیں۔ اس مجلس کے اول چار عہدے داروں

---

[۱] ان کے علاوہ اور بھی ہیں جن میں خاص خاص وزراء شامل ہیں اور یہ سب لوگ بجز صدر اور دو ارکان کے اعزازی مانے جاتے ہیں کیونکہ نہ تو ان کو تنخواہ ملتی ہے اور نہ کوئی خدمت ان کے ذمہ ہے؛

ایکٹ ۲۴ جارج سوم ۱۷۸۴ء کے نافذ ہو جانے کے بعد سے حسب ذیل وزراء ہند کے پریسیڈنٹ بلا تنخواہ اپنے عہدے کے لحاظ سے مقرر ہوئے تھے:۔ لارڈ وائی کاونٹ سڈنی، لارڈ گرینول (جو اس وقت مسٹر گرینول تھے) اور لارڈ میلول (جو اسوقت مسٹر ڈنڈاس تھے)۔

باب ۹ کی بڑی معقول تنخواہ ہے اور یہ ایسے عہدے ہیں جن کے لئے امیدواروں کے خاص اوصاف کے بجائے ان لوگوں کے حقوق کا زیادہ لحاظ کرنا چاہئے جو نظام حکومت کا جز یا اُس کے حامی ہیں۔ عہدۂ صدارت پر اگرچہ قابل اور مشہور اصحاب کا تقرر ہوتا ہے تاہم یہ عہدہ بڑے درجہ کی وزارت کے ہم پلہ نہیں سمجھا جاتا ہے۔ یہ افسوسناک بات ہے۔

(۸۵) کیونکہ اس سے بار بار تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں اور بہت کم حکام اپنے عہدوں پر اس قدر عرصے تک برقرار رہتے ہیں جو اس عہدے کے اہم فرائض کو بخوبی انجام دینے کے واسطے ضروری معلومات حاصل کرنے کے لئے درکار ہوتا ہے۔ حال ہی میں ایک نازک موقع پر یہ واقعہ پیش آیا (اور یہ واقعہ مفاد عامہ کے حق میں سودمند تھا) کہ ایک مشہور و معروف عالی مرتبہ شخص اس مجلس کا صدر قرار پایا جو ہندوستان میں اعلیٰ عہدوں پر مامور رہا تھا اور اس کے ایک قریبی رشتہ دار نے اس کی اعانت کی جو اپنی زندگی کا ابتدائی حصہ کمپنی کی ملازمت میں صرف کر چکا تھا لیکن یہ نامزدگیاں ذاتی معلومات اور تجربہ سے کہیں زیادہ دیگر وجوہ پر مبنی تھیں۔

۱؎ ۱۷۹۳ء میں یہ نظام بدل دیا گیا اور صدارت ایک جداگانہ عہدہ مع تنخواہ کے قرار دیا گیا جس کے بعد سے اس عہدہ جلیلہ پر حسب ذیل اصحاب مامور ہوئے ہیں ہنری وائی کاونٹ میلول (جو اسوقت مسٹر ڈانڈس تھے ۱۸۰۱ء میں لارڈ وائی کونٹ لوی شام (جو بعد میں آرل آف ڈارٹ ماؤتھ ہوئے) لارڈ وائی کاونٹ کسل ری ۱۸۰۲ء میں ارل منٹو مسٹر ٹھامس گرینول مسٹر ٹیرنی ۱۸۰۶ء میں مسٹر رابرٹ ڈنڈاز ۱۸۰۹ء میں ارل اف ہیروبی (تقریباً ۲ ماہ کیلئے) مسٹر رابرٹ ڈنڈاس (جواب وائی کاونٹ میلول ہیں) ۱۸۱۲ء میں ارل آف بکنگھم شائر ۱۸۱۶ء میں مسٹر کیننگ ۱۸۲۰ء میں مسٹر باتھرسٹ (تقریباً ایک سال تک) ۱۸۲۲ء میں مسٹر ولیمس ون۔

۲؎ بکنگھم شائر مرحوم۔

۳؎ رائٹ آنریبل جان سلوان جو معزز شخص (۱۳) سال سے اس عہدہ پر مامور ہے اس واقعہ سے کوئی نتیجہ نہیں نکالنا چاہیئے۔ اس عہدہ پر اتنی مدت تک برقرار رہنا جہاں پر کہ اس نے نہایت سودمند تجربہ حاصل کر لیا ہے محض وزراکے عرصۂ دراز تک وزارت پر برقرار رہنے کے باعث ہے بالفاظ دیگر اس افسر نے جو تجربہ اور معلومات حاصل کیں وہ نظام حکومت پر نہیں بلکہ بعض حسن اتفاق پر مبنی ہیں۔

عموماً اس مجلس کا صدر کرسی صدارت پر متمکن ہوتے ہی دوسروں کے اعانت کا
دست نگر ہو جاتا ہے۔ ممبروں کی بھی وہی حالت ہوتی ہے جو صدر کی ہوتی ہے ان (۸۶)
کو بھی مثل ان کے کام سیکھنا اور بعض اوقات ہندوستانی معاملات سے قطعی لاعلمی
کی حالت میں اپنا کام شروع کرنا پڑتا ہے۔ پارلیمنٹ کے معتمد کو بھی غالباً کچھ زیادہ
معلومات حاصل نہیں ہوتے ہیں کیونکہ اس کا تقرر بھی صدر اور ارکان کے تقررات
کے اصول پر ہوتا ہے۔ مجلس مذکور کے ارکان کلیتاً مختلف شعبوں کے صدر محرروں
کے دست نگر رہتے ہیں۔ یہ صدر محرر مستقل ملازم ہیں اور وہ اپنی ساری کوشش
اپنے دفتر کے مختلف فرائض ادا کرنے میں صرف کرتے ہیں اور تمام کام کو ان کی
نگرانی میں چھوڑ دیا گیا ہے کیونکہ دوسرے جو لوگ بھی ہوں گے وہ بھی ان کاغذات
کی بنا پر کام کریں گے جو ان کے پاس رہتے ہیں۔ لیکن اگر اس بات کو بھی فرض
کرلیا جائے گا کہ ان کی لیاقت اور محنت انگلستان کے سرکاری ملازموں کی برابر
ہے (اور یہ فرض کرلینا صداقت سے بعید نہیں ہے) تاہم یہ انتظام خراب ہے
کیونکہ مسلمہ حاملان معلومات زیر دست اور غیر ذمہ دار ہیں لیکن اس کے جواب
میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہی حالت سلطنت کے دیگر دفاتر کی ہے۔ مگر دیگر دفاتر
کے فرائض کے متعلق معلومات آسان نہیں اور بآسانی حاصل ہو سکتے ہیں اور
اس کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ امور ہر ایک انگریز مدبر کی تعلیم میں داخل ہیں۔ (۸۷)
معاملات ہند کی یہ حالت نہیں ہے کیونکہ وہ ایسے لوگوں کی عام تعلیم سے غیر متعلق
ہیں اور چونکہ انھیں معاملات ہند سے کوئی خاص دلچسپی اور تعلق نہیں ہوتا اس
سے حالت برعکس ہوتی ہے۔ لہذا اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ اس مجلس
کے نظام ترکیبی کو تبدیل کر دیا جائے تاکہ یہاں پر معاملات ہند کے متعلق صحیح
معلومات اور وسیع تجربہ حاصل ہو سکے اور یہ تبدیلی ایسے انتظام سے ہو سکتی
ہے جس کی رو سے سلطنت کے اس شعبہ میں اچھی ملازمت پانے کی ان لوگوں
کی توقعات پوری ہو سکیں جنھوں نے نمایاں قابلیت کے ساتھ ہندوستان
میں خدمات انجام دی ہیں۔ اس کے متعلق یہ دلیل پیش کی جائیگی کہ مجلس نظما میں
داخل ہونے کے لئے دیگر اشخاص کی طرح ان لوگوں کے لئے بھی دروازہ کھلا ہوا

ہے جنھوں نے وہاں پر تجربہ اور معلومات حاصل کی ہے۔ اور ہندوستان میں ملازمت کرکے جب یہ لوگ انگلستان واپس آتے ہیں تو انھیں بھی ملک معظم کی دیگر رعایا کی طرح حقوق حاصل ہوتے ہیں اور ان کے لئے کوئی خاص ممانعت مجلس میں ملازمت کرلنے میں یا صدر مقرر ہونے کے لئے نہیں ہے لیکن بحقیقت حال کیا ہے؟ کیونکہ عملی مسائل اسی کی رہبری سے حل ہو سکتے ہیں۔ جو اصحاب کہ ہندوستانی ملازمت میں جاتے ہیں وہ شاذ و نادر ہی کسی معزز خاندان سے ہوتے ہیں۔ ان کی ابتدائی عمر غیر ملک میں سرکاری خدمات انجام دینے میں صرف ہوتی ہے اور اس وجہ سے انھیں ایسے لوگوں سے دوستی یا سیاسی جماعتوں سے تعلقات پیدا کرلنے کے بہت کم موقعے ملتے ہیں جو تجربہ کار اور قابل آدمیوں کو سود مند کام پر لگا لنے میں امداد دیتی ہیں۔

(۸۸) یہ پچھلے زمانے میں ہندوستان کے اعلیٰ[1] عہدوں پر صرف ملازمان کمپنی ہی مامور کئے جاتے تھے اور ان عہدوں پر مامور رہ کر یا فوجی کمان دار بنکر وہ لوگ بہت جلد کثیر دولت پیدا کرلیتے تھے جس کی وجہ سے وہ پارلیمنٹ میں دولت و نمود کے زور سے اپنا اثر و اقتدار قایم کرلیتے تھے مگر اب یہ حالت نہیں رہی ہے کیونکہ اب تو ہندوستان میں دیگر مقامات کی طرح صرف تاجر، ایجنٹ یا وہ ملازمان کمپنی دولت پیدا کرلیتے ہیں جن کا خاص مدعا صرف روپیہ پیدا کرنا ہے لیکن یہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ گذشتہ چالیس سال کے دوران میں جن لوگوں نے ناموری حاصل کی ہے ان میں سے کسی ایک شخص کے پاس بھی اس قدر دولت موجود نہیں جسے اس کی ناموری کا خاص وسیلہ کہا جا سکے اور ان میں سے اکثر نے تیس سال تک ملازمت کرلنے کے بعد بھی دولت نہیں پائی ہے۔ اس کی وجوہ ظاہر ہیں کہ برسوں ملازمت کرلنے کے بعد بھی بہت کم اشخاص اعلیٰ عہدوں پر

---

[1] لارڈ میکارٹنی ۱۷۸۲ء میں فورٹ سینٹ جارج کا گورنر مقرر کیا گیا اور رعایائے برطانیہ میں یہ پہلا شخص ہے جو کمپنی کا ملازم نہ تھا اور جس کا تقرر ایسے اعلیٰ عہدہ پر کردیا گیا۔

باب ۹

پر پہنچتے ہیں۔ اس وقت ان کی تنخواہ[1] اگرچہ معقول ہوتی ہے لیکن اس قدر زیادہ
نہیں ہوتی کہ اگر وہ کوشش کریں تو بہت سا روپیہ بچالیں۔ ان کے فرائض کچھ
(۸۹) ایسی نوعیت کے ہوتے ہیں جس سے ان کا خیال روپیہ جمع کرلنے سے کہیں زیادہ بلند
ہوجاتا ہے اور ہندوستان کے اعلیٰ ملازموں میں یہ بلند خیالی نہایت دانشمندی کے
ساتھ برابر قائم رکھی جاتی ہے کیونکہ ملازمت کی وقعت[2] ان ہی کی مثال پر قائم ہے
جن لوگوں کو مقامی تجربہ اور معلومات حاصل ہیں ان کی بابت ہم جو کچھ بیان کرچکے
ہیں وہ اس امر کا بین ثبوت ہے کہ ان کو حکومت ہند کے اس شعبے میں ملازمت
نہیں مل سکتی ہے جن کا تعلق تاج برطانیہ سے ہے لیکن اگر مفاد عامہ کا لحاظ کیا جائے
تو جن وجوہ سے کہ وہ اپنی اس تمنا سے محروم رہتے ہیں انھیں کے باعث ان
کی یہ آرزو پوری ہونی چاہیئے۔ محکمۂ بحریہ میں مجلس نگراں کے ارکان کو اعلیٰ افسر
مقرر کرلنے کی بجائے امرا کے تقرر کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر کسی
زمانے میں اس کا رواج ہوگیا تو اس کے قواعد بیشمار ہونگے۔ علاوہ اس بیش قیمت
اعانت کے جو وزیر ہند کو ہندوستانی ملازمت کے موزوں عہدے دار سے
ملیگی ولایت میں اس اعلیٰ مرتبہ پر پہنچنے کی امید ہی انھیں یہ ترغیب دے گی کہ وہ
ہندوستان کی ملازمت کے دوران میں اپنی قابلیت کے جوہر دکھائیں؛
جن اشخاص کو یہ اعزاز نصیب ہوگا وہ خود واقفیت حاصل کریں گے

[1] اول درجہ کے پولٹیکل رزیڈنٹ کی تنخواہ ۳۵۰۰ پونڈ سالانہ سے زیادہ نہیں ہوتی ہے جو ہندوستان
میں اعلیٰ درجہ کا عہدہ ہے۔ اور اگرچہ ایک حد تک اسکے مصارف ادا ہو جاتے ہیں لیکن اس کا خرچ
۱۰۰۰ پونڈ سالانہ سے کم نہیں ہوتا ہے جس سے وہ بمشکل ۲۵۰۰ پونڈ سالانہ بچا سکتا ہے اور
یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس عہدہ پر وہ بیس پچیس سال کی ملازمت کے بعد پہنچتا ہے؛

[2] جو حضرات کہ ہندوستان کے مقامی حالات سے بے خبر ہیں انھیں اس اعلیٰ معیار زندگی
کی اہمیت سمجھانا دشوار ہے جو ہندوستان میں اعلیٰ سیاسی خدمات پر مامور ہونے والوں
کو قائم رکھنا پڑتا ہے اور یہ فارسی مقولہ ہماری سلطنت سے زیادہ کسی اور سلطنت پر چسپاں نہیں ہوتا
کہ اگر بادشاہ وقت ایک انڈا لیگا تو اس ملک میں ایک بھی مرغی سلامت نہیں رہیگی؛

اور دوسروں کو اپنی معلومات سے مستفید کریں گے۔ انھیں نام و نمود حاصل کرنے کا موقع ملیگا جس سے انھیں آئندہ بھی ترقی میسر آئیگی۔ اگر وہ اس کے قابل ہونگے
(۹۰) تو وہ اس مرتبہ پر پہنچیں گے وہاں پہنچکر انھیں اس بات کے مواقع حاصل ہونگے کہ وہ ہندوستان میں حاصل کی ہوئی معلومات کو قایم رکھیں اور اس میں مزید اضافہ کریں اور روزمرہ وہ ان اصحاب کو کارآمد اطلاعات اور مشورہ دیں جن کے ہاتھ میں ہندوستان کے اہم مسائل کا طے کرنا ہوتا ہے؛

مجلس نگراں کے صدر اور ارکان کو اکثر کمپنی کے ملازمان مقیم انگلستان سے معلومات اور مشورہ طلب کرنا پڑتا ہے ان سے ایسے مسائل کا فیصلہ کرایا جاتا ہے جو مختلف حالات اور واقعات سے تعلق رکھتے ہیں جن کی بابت انھیں کسی قسم کی معلومات نہیں ہوتی ہیں۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہماری سلطنت ہند کی حالت اپنی نوعیت کے لحاظ سے ہمیشہ قابل تبدیل رہتی ہے۔ بعض وظیفہ یاب اشخاص اپنی عادت یا وسائل میسر نہ آنے کے باعث اپنی معلومات کو محفوظ نہیں رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ چند ہی سال میں بے مصرف ہو جاتے ہیں اور جو خیالات ان کے قائم ہوچکے ہیں اس پر وہ سختی سے جمے رہتے ہیں۔ اس لئے ان شہرت یافتہ حضرات کا پورا احترام ملحوظ رکھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری رائے میں یہ لوگ اکثر گمراہ کن مشیر ہوتے ہیں۔ لہذا ان کی سابق عزت اور بڑے نام سے دھوکا کھا کر ان کی رائے پر عمل کرنا نہایت ہی مضرت رساں ہوگا؛

(۹۱) اس لئے مجوزہ تدبیر کو اختیار کرنے سے نقص رفع ہونے کے علاوہ اور بھی فوائد پہنچیں گے۔ اس کی بدولت اس قسم کے لوگ تیار ہونے کا ایک سلسلہ قایم ہوجائیگا جنھیں وسیع معلومات حاصل ہونگے اور جو اپنی قابلیت اور خاطر خواہ مواقع سے دوسروں کو مستفید کرسکیں گے کوئی عمدہ سلطنت اپنے ہر معاملے کو پوشیدہ یا صیغۂ راز میں رکھنے کی خواہش نہیں کرسکتی ہے ایسی خواہش صرف وہی سلطنت کرسکتی ہے جو اپنی کمزوری اور بدانتظامی کو چھپانا چاہتی ہے۔ ہم نے جس قسم کی حکومت ہندوستان میں قائم کی ہے اس کے حالات کی اشاعت نہایت سود مند ہے کیونکہ اس سے ان عہدہ داروں کی حوصلہ افزائی ہوتی

باب ۹

ہے اور ان پر ہمارا دباؤ رہتا ہے جو وہاں کے نظم ونسق پر مامور ہیں۔ لیکن وہاں کی حقیقی حالت اور وہاں کے واقعات کی نوعیت مفصل طور پر پبلک کے روبرو پیش کرنی چاہیئے تاکہ ہمارے ان منصفانہ دانشمندانہ اصولوں کو سمجھا جائے اور انکی قدر کیجائے جن پر کہ ہم وہاں کی سلطنت کو چلارہے ہیں۔ اس اصول کے متعلق ہم نہایت افسوس کے ساتھ کہتے ہیں کہ پارلیمنٹ میں شاذ و نادر ہی ہندوستانی مسائل پر سرگرمی کے ساتھ بحث ہوتی ہے۔ وہاں کے مالی معاملات کی بابت دارالعوام میں سالانہ موازنہ پیش ہوا کرتا تھا یہ بھی اب موقوف ہوگیا ہے۔ یہ کارروائی شاید کچھ تکلیف دہ تھی اور غالباً وزراء تاج برطانیہ کو گاہے ماہے چند پریشانیاں لاحق ہوتی تھیں لیکن اس کے منسوخ ہو جانے اور ہندوستان کے حالات سے بے خبر رکھنے کا نتیجہ ہندوستان کے حق میں اور اسی وجہ سے خود برطانیہ کے لئے مضرت رساں ہے۔ جن وجوہ سے کہ گذشتہ کارروائیاں عمل میں آئی ہیں ان کے متعلق رائے زنی کئے بغیر (۹۲) یہ کہا جاسکتا ہے کہ جو اصحاب انگلستان میں سرکاری عہدوں پر مامور ہیں اگر انھیں ہندوستان کے متعلق ذاتی معلومات کے علاوہ انگلستان میں ہندوستان کے معاملات کی بابت براہ راست اور مستند معلومات حاصل کرنے کا موقع ملے تو وہ نہ صرف غلطیوں کو رفع کرسکیں گے بلکہ غلط بیانیوں کی بھی تردید کرسکینگے اور بوقت ضرورت وہاں کے متعلق نہایت کارآمد معلومات بہم پہنچا سکینگے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نظماء کمپنی کے عمال کے مقابلے میں زیادہ تر ہندوستان کے اعلیٰ درجے کے سول اور فوجی عہدوں پر ایسے اصحاب کو نامزد کرتے ہیں جنھوں نے کوئی خاص امتیاز انگلستان یا مشرقی جزائر یا یورپ کے کسی حصے میں حاصل کیا ہے۔ باہر کے ملازموں کا عام طور پر یہی خیال ہے لیکن فی الحقیقت یہ خیال کسی صحیح دلیل پر مبنی نہیں ہے۔ بادشاہ سلامت کے وزراء عموماً ایسے تقررات کو نامنظور کردیتے ہیں اگرچہ اس میں بھی کوئی شک نہیں ہوسکتا ہے کہ اکثر کامیابی چنداں دشوار نہیں ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو عہدے دار قریبی مقامات پر نمایاں خدمات انجام دیتے ہیں انکی پبلک مدح سرائی کرتی ہے اور اس کا اثر نظماء پر بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح جن لوگوں کو وہ انگلستان کی اعلیٰ سوسائٹی میں دیکھتے ہیں یا

باب ۹ ان سے خود ملتے ہیں ان کی وقعت لازمی طور پر ان لوگوں کے نزدیک ان امیدواروں
(۶۳) سے زیادہ ہوتی ہے جنھیں وہ خود نامزد کرتے ہیں۔ چونکہ یہ اکثر و بیشتر انھی کے بنائے ہوئے ہوتے ہیں اس لئے وہ انھیں اپنے سے کم تر بھی سمجھتے ہیں اور بعض دفعہ انھیں وہ عادات و خصائل نمایاں نہیں ہوتے جو اعلیٰ عہدے کے لئے ضروری خیال کئے جاتے ہیں۔ اس لئے وہ محض بہ حیثیت ماتحتوں ہی کے مفید سمجھے جاتے ہیں اور اسی بنا پر ان کی خدمات کی قدامت کے لحاظ سے بھی انھیں اعلیٰ عہدوں کے لئے نامزد نہیں کیا جاتا۔ مثلاً کمپنی کے کسی ملازم کو کبھی کوئی اعلیٰ فوجی خدمت نہیں دی گئی۔ اگرچہ اس مسلک کا جاری رکھنا ہندوستانی فوج کی توقعات کے حق میں سم[۱] قاتل ہوگا؛

کمپنی کی ملازمت سے خواہ کیسے ہی فوائد حاصل کیوں نہ ہوں اور اگرچہ تعداد و مقدار دونوں کے لحاظ سے وہ کم نہیں ہیں تاہم جو اصحاب کہ ناموری کے متمنی ہیں وہ اس انتظام کے ضرور مخالف ہیں کیونکہ وہ اسے اپنی آئندہ ترقی کی توقعات کے حق میں مضرت رساں سمجھتے ہیں۔ اعلیٰ ظرف اور بے لوث اشخاص خود غرضی کو صرف اس حد تک ترک کرسکتے ہیں جہاں تک عام مفاد کے لئے اس کا ترک کرنا ضروری ہو لیکن اس قسم کی مثالیں بھی شاذ ہوتی ہیں اور عموماً انسانی خصلت و فطرت میں بھی یہ بات داخل ہے کہ ایسی برسر حکومت جماعت کی مخالفت کی جائے جس کے متعلق یہ خیال

۱؎ مسٹر پٹ کے قانون کے بعد سے کمپنی کی فوج میں سے کوئی فرد واحد بھی سپہ سالار اعظم کے عہدے کے لئے منتخب نہیں کیا گیا ہے۔ ایک موقع پر مجلس نظما نے اس ناانصافی کو رفع کرنیکا تہیہ کر لیا اور اپنے ایک نہایت قدیم افسر کا نام پیش کیا جس نے نہ صرف سالہا سال تک خدمات انجام دی تھیں بلکہ جس کا کیرکٹر بھی نہایت واجب الاحترام تھا لیکن جو اعتراضات اس سفارش پر کئے گئے وہ منصفانہ اور ناقابل تردید تھے۔ اس مجلس میں ایک صدر نشین اور ایک سینیر ناظم ہوتا تھا اور اگر سینیر ناظم علالت یا کسی اور سبب سے کچھ عرصے تک غیر حاضر رہتا تو اسکی جگہ پر اس سے دوسرے درجہ کا سینیر ناظم مامور کردیا جاتا تھا؛

باب ۹
۱۹۴۷ء

ہوتا ہے کہ اپنی عادت یا بے بسی سے وہ ہماری ترقی میں مدد نہیں دے سکتی ہے۔
مسٹر پٹ (Mr. Pitt) کے قانون سے اگرچہ کمپنی کے تجارتی مسائل کے علاوہ نظم ونسق کے ہر شعبے میں مجلس نظماء وزراء کی زبردست بن گئی تاہم اس قانون سے ان کے انتخاب کی نوعیت اور ان کے فرائض منصبی کی ادائیگی کے طریقے میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی لیکن اس قانون اور اس کے مابعد ایک قانون کی رو سے ایک نہایت اہم شعبۂ راز وسیاسی ان کے ہاتھ سے بالکل نکال لیا گیا۔ موجودہ نظام حکومت کی تنظیم کے یہ نہایت اہم حصے تھے اور اس لئے انھیں اچھی طرح سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔
دیسی والیان ریاست سے صلح وجنگ کے مسائل کی بابت جملہ اقسام کی سیاسی گفت وشنید جن میں رازداری کی ضرورت تھی مجلس نگراں کے ذمے تھی اور اسے ان مسائل کی بابت سرکاری مراسلے تیار کرنے کا قانون کی رو سے اختیار حاصل تھا اور ان مراسلوں کو مجلس راز دار اپنے دستخط سے ہندوستان روانہ کر دیتی تھی۔ یہ مجلس ان ہدایتوں کی زبانی یا تحریری مخالفت کرتی تھی جنھیں وہ اپنی رائے کے خلاف تصور کرتی تھی لیکن اس مجلس کو البتہ عام سرکاری مراسلوں کی طرح ان معاملات میں (۹۵) یہ استحقاق قانوناً حاصل نہ تھا لہذا اس عملدرآمد کو محض اخلاق ورواج پر محمول کرنا چاہیے۔
مجلس راز دار کو سیاسی اور رازداری کے شعبوں کے احکام کی تعمیل کرانے کا درمیانی وسیلہ اس غرض سے قرار دیا گیا ہے تاکہ کمپنی کا وقار ہندوستان میں قائم رہے کیونکہ اگر مجلس نگراں براہ راست حکومت ہند سے سرکاری مراسلت کریگی تو اس سے کمپنی کے وقار کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے مجلس راز دار کو ان مراسلوں پر دستخط کرنا جبکہ وہ اس کی رائے کے خلاف ہوں پارلیمنٹ کے ایک

لہ عام سرکاری مراسلے مجلس نظما تیار کرتی اور انڈیا بورڈ انھیں منظور کرتا یا ان میں ترمیم کرسکتا تھا۔ اگر انڈیا بورڈ کی درخواست پر مجلس نظما سول یا فوجی مسائل کی بابت مراسلے تیار کرنے میں تاخیر کرتا تو بورڈ مراسلے خود تیار کرنے کا مجاز تھا البتہ یہ مراسلے بعدازاں مجلس نظما روانہ کرتی تھی۔

باب ۹ قانون کی رو سے محض ایک عاملانہ کارروائی ہے اگرچہ اسے قانوناً یہ حق حاصل نہیں کہ وہ مجلس نگراں کے مراسلوں میں ترمیم کر دے یا ان کی روانگی میں تاخیر کرے تاہم چونکہ وہ سلطنت ہند کے ایک شعبہ کی افسر ہے اور اس حیثیت سے مجلس نگراں کی اہم تجویزوں کے جزوی معاملات میں مدد دینے یا ان میں رکاوٹ پیدا کرنے کے جو وسائل اسے حاصل ہیں ان کی وجہ سے یہ بات ضروری ہے کہ مجلس مذکور اس کو اپنا ہم خیال بنائے اور اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرے اس کے ساتھ ہی مجلس راز دار پر واجب ہے کہ ایسے معاملات میں اپنے ارکان کی عقل اور معلومات کے مطابق مجلس نگراں پر اپنا اثر ڈالے ؛ (۹۶)

بہر حال یہ بات بھی قابل تذکرہ ہے کہ اس مجلس کو اپنی اختلافی رائے ظاہر کرنے کا جو استحقاق اخلاقاً یا رواجاً دیا گیا ہے اس کی وقعت، سلطنت ہند کے دیگر شعبوں کی طرح اس کے معتدل اور گاہے ماہے استعمال کرنے پر منحصر ہے کیونکہ اسے بار بار کام میں لانے سے بجائے منفعت کے پریشانیاں لاحق ہونگی لیکن بورڈ کو جو اختیارات حاصل ہیں ان میں ہارج ہونے یا انھیں کمزور کرنے کے بجائے اگر مجلس راز دار اس کی اعانت کریگی تو اسی اصول کے بموجب بورڈ بھی معمولی مسائل میں مداخلت کرنے سے گریز کریگا ۔ بورڈ کے قائم ہونے کے بعد سے نگرانی کا استحقاق بہت زیادہ استعمال کیا جاتا ہے ۔ مختلف وجوہ سے اس کی ضرورت پیش آئی ہے اور اکثر معاملات میں اس کا اثر سودمند بھی کہا جاسکتا ہے ۔ لیکن اُن عظیم الشان خرابیوں کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے جو اس طرح کی مسلسل دست اندازی سے پیدا ہو سکتی ہیں ۔ اگر ہر ایک معمولی مسئلہ میں بھی بورڈ مداخلت کرنے لگے اور اپنے صدور حکم کے حق کو بار بار کام میں لائے گا تو مجلس نظما یا اس کے احکام کی تعمیل کا درمیانی وسیلہ ہو کر رہ جائیگی یا بورڈ کی وقعت کم ہو جائیگی اور پھر اس جذبے اور خوش فہمی کا خاتمہ ہو جائیگا جسے ان دونوں حکمراں شعبوں میں قائم رکھنے کی اشد ضرورت ہے ۔ اس صورت میں حکومت ہند کی موجودہ شکل کے نتیجے کی بابت مسٹر برٹ کی پیشین گوئی کے پورا (۹۷)

۱ے مسٹر برٹ نے فرمایا تھا کہ مجلس نظما کو جو فی الحقیقت غور و خوض کے بعد عمل کرتی ہے کسی

باب ۹

ہونے کا احتمال ہے اور اس کے مختلف شعبوں کے عمال اپنی نیکی، اعتدال پسندی اور اپنے علم و فضل سے اس اندیشے کو رفع کر سکتے ہیں۔ جب نگران کار بورڈ پہلی بار قائم ہوا تھا اس وقت مختلف صوبوں کے تمام خطوط میں ہر ایک مسئلہ درج ہوتا تھا لیکن پھر اس میں تبدیلی ہو گئی۔ سرکاری مراسلت عامہ، مال، فوج، تجارت کے چار شعبوں میں تقسیم کر دی گئی اس جدید انتظام کی سہولت کو حکومت اعلیٰ نے تسلیم کر لیا اور اس کی تجویز سے ان چار شعبوں میں پانچواں شعبہ سیاسیات اور شامل کر دیا گیا جس میں ہندوستان کے والیان ریاست اور انگریز حکام سے ہر قسم کی مراسلت داخل تھی صرف صیغۂ راز کی ملازمت اس سے علیحدہ تھی۔

مجلس نظما اپنے مختلف فرائض انجام دینے کے لیے قدیم رواج کے بموجب اپنے کو مختلف قسم کی ذیلی مجلسوں میں تقسیم کر لیتی تھی اور یہ تقسیم افراد کی قابلیت یا موزونیت کے اعتبار سے نہ تھی بلکہ محض معیار قدامت پر کی جاتی تھی۔ (۹۸)

اعلیٰ نظما میں سے صدر نشین منتخب کیا جاتا تھا سب سے زیادہ اہم ذیلی مجلس مراسلات کی تھی جس میں بشمول صدر نشین نائب صدر گیارہ اعلیٰ ناظم تھے اس ذیلی مجلس کے ذمے صیغۂ راز اور شعبۂ تجارت کو مستثنےٰ کر کے ہندوستان کے جملہ مراسلات کو پڑھنا ان پر غور کرنا اور ان کا جواب تجویز کرنا تھا۔ تقریباً سارے اہم تجاویز یہی پیش کرتی اور اکثر معاملات میں اسی کی رائے مجلس نظما کو مشعل ہدایت کا کام دیتی تھی۔

عموماً ایک ناظم اپنے انتخاب سے دس سال بعد مجلس مراسلات کا رکن ہو سکتا تھا اس سے قبل اس کا تعلق کسی ادنیٰ ذیلی مجلس سے رہتا تھا اور

بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ۔ ایسی مجلس کے ساتھ ملا کر رکھنے کی تجویز جو حقیقتاً نگرانکار ہو ایک ایسی تنظیم ہے جو صرف چند روز تک چل سکتی ہے یا تو نظما محض محرر ہو کر رہ جائیں گے اور یا کبھی تدبیر اور کبھی غفلت سے وزیر ہند ہر ایک کام انہی کے سپرد کر دینگے جیسا کہ اس وقت تک ہوتا رہا ہے اگر ان دونوں کا اثر سرگرمی پر پڑا تو اس کا انجام باہمی مخالفت، کام میں تعویق و تاخیر اور بد ابتری ہو گی۔

باب ۹ اس کا سارا وقت تفصیلات کے متعلق اپنے فرائض ادا کرنے میں صرف ہوتا تھا اور
ان اہم مسائل سے اُسے کوئی سروکار نہ ہوتا تھا جو ہندوستان کے عام نظم و نسق
سے متعلق ہوتے تھے البتہ وہ مسائل مستثنیٰ تھے جن کی بابت مجلس نظما میں زور و شور
سے بحث و مباحثہ ہوتا تھا۔ یہ بھی درست ہے کہ مجلس نظما کے ہر ایک رکن کو کاغذات (البتہ
صیغہ راز کے نہیں) طلب کرنے اور تجاویز پیش کرنے کا استحقاق حاصل ہے لیکن وقت
پیدا ہونے کے خیال سے یہ اس استحقاق پر شاذ و نادر ہی عمل کیا جاتا ہے چونکہ مختلف
شعبوں سے بعض مسائل کو علٰحدہ کرنے میں ضرور مشکلات حائل ہونگی۔ لہذا ان مشکلات (۹۹)
کے احساس سے خاموشی اختیار کر لی جاتی ہے جو سود مند ہوتی ہے؛

جس طور پر مجلس نظما کے فرائض بحالت موجودہ مقرر کئے گئے ہیں اس سے صاف
ظاہر ہے کہ ایسے شخص کے انتخاب سے پبلک کو کوئی سیاسی فائدہ نہیں پہنچتا ہے جس
نے ہندوستان میں ملازمت کی ہے اور جسے وہاں کی حقیقی حالت کے متعلق نہایت
بیش قیمت معلومات حاصل ہیں کیونکہ مجلس نظما میں داخل ہونے پر اسے ایسے فرائض انجام
دینا ہوتے ہیں جو اس کی گزشتہ زندگی کے خدمات کے بالکل برعکس ہوتے ہیں اور
جب قدامت کے باعث وہ ترقی کر کے مجلس مراسلات یا مجلس راز دار کا رکن
ہو جاتا ہے تو اس وقت اس کے پاس وہ تازہ اور خفیہ معلومات نہیں ہوتے ہیں
جنھیں وہ کام میں لاتا اگر اُس کا مسلسل تعلق ان واقعات سے رہتا لیکن ہٹ دھرمی
سے وہ اپنے پرانے خیالات پر جما رہتا ہے جن میں سے بہت سے بالکل فرسودہ
ہوتے ہیں۔ ان واقعات میں دم مارنے کی مجال نہیں ہو سکتی ہے اور اس سے یہ نتیجہ
نکلتا ہے کہ شاذ و نادر ہی کسی قدیم ناظم کو ہندوستان کے معاملات اور وہاں کی
سیاسی حالت کی صحیح اور تفصیلی معلومات حاصل ہوتی ہیں البتہ معتمدوں اور صدر محرروں
کو یہ معلومات حاصل ہوتی ہیں جن میں سے بہت سے نہایت جفاکش اور قابل ہیں
یہ لوگ معلومات کے خاص حامل ہیں لیکن ان پر بھی وہی اعتراض وارد ہوتا ہے جو
مجلس نظما کی ترتیب پر کیا جاتا ہے۔ بہت سے وجوہ ایسے ہیں جن سے مجلس نظما کی (۱۰۰)
کارروائیوں کی نوعیت مذبذب ہو گئی ہے اور جن کی بدولت بہت سے اہم معاملات
خراب ہو جاتے ہیں یا معرض التوا میں پڑ جاتے ہیں لیکن ان میں نہایت نمایاں سبب

باب ۹

یہ ہے کہ ہر ایک صدر نشین بہت کم مدت تک اپنے عہدے پر رہتا ہے۔ اس دوران میں اس کے پاس بے شمار کام ہوتے ہیں اور ان کا بڑا حصہ یا تو عجلت کے ساتھ طے کیا جاتا ہے یا اپنے جانشین کے لئے ادھورا چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ایسی حالت میں بہت ممکن ہے کہ اکثر معاملات زیر غور میں اس کی رائے مختلف ہو لہذا اس طور سے ہم ان کی رایوں میں فوری اور بار بار تبدیلی ہونے کا اور اضافہ کرتے ہیں کیونکہ ہر سال اس مجلس کے چھ ارکان چلے جاتے ہیں اور چھ جدید ارکان منتخب ہو کر آتے ہیں۔ پرانے ناظموں کو اپنی مراجعت کے دوران میں سال بھر تک کسی سرکاری کاغذ کو دیکھنے اور اس پر رائے زنی کرنے کا کوئی حق نہیں ہوتا ہے۔ جب وہ اپنے کام پر واپس آتے ہیں تو مسائل زیر بحث سے قطعی نابلد ہوتے ہیں یا کم از کم وہ اس نقصان میں تو ضرور رہتے ہیں کہ وہ معلومات کا سلسلہ ٹوٹا ہوا پاتے ہیں؁

(۱۰۱) مجلس نظما کی حکومت اس لئے مشہور ہے کہ وہ قواعد کی نہایت سختی کے ساتھ پابند ہے اور رواج کے خلاف ہر ایک کارروائی کرنے سے ڈرتی ہے تاکہ آئندہ کے لئے رواج کی خلاف ورزی کرنے کی مثال قایم نہ ہو جائے۔ محدود اور غیر تغیر پذیر ریاستوں کے انتظام کے واسطے یہ نہایت عام اصول ہیں لیکن ان کی مسلسل

لہ یہ چھ سابق ناظم دوبارہ منتخب ہونے چاہئیں یہ گھر کے لوگ کہلاتے ہیں اور بجز غیر معمولی صورتوں کے ان کا دوبارہ انتخاب یقینی ہوتا ہے اس کی شدید ضرورت ہے کیونکہ ناظم کے عہدے کی وقعت بڑھانا مناسب ہے ورنہ اس کی عزت و رفعت بالکل گھٹ جائے گی۔ بہت سے قابل اور اعلیٰ تعلیم یافتہ اصحاب اپنی ابتدائی کوشش کی نوعیت کے باعث مجلس نظما کی رکنیت حاصل کرنے میں محروم ہو جاتے ہیں اگر ہر چھ سال بعد ہی کوشش کرنی ہوتی تو یہ مجلس بہت سے کارآمد ارکان کی خدمات سے محروم ہو جاتی اور رجوار کان برسر اقتدار باقی رہ جاتے اور اپنے فرائض بے غرضانہ ادا کرنے کے بجائے رائے دہندگاں کو راضی کرنے کی کوشش کرتے؁

باب۹ اور سخت پابندی ہندوستان کی سی سلطنت کی زندگی اور ترقی کے لئے سخت مہلک ثابت ہوگی جو اس کے سارے نظام حکومت میں جاری رہنی چاہئے۔ جو سرکاری ملازم نام و نمود حاصل کرنے کے خواہاں ہیں انھیں انعامات دیکر اور حوصلہ افزائی کرکے ان کی کوششوں کو کامیاب بنانے میں مدد کرنی چاہئے اور ان کے شریفانہ اشتیاق و تمنا کے ہر جذبے کو خوب بھڑکانا چاہئے۔ ایسی حکومت ہرگز واجب الاحترام نہیں ہوسکتی ہے۔ جو خاص قسم کی اشکال میں محصور ہوکر ناانصافی کی ملامت سے بچنے کی تو خواہاں ہو مگر سرگرم کوشش کا جذبہ نہ پیدا کرتی ہو۔ اس کی کارروائیاں منصفانہ اور فیاضانہ ہوسکتی ہیں لیکن جب تک کہ وہ اپنے زیر حکومت افراد اور جماعتوں کے عادات و خصائل کے مناسب حال نہ ہوں اور اس خاص سلطنت کی جلد جلد تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ وہاں کے حکام کی قابلیت اور سوز و نیت نہ ظاہر کرتی ہوں تو ایسی سلطنت کے حکام بہت جلد بدنام ہوجائینگے جو شخص کہ حالات سے باخبر ہے وہ اس سے ہرگز انکار نہیں کرسکتا کہ یہی حالت مجلس نظما کی ہے۔ انگلستان میں جو کوششیں اس مجلس کا وقار کم کرنے اور اسے ذلیل کرنے کی روزمرہ کی جاتی ہیں ان کا مقابلہ کرنے کے لئے اس مجلس کو اپنی قابلیت اور معلومات میں اضافہ کرنے کی اس قدر ضرورت نہیں ہے جس
(۱۰۲ قدر کہ اسے اپنے بیرونی ملازموں کے دل میں اپنی ہردل عزیزی قائم رکھنے کی حاجت ہے کیونکہ ان ملازموں میں سے اکثر اپنے ذاتی جذبات سے متاثر ہوکر کمپنی کی قوت کے خاتمے کے خواہاں ہوتے ہیں لیکن وہ اس بات کو نہیں سوچتے کہ اگر ایسا واقعہ ہوگیا تو اس سے برطانیہ عظمیٰ اور ہندوستان کو کیسے نقصانات پہنچیں گے۔

کسی قسم کی تجویز اصلاح کے تفصیلات بیان کرنے کا یہ محل نہیں ہے لیکن جو اصحاب کہ کمپنی کے برقرار رہنے کے خواہاں ہیں انھیں اطمینان رکھنا چاہئے کہ جو اصحاب اس کی تباہی کے متمنی ہیں وہ مجلس نظما کے نظام میں اس قسم کی تبدیلی کرنے کے بھی دشمن ہونگے جس سے کہ اس کا معیار بلند ہوجائے اور وہ اپنے روزافزوں فرائض کو خوش اسلوبی سے انجام دے سکتے یہ حضرات

باب ۹

اس کے تنزل ہی کو کامیابی تصور کرتے ہیں لیکن جو مجلس کہ ہندوستان پر حکومت کر رہی ہے اس کے اختیارات کم کرنا ایک شخص کو اس کے جسم کے ایک ایک انچ ٹکڑے کاٹ کر ہلاک کرنا ہے لہذا اس سے زیادہ مضرت رساں سلطنت ہند کے حق میں کوئی اور شئے نہیں ہو سکتی ہے۔ مجلس نظما کو اس کے جملہ حقوق و اختیارات کے ساتھ نہ صرف برقرار رکھنا چاہئے بلکہ اگر اُسے حکومت ہند کا کارآمد شعبہ بنانے کی خواہش ہے تو اس کا معیار بلند تر کر دینا چاہئے ورنہ اُسے بہت جلد ختم کر دینا ہی بہتر ہے۔ اس مسئلے کو سمجھنے کے واسطے اس کی حقیقی حالت کا معائنہ کرنا چاہئے۔ اس مجلس کی نوعیت میں عظیم الشان تبدیلیاں ہو چکی ہیں۔ مالکان کمپنی کے خیالات اور جذبات میں جو انقلابات پیدا ہو گئے ہیں وہ بڑھتے بڑھتے نظما تک پہنچ گئے ہیں۔ ایک جداگانہ ایوان تجارت قایم ہو گیا ہے جس نے بڑی حد تک کمپنی کی تجارت کو اپنے (۱۰۳) قبضے میں کر لیا ہے اور کمپنی کی باقی ماندہ تجارت بھی معرض خطر میں ہے۔ اس سے قبل ملازمان کلیتاً اسی کی چشم کرم کے امیدوار رہتے تھے اب انھیں اس کی چنداں حاجت نہیں رہی۔ اخباروں کی قوت یوماً فیوماً بڑھتی جاتی ہے لیکن وہ بھی اب کمپنی کے ہواخواہ نہیں ہیں۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان جملہ وجوہ سے عوام کی نظر میں مجلس نظما کی وقعت بہت کم ہو گئی ہے۔ ان کے علاوہ اس قسم کے اور بھی وجوہ ہیں۔ ایکٹ ۱۷۹۳ء و ۱۸۱۳ء کی رو سے جملہ ملکی و سیاسی اختیارات وزرا کو دیدیئے گئے۔ اس وجہ سے جو وقار کہ مجلس نظما کا تھا وہ جاتا رہا اور تجارت کے لئے جدید شاہراہیں کھولنے کی خواہش اور کمپنی کے اجاروں سے روز افزوں تنفر نے اسے اور بھی زیادہ بدنام کر دیا ہے اور ہندوستان میں نئی تجارت کھلنے سے یہ خواہش کم ہونے کی بجائے اور زیادہ ترقی کر گئی ہے جس سے پبلک مستفید ہوتی ہے لیکن چونکہ کمپنی کو غیر ملکی تجارت پر پورا قبضہ حاصل ہے اس لئے پبلک تجارت سے پورا نفع نہیں اٹھا سکتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کمپنی اب حکمراں جماعت نہیں رہی وہ صرف تجارت کی اجارہ دار ہے۔ اور اس لئے بحیثیت حکمراں جماعت کے اس کی جو توقیر تھی وہ جاتی رہی اور اس کی بدنامی بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ جو شخص کہ انگلستان کے دستور سے واقف ہے وہ مجلس نظما کے

باب۹ نظام میں ایسی تبدیلی کرلنے کی ہرگز خواہش نہیں کرسکتا جس کی روسے اس مجلس کا
(۱۰۴) رتبہ وزراء کے مساوی ہو جائے اور چونکہ نظما کے تعلقات اور ان کا عہدہ جداگانہ
نوعیت کا ہے اس لئے معاشرتی اور تجارتی زندگی میں بھی وزراان سے الگ تھلگ
رہتے ہیں اور یہ ایک حد تک مفید بھی ہے لیکن وزرا کا جو دباؤ ہے وہ محض اس
وقت برقرار رہ سکتا ہے جب کہ ساتھ ہی ساتھ ان میں قابلیت و کیرکٹر ہو اور معاملات
متعلقہ کی بابت انھیں مستند معلومات حاصل ہوں ورنہ اگر اسکا خاتمہ ہوا تو اسمیں کمی ضرور
ہوجائیگی اسکے ساتھ ہی مجلس نظما کا وقار عوام کی نظر میں گھٹا دینے سے اس کے ارکان
کی قابلیت اور کیرکٹر میں بھی ضرور کمی ہو جائیگی۔

جب صورت حال یہ ہوجائیگی اور پھر عالی خیال معزز حضرات ناظم کے عہدے
کے بہت کم متمنی ہونگے۔ بحالت موجودہ کمپنی کے لئے یہ امر نہایت دشوار ہے بلکہ
تقریباً ناممکن ہے کہ وہ نظام حکومت ہند کے ایک ضروری شعبہ ہونے کی حیثیت
سے اپنے وقار کو قایم رکھ سکے تاوقتیکہ اس کے نظام میں ایسی ترمیم نہ کردی جائے
جس سے نظما کا وقار پبلک کی نگاہ میں نہ بڑھ جائے۔ جو حضرات اس بات کے
خواہاں ہیں کہ مجلس نظما کو اس قسم کا وقار و امتیاز حاصل ہو انھیں اس کے حاصل
کرلنے کی خاطر خواہ کوشش بھی کرنی چاہیئے۔

کمپنی کے تجارتی اجارے کو محدود کردینے سے نظما کے انتخاب میں عظیم الشان
تبدیلیاں واقع ہوگئی ہیں: ناظم کے انتخاب کے لئے بجز اس کے کوئی اور شرط
نہیں ہے کہ وہ خاص مقدار کے حصص کا مالک ہو اور ذکور اور اناث رائے دہندگان
بیشتر ایسے ہیں جن کی حالت اور جن کا پیشہ اس امر کی ہرگز ضمانت نہیں ہوسکتا کہ وہ
اس عہدے کے لئے کسی موزوں شخص کو منتخب کریں گے۔ ابھی کچھ مدت پیشتر تک
(۱۰۵) اس قسم کے قیود موجود تھے جن کی رو سے سرکاری ملازم کا ناظم ہونا[1] ممنوع تھا خواہ

[1] ایک ذیلی قانون کی رو سے ایسے اشخاص ناظم منتخب نہیں ہوسکتے تھے لیکن اب یہ قاعدہ
منسوخ کردیا گیا ہے کیونکہ یہ قانون کے منشا کے منافی تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پیدل
افواج کے سپہ دار مقیم انگلستان ناظم منتخب ہوسکتے ہیں البتہ اس کے متعلق افسر آخر کیلئے

باب ۹

اسے حق انتخاب حاصل ہو۔ البتہ جو ملازمان انگلستان میں قیام کرنے کے لئے حکماً طلب کئے گئے ہوں وہ ناظم منتخب ہو سکتے تھے۔ یہ قیود اس تنگ دلی اور حاسدانہ جذبے پر مبنی ہیں جو کمپنی کے ابتدائی زمانے کی خصوصیت تھی لیکن اب یہ قیود موجودہ حالت کے لئے کسی طرح موزوں اور مناسب نہیں ہیں اور سلطنت انگلستان کے دستور کے قطعی منافی ہیں کیونکہ سلطنت کے ہر ایک شخص کا ایک عہدے سے ہٹنے کے بعد دوسرے عہدے پر تقرر ہو سکتا ہے اور یہ ایک دانشمندی کی بات ہے کہ جن لوگوں نے اپنی سابق ملازمت میں تجربہ اور قابلیت حاصل کی ہے اس سے حکومت فائدہ اٹھائے اور اگر انھیں سرکاری ملازمت نہیں ملے تو سرکاری مجلسوں کے ایسے مسائل پر رائے اور مشورہ دینے کے لئے وہ سرکاری طور پر طلب کئے جائیں جن کے متعلق اپنے گذشتہ تجربے اور معلومات سے وہ صحیح (۱۰۶) رائے قائم کر سکتے ہیں۔ لیکن وظیفہ یاب یا زیر رخصت ہندوستانی سول و فوجی افسران شاذ و نادر ہی ایسے مشورے کے لئے بلائے جاتے ہیں اور ساری دنیا پر غالباً ایسی کوئی اور حکومت نہیں مل سکتی ہے جسے اپنے فرائض کی نوعیت کے لحاظ سے اس قسم کی امداد کی ضرورت نہ ہو لیکن جب تک مجلس نگراں اور مجلس نظما کے نظام ترکیبی میں زبردست ترمیم نہ کی جائے اس وقت تک اس قسم کی امداد نہیں میسر آسکتی ہے جس سے کہ ملک کو بہت کچھ فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ یہ بہانہ مل سکتا ہے کہ ایسے افسران کو غیر ملکی خدمات کے سلسلے میں باہر جانا پڑتا ہے لیکن انگلستان کے سول اور فوجی محکموں کے ہر ایک افسر کی یہی کیفیت ہے اور ۱۷۹۶ء سے کمپنی کی ملازمت میں بھی یہی دستور تھا کہ فوجی کرنل انگلستان میں قیام کرنے کے مستحق تھے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا ہندوستان جانا اختیاری تھا۔

لہ انگلستان میں کئی عہدے اس قسم کے ہیں جن پر ہندوستانی فوج کے ملازم افسران مقرر کئے جا سکتے ہیں اور جن کی ملازمت معزز اور حکومت کے لئے نہایت کار آمد سمجھی جاتی ہیں۔

باب ہندوستان میں ہم نے جو سلطنت قایم کی ہے اس پر حکومت کرنے میں جس قسم کی روز افزوں دشواریاں پیش آرہی ہیں انھیں رفع کرنے کے لئے اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ ہم اپنے جملہ وسائل سے کام لیں لیکن تبدیلی کے لئے جو تجاویز پیش کئے گئے ہیں ان کی مخالفت کی حقیقی وجہ کے متعلق ہمیں اپنے کو دھوکا نہ دینا چاہئے۔ ان تجاویز سے بعض افراد اور جماعتیں خائف ہیں کیونکہ انھیں یہ اندیشے ہیں کہ ان سے ہمارے ذاتی مفاد کو نقصان پہنچیگا لیکن یقیناً یہ ان کی خام خیالی ہے۔ اس کا اثر بالکل برعکس پڑیگا کیونکہ انگلستان اور ہندوستان دونوں کے تجربہ کار اشخاص کے مل جانے سے وہ مضر تعصبات رفع ہو جائینگے جو دونوں جماعتوں کے دل میں ایک دوسرے کی طرف سے موجود ہیں اور جب صحیح معلومات اور منصفانہ اصول سے کام لیا جائیگا تو نظام حکومت کو جو موجودہ اصول پر مدت تک قائم نہیں رہ سکتا تقویت پہنچ جائیگی اور ایک حد تک وہ مستحکم ہو جائیگا

(۱۰۷) ہمارے ایشیائی مقبوضات کے نظم ونسق کے لئے اس اصول پر عملدرآمد ہونا اشد ضروری ہے کہ وہاں کے عمال حتی الامکان یورپین ہوں اور ان میں وہ تمام اوصاف موجود ہوں جو ہندوستان میں فرائض منصبی کو خوش اسلوبی سے انجام دینے کے لئے لازمی اور ضروری ہیں ہماری رائے میں اس کے مساوی کوئی اور خطرہ نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ ہندوستان کے متعلق یہ سمجھنے لگیں کہ یہی ایسا ملک ہے جس میں ہمیں اپنی زندگی بسر کرنی ہے اگر سرکاری ملازموں کے دل میں عام طور پر یہ خیال پیدا ہو گیا تو بالآخر یہ خیال انگلستان اور ہندوستان دونوں کے حق میں یکساں مہلک ثابت ہوگا۔ اس بات کو حکومت انگلستان اچھی طرح سمجھتی ہے اور ناجائز طور پر کسب زر کے وسائل کو اس نے نہایت خوبی کے ساتھ رفع کر دیا ہے جو ہمارے طرز حکومت کے خلاف تھا۔ اس نے ملازمت میں ایسے لوگوں کے داخلے میں سہولتیں پیدا کرنے کے لئے جنھوں نے چند سال تک سول یا فوجی خدمات انجام دیئے ہوں حال ہی میں زبردست انتظامات کر دئے ہیں لیکن ان انتظامات کا ایک اثر یہ ضرور ہوگا کہ بہت سے اصحاب کو (جن میں سے اکثر نوعمر ہیں)، اپنی باقی زندگی معمولی تنخواہ پر بسر کرنی ہوگی تاوقتیکہ انگلستان یا ہندوستان میں ملازمت کی

باب ۹

خواہش کے لئے کچھ اعلیٰ مقاصد نہ پیش کئے جائیں[1]۔

جب قابل اور تجربہ کار اشخاص انگلستان میں اس مقصد کے حصول کے واسطے کوشش کریں گے تو انکی تنگ خیالی بہت جلد رفع ہو جائیگی اور ان کے کار آمد ہونے (۱۰۸) میں جس قدر اضافہ ہوگا اسی قدر ان کی عزت و توقیر کا دائرہ وسیع ہوتا چلا جائیگا[2]۔

اپنے وطن کے ساتھ انھیں قومی ہمدردی پیدا ہو جائیگی اور ان کے کیر کٹر کے اثرات دوسروں میں بھی ہمدردی کا یہی جذبہ پیدا کر دینگے جو ایسے عاقلانہ اور مصلحت آمیز تجاویز کی نہایت مستعدی کے ساتھ تائید کرینگے جو ایسے اصحاب کے نام سے وابستہ ہونگے جن کی عزت کرنے اور جن پر اعتبار رکھنے کے وہ مدت دراز سے خوگر ہیں۔

بعض اصحاب کی رائے میں تعصبات دور کرنے کا یہ بہترین طریقہ ہے اور اس سے بیشک وطنی ہمدردی بھی پیدا ہو جائے گی۔ لیکن یہ حضرات اس تجویز کو سنکر بہت متحیر ہوتے ہیں کہ جن لوگوں نے باہر ملازمت کی ہے ان کے واسطے

---

[1] جو فیاضانہ تجاویز گزشتہ ایام میں اختیار کی گئی ہیں ان کی رو سے ترقی جلد جلد ہوتی ہے لیکن ہندوستان میں زیادہ مدت تک قیام کرنا جائز نہیں اور یہ تجاویز نہایت کار آمد ہیں لیکن ان کا فائدہ صرف اس مقام پر ختم ہو جاتا ہے مگر اس فیاضی سے جو ملازمتیں جاتی رہیں گی غالباً انھیں حاصل کرنے کی ضرورت محسوس ہوگی تاوقتیکہ قابل اشخاص کے روبرو یہ اعلیٰ مقصد نہ پیش کیا جائے کہ انگلستان میں واپس آجانے کا استحقاق حاصل ہو جانے کے بعد ہی وہ ہندوستان میں اپنے ملک کی خدمات انجام دیتے رہینگے۔

[2] بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان سے لوگ عام طور پر ایسی عمر میں واپس آتے ہیں جو کسی نئی ملازمت میں داخل ہونیکی بجائے آرام سے زندگی بسر کرنے کے لئے زیادہ موزوں ہوتی ہے لیکن واقعات سے اس خیال کی تائید نہیں ہوتی ہے کیونکہ ان کیلئے جو ملازمت تجویز کی گئی ہے اس میں کوئی نیا کام انھیں نہیں کرنا پڑیگا بلکہ جو کچھ وہ کر چکے ہیں اسی کا یہ ایک قسم کا کار آمد سلسلہ ہوگا۔

باب حکومت ہندوستان کے دونوں شعبوں میں ملازم ہونے کے لئے انگلستان میں سہولتیں
پیدا کر دی جائیں لیکن یہ اعتراض تنگ خیالی قابل الابطال اور بے نتیجہ دلائل پر مبنی ہے کیا کوئی
سیاسی سول۔ فوجی یا بحری افسر نصف یا پورا وظیفہ لیکر سلطنت کے کسی محکمے میں ملازمت
(۱۰۹) کے قابل اس وجہ سے نہیں سمجھا جاتا ہے کہ اس نے کسی خاص محکمے میں ملازمت کی
ہے یا آئندہ کسی موقعے پر ملک کو اس کی خدمات کی اس محکمے میں ضرورت پڑے گی!
کیا مختلف محکموں میں اس قسم کے لوگ نہیں موجود ہیں اور کیا بعض اوقات انھیں
ایسے فرائض نہیں ادا کرنے پڑے جبکہ وہ ایسے عمال کی رائے سے صرف اختلاف
کرتے ہیں بلکہ ان کی رائے کی مذمت کرتے ہیں جن کے ماتحت وہ بیشتر کام کر چکے
ہیں اور پھر بھی ان کی ماتحتی میں انھیں کام کرنا پڑیگا !۔ اس حقیقت سے انکار نہیں
کیا جا سکتا ہے اور کون شخص اس امر کا مدعی ہو سکتا ہے کہ حکومت ہند میں کوئی
ایسا قاعدہ ہے جو اس عملدرآمد کے خلاف ہے؟

بعض حضرات یہ دلیل پیش کرینگے کہ ہندوستان کی ملازمت چند آوردوں
کے لئے مخصوص ہے اور جو لوگ کہ اس سے مستفید ہوتے ہیں انھیں ہرگز افسوس نہ
کرنا چاہیئے اگر انھیں اپنے ملک میں سرکاری ملازمت نہ میسر آسکے۔ اور غالباً وہ
حضرات یہ بھی فرمائینگے کہ اگر انگلستان میں ملازمت ملنے کے لئے ان لوگوں کے
واسطے سہولتیں پیدا کر دی جائیں گی تو جن لوگوں کی اس طرح حق تلفی ہوگی انکی شکایت
درست ہے تاوقتیکہ ہندوستان کی ملازمت کا دروازہ ان کی تمنا پوری کرنے کے
لئے بھی نہ کھول دیا جائے۔ اگر ہندوستان کی ملازمت کے لئے انگلستان کے سرکاری
ملازموں میں جملہ اوصاف موجود ہوتے یا حکومت ہند کے اس شعبے میں جس کا انگلستان
سے تعلق ہے اس معلومات اور واقفیت کی ضرورت لاحق نہ ہوتی جو صرف ہندوستان
کے سرکاری عہدہ داروں کو حاصل ہے تو ایسی صورت میں یہ دلائل قابل وقعت
ہو سکتے تھے لیکن بعض چند افراد یا بعض جماعتوں کے حقوق اور مراعات کے خیال
(۱۱۰) سے اس اہم مسئلے کو طے نہ کرنا چاہیئے۔ یہ مسئلہ سلطنت کے مسلک کا ہے اور اس کا
قریبی تعلق ایک ایسی غیر معمولی سلطنت کے عمدہ انتظام کرنے اور اس کے قایم
رکھنے سے ہے جیسی کہ شاید ہی دنیا میں کبھی قایم کی گئی ہو۔ ان مقاصد کے حاصل کرنے

باب ۹ جن جو وسائل کہ ہم بہم پہنچا سکتے ہیں اور جن سے ہم کام لے سکتے ہیں ممکن ہے کہ ہم ناکام
ہو جائیں لیکن یہ ناکامی یقیناً میسر ہوگی اگر ہم ان مقاصد کے حصول کے لئے اپنی کوششوں
کو ان قواعد وضوابط سے محدود کر دیں گے جو چھوٹی چھوٹی نوآبادیات کے نظم ونسق
کے لئے معمولی طور پر اختیار کئے جاتے ہیں یا جو نہایت مشہور قومی سلطنتوں میں رائج
ہیں لیکن ان سلطنتوں اور ہندوستان کی حالت میں وہاں کی رعایا کے خصائل
وعقل نیز دستور واصول حکومت کے لحاظ سے بیّن فرق ہے کو

جو نوجوان کہ ہندوستان کی ملازمت میں داخل ہوتے ہیں ان کی تعلیم
آزاد خیالی کی ہوئی ہے اور غیر ملک میں ان کے سپرد ایسے کام ہوتے ہیں جن
سے ان میں فراخ دلی پیدا ہونی چاہیئے۔ اس کے ساتھ ہی مطلق العنان حکومت
کی کمزوریوں، نقائص اور مصیبتوں کا جو اندازہ انھیں ہوتا ہے اس سے لازمی
طور پر انھیں اپنے ملک کی آزاد حکومت کے ساتھ زیادہ ہمدردی ہونی چاہیئے۔
علاوہ ازیں شاید ہی کہیں اس قدر بڑی تعداد کو قومی مسلک میں وسیع مطمح نظر
پیدا کرنے یا حکومت کے مختلف شعبوں کے فرائض انجام دینے کے ایسے موقعے
حاصل ہوتے ہونگے۔ ان عہدے داروں کو دور دراز ممالک میں کام کرنا ہوتا
ہے جہاں کے باشندے زبان اور رسم ورواج میں یورپ کی قوموں کی مانند
ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ ان میں سے بعض عہدے دار شاہانہ
حکومت کرنیکے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں اور بعض سیاسی، سول، عدالتی، مالی یا فوجی عہدوں پر
مامور ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں اسطرح مختلف قسم کی خدمات انجام دینے سے ان میں مختلف قسم کی
خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں۔ لہذا اگر انگلستان میں ان کے لئے ملازمت کا
(111) دروازہ کھلا ہو تو وہ متضاد قسم کی خدمات انجام دے سکتے ہیں۔ کچھ اسباب
ایسے پیدا ہو گئے ہیں جن کی وجہ سے یہ لوگ انگلستان میں تمام ملکی خدمات سے
دور رکھے گئے ہیں۔ اس طرح انھیں جو ذاتی نقصان پہنچتا ہے محض اس کے
احساس ہی سے وہ حکومت کے خلاف آپس میں متحد ہو سکتے ہیں جس کے بجائے
دیگر وہ حامی ہوتے اور بالفرض محال ہندوستان کے قیام میں اگر کچھ تعصبات انکے
دل میں پیدا ابھی ہو گئے ہوں تو انگلستان واپس آنے پر وہ زیادہ عرصے تک

ب۹ قایم نہیں رہیں گے بشرطیکہ حوصلہ شکن اور مایوس کن واقعات کا انھیں سامنا نہ ہو اور پھر وہ مجبور ہو کر خاص قسم کے خیالات وجذبات رکھنے والی جماعت نہ بن جائیں اور انھیں ایک جدا گانہ فرقہ تصور نہ کیا جائے ۔ ان کی موجودہ حالت تقریباً اسی قسم کی ہے ۔ اور کوئی دانشمند شخص مفاد عامہ پر اس کے مضر اثرات پڑنے میں شک وشبہ نہیں کر سکتا ہے جن کو رفع کر لنے کے لئے ہندوستانی اور یوروپین معلومات کو ملا دینے کی ضرورت ہے اور یہ بات موثر طور پر اس وقت میسر آسکتی ہے جبکہ سرکاری ملازمت اور عام سوسائٹی میں ایسے اصحاب کو شامل کر لیا جائے جن کی عمر اگرچہ غیر ملک میں گذری ہے لیکن وہاں پر بھی ہر وقت اپنے ملک کی سود و بہبود کو ہمیشہ پیش نظر رکھ کر انھوں لنے خدمات انجام دی ہیں۔ ایسے لوگوں کے کار آمد ہونے کا انحصار مساوات پر ہے ۔ اس سے باہمی میل جول کو ترقی ہوگی اور وہ توجہ اور وقعت بھی پیدا ہو جائیگی جو ان حضرات کی رائے کی بابت لوگ آسانی سے قایم نہیں کرتے ہیں کیونکہ وہ انھیں اپنی قابلیت اور اپنے رتبے سے کمتر تصور کرتے ہیں

مجلس نظما قایم ہونے کے بعد وہاں کے اور انڈیا ہاؤس کے مختلف شعبوں کے معتمدوں اور صدر محرروں لنے حکومت ہند کی بہتری کے لئے جیسی جفاکشی اور دانشمندی سے کام کیا ہے اسے بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ ان حضرات
(۱ لنے فلاح عامہ کے لئے جیسی جفاکشی راست بازی اور قابلیت سے کام کیا ہے اس کی کوئی نظیر نہیں مل سکتی ہے ۔ ہماری مشرقی سلطنت کے سرکاری کاغذات کی ضخیم جلدوں میں سے ان حضرات لے جیسی بیش بہا معلومات اخذ کی ہیں وہ فی الحقیقت نہایت حیرت انگیز ہیں لیکن ان کی اس جانفشانی کا پورا فائدہ نہیں حاصل ہوتا کیونکہ اول تو انھیں ہندوستان کے متعلق مقامی معلومات وتجربات حاصل نہیں ہیں دوسرے ان کے حکام بالا کے روبرو جب معلومات پیش کئے جاتے ہیں تو وہ ان کی تفصیل کو پورے طور پر نہیں سمجھتے ہیں ۔ یہ حکام بشرط فرصت اگر توجہ بھی کرتے ہیں تو انھیں ایسے مسائل کی بابت طویل تحریریں پڑھنا ہوتی ہیں جن کے متعلق مقامی حوالے دیگر تفصیلات کا معلوم کرنا ناممکن ہو جاتا ہے اور آدمیوں

باب۹ متعاموں اور چیزوں کے ایسے نام ان تحریروں میں درج ہوتے ہیں جن سے ان کے
کان ناآشنا ہیں اور اس طرح وہ ان کے معنی سمجھنے سے بھی قاصر ہیں۔ اگر نظام حکومت
میں۔ کوئی ایسی ترمیم کردی جائے جس کے باعث ان حکام کو ہندوستان
(۱۱۳) کے متعلق زیادہ واقفیت حاصل ہو تو ایسی تبدیلی سے اس جماعت کو بیحد
فائدہ پہنچ جائیگا۔ جن لوگوں کو اپنی قابلیت پر بھروسہ ہے انھیں اس بات کے بیان
کرنے میں کچھ تامل نہیں ہو سکتا کہ انھیں کن کن ذرائع سے امداد ملی ہے اور جن لوگوں
کی جفاکشی اور قابلیت سے انھیں ناموری حاصل ہوگی ان کی ترقی کے لئے ان کا
تجربہ اور بے لوث فیصلہ نہایت سودمند ہوگا۔ یہ عہدے دار ہمیشہ مخالفوں کے
حملوں کے نشانہ بنے رہتے ہیں۔ اور انگلستان جیسی آزاد اور روشن خیال قوم میں
جو خوبیاں نظر آتی ہیں وہ اس قسم کے حملوں ہی کی بدولت ہیں کہ
ان کے مخالفین انھیں ہمیشہ ہوشیار اور سرگرم رکھتے ہیں۔ رائے عامہ کو
ان کی حمایت کرنی چاہیئے ورنہ ان کا وجود ہی باقی نہ رہ سکے گا۔ لیکن یہ رائے عامہ
نہ تو ارکان پارلیمنٹ کی تقریروں پر قائم ہونی چاہیئے جو اپنی فتح مندی کے لئے
بحث کرتے ہیں اور نہ اخبارات ورسائل کے متضاد مضامین پر۔ نہ ایسے لوگوں
کی بلند آہنگی میں جو کسی فوری جوش سے متاثر ہو کر شور کرتے ہیں اور نہ فلسفیوں کی تصانیف
سے جو ایسے خیالی ادارے قائم کرتے ہیں جن کے وسیلے سے بنی نوع انسان کی کایا پلٹ
ہو جائے گی اگرچہ ان میں سے ایک طبقہ بھی رائے عامہ کی نمایندگی نہیں کرتا ہے۔

لے مجلس نظما اور انڈیا ہاؤس کے ماتحت عہدے داروں کے فرائض منصبی انگلستان
کے ہر ایک دیگر عہدے کے فرائض سے بالکل جداگانہ قسم کے ہیں۔ کیونکہ اس کے ہر
شعبہ کے حاکم کو خاطر خواہ معلومات حاصل کرنے کے لئے اس قدر مطالعہ کرنا پڑتا ہے
کہ نہ وہ کسی اور موضوع پر کچھ سوچ سکتا ہے اور نہ دوسری قسم کا مطالعہ جاری رکھ سکتا
ہے وہ اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ان کے عہدے اور خدمات کی
نوعیت کے لحاظ سے ان افسران کا رتبہ بلند کردیا جائے۔ اس عزت افزائی سے جب انھیں اپنی
کوششوں کا صلہ ملیگا تو دوسروں کو بھی ترغیب وتحریص ہوگی جن سے ہر طرح سرکار ہی کو فائدہ پہنچیگا۔

تاہم رائے عامہ قایم کرنے میں ان سب کا اثر اور اعانت کام دیتی ہے اور تعلیم کی
اشاعت سے انھیں یوماً فیوماً زیادہ قوت حاصل ہوگی۔ بہرحال ہمیں یہ امید کرنی چاہیے
کہ ترقی علم کے ساتھ عوام میں قومی مسائل کے سمجھنے کی تمیز بھی آجائیگی اور اس وقت (۱۱۴)
عوام ملک کے جملہ اہم مسائل کو فرقہ بندی کے اصولوں، شخصی مفاد، جذبات اور
ان لوگوں کے نظریوں سے جدا کرکے جانچینگی جن کے شوق، جفاکشی، دانشمندی اور
سرگرمی کے عملی نتائج سے وہ بہترین معلومات حاصل کرتی ہے۔ اگرچہ بیشتر انگریزوں
میں یہ خاص وصف ہے کہ وہ حکومت کے ہر شعبے کی نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ
عزت کرتے ہیں لیکن بحالت موجودہ سوسائٹی اس بات کی توقع رکھتی ہے کہ ان
میں خاطرخواہ اصلاح ہونی چاہیئے لیکن اس قسم کی اصلاحات اور ترقیاں نہایت
احتیاط سے کرنی چاہئیں تاکہ نفع سے کہیں نقصان نہ بڑھ جائے۔ ہمیں یہ اصول قرار
دینا چاہیئے کہ ہر ایک ادارے کا حقیقی فائدہ اس بات پر منحصر ہے کہ وہ اس
قوم اور اُس حکومت کی مرضی کے مطابق ہو جس سے کہ اُس کا تعلق ہے اور اگر
ہم ان کے استحکام کے خواہاں ہیں تو جن کے فائدے کے واسطے ہم نے یہ ادارے
قایم کیئے ہیں ان کی قوت، کمزوری، تعصبات۔ خوبیاں، بُرائیاں الغرض اُن
کے جملہ اوصاف کے مطابق و مناسب حال وہ ہونے چاہئیں۔ ہماری آزاد
سلطنت کے ہر شعبہ کی کامیابی کے لئے معقول رائے عامہ کا اس پر اثر پڑنا نہایت
ضروری ہے لیکن ہندوستانی مسائل طے کرنے میں رائے عامہ نے بہت خفیف سی
توجہ کی ہے اس ملک پر بہترین طریقے سے حکومت کرنے کا مسئلہ نہایت دشوار
ہے اور جن مفاد پر اس کا اثر پڑتا ہے وہ بعید اور پیچیدہ ہیں۔ اس لئے بہت
کم حضرات نے اس پر غائر نظر ڈالنے کی تکلیف گوارا کی ہے۔ جب کمپنی کے حقوق
کی تجدید کی گئی اس وقت یہ سمجھ لیا گیا کہ یہ معاملہ کم از کم بیس سال کے لئے طے (۱۱۵)
ہوگیا۔ اگرچہ اس میعاد کے ختم ہونے کا زمانہ ابھی قریب نہیں آیا ہے جس سے
کہ اُن جماعتوں میں سرگرمی پیدا ہو جن میں میعاد معینہ ختم ہونے سے تصادم واقع
ہوگا تاہم اُس وقت کی آمد سے بیشتر اس مسئلہ کی پورے طور پر تحقیقات کرنے کی
اشد ضرورت ہے۔ چونکہ اس کے ساتھ قومی اہمیت کے عظیم الشان مسائل

باب ۹

والبستہ ہیں لہذا اس پر غور و خوض اور فیصلہ کرنے کا کام ایسے فریقین کے جنگ وجدال کے لئے نہیں چھوڑ دینا چاہیئے جو اپنے ذاتی اغراض سے متاثر ہو کر اپنے فوری مقاصد کے حصول کے لئے ہر قسم کے ذرایع جو اس وقت انھیں سمجھائی دینگے اختیار کرنے کے لئے آمادہ ہو جائینگے اور جس مسئلہ پر وہ فیصلہ کرینگے اس کی نوعیت اور اس کی خوبیوں سے وہ بالکل ناواقف ہونگے ؛

ان واقعات اور اصولوں کو مدنظر رکھکر جو ہم نے بیان کر دئے ہیں ہمیں ان محکموں کے متعلق نہایت ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہئے کہ جس غرض سے یہ قایم کئے گئے ہیں وہ ان سے کس طرح حاصل ہوسکتی ہے۔ یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ جس حکومت کی کچھ وقعت ہے اور جس میں کچھ مضرت بھی ہے اور جس پر بزور شمشیر حکومت کی جاتی اور جس کا وجود ہمیشہ تذبذب کی حالت میں ہے اس کے حق میں یہی بہتر ہے کہ یا تو کمپنی کا وسیلۂ حکومت قطعی توڑ دیا جائے یا اُسے وسیع مستحکم اور مستقل بنیاد پر قایم کر دیا جائے اس مسئلہ کا تصفیہ کرنے کے لئے ان فوائد کو بغور دیکھنے کی ضرورت ہے جو اس کو برقرار رکھنے سے حاصل (۱۱۶) ہوسکتے ہیں بحیثیت وسیلہ حکومت اس میں کیا نقائص ہیں۔ ان نقائص کو رفع کرنے کے لئے کیا امکانات ہیں کیا اس سے بہتر وسیلہ حکومت قائم کرنا قابل عمل ہوسکتا ہے۔ اور اگر مشرق کی یہ عظیم الشان سلطنت براہ راست ہمارے ملک معظم کے زیر نگیں کر دی جائے تو اس سے کیا نتایج مرتب ہونگے۔ الغرض ان سب امور پر غور کر لینا ضروری ہے۔ ان اہم مسائل کے متعلق اپنی رائے قایم کرنے میں سلطنت ہند کی عجیب و غریب نوعیت کو بھی ہرگز نظر انداز نکرنا چاہیے جس کی کوئی نظیر تاریخ عالم میں نہیں مل سکتی ہے۔ اس لئے وہاں کے آئندہ نظم ونسق میں جن مشکلات کے حائل ہونے کی توقع ہوسکتی ہے انھیں رفع کرنے کے لئے ہم مجبور ہیں کہ وہاں کی تاریخ کا بغور مطالعہ کریں اگرچہ اس سے جو تجربہ حاصل ہوگا وہ محدود ہے کیونکہ وہاں پر جو سلطنت کہ ہم نے قائم کی ہے اس کی کوئی مثال پچھلے فاتحین کی قایم کی ہوئی کسی سلطنت میں نہیں ملتی ہے۔ ان میں سے اکثر نے اُس ملک میں سکونت اختیار کر لی جسے انھوں نے فتح کیا

باب ۹ ان مسائل کی اہمیت کے لحاظ سے ان پر بحث کرنے میں ایک ضخیم جلد تیار ہو سکتی ہے اور اس کے اثر سے جو تبدیلیاں یورپ اور ہندوستان میں پیدا ہو جائینگی ان کا اس وقت اندازہ کرنا قطعی ناممکن ہے۔ اس لئے سر دست ہم صرف چند ضروری مسائل پر رائے زنی کر لیتے ہیں۔

(۱۱۷) کسی حکومت نے کبھی ایسٹ انڈیا کمپنی سے زیادہ منصفانہ اور مشفقانہ حکومت کرنے کا میلان نہیں ظاہر کیا ہے۔ اُس نے نہایت مستعدی کے ساتھ خرابیوں کو رفع کیا اور مقامی حکام کی ایسی کارروائیوں کی نہایت سرگرمی اور فیاضی کے ساتھ اعانت کی جن سے کہ اس وسیع ملک کے باشندوں کی فلاح متصور ہو۔ لیکن کمپنی کو اپنی مالی حالت کو ترقی دینے کا بڑا شوق ہے اور اس لئے اپنے ملازمان کو اس نے ہدایت کی ہے کہ وہ اس معاملے میں نہایت جوش اور سرگرمی سے کام کریں جو ملک کی مرفہ الحالی کے حق میں سودمند نہیں ہے۔ بعض صوبوں سے بہت زیادہ مالگزاری وصول کی گئی ہے لیکن اس خواہش کے پورا کرنے میں کسی طرح کا ظلم اور ناانصافی نہیں کی گئی ہے۔ اس اصول پر عملدرآمد ہونے کے باعث حکام انگلستان ان تمام لڑائیوں کے سخت مخالف ہو گئے ہیں جو سخت مجبوریوں کی وجہ سے دیسی والیان ریاست سے کرنی پڑی ہیں لیکن اس مخالفت کا نتیجہ بہت اچھا برآمد ہوا ہے کیونکہ ان کے احکام و ہدایات ہمیں اس قوت کے حاصل کرنے سے باز نہیں رکھ سکیں کیونکہ تنازع للبقا کے قانون کی طرح ہندوستان میں ہماری حالت نے ہمیں وہ لڑائیاں لڑنے پر مجبور کر دیا۔ نظما اور قانون سازوں کے بدیہی رجحان طبع نے ہماری فتح مندی کی رفتار میں روک تھام پیدا کر دی اور اس نے ہماری سلطنت کے استحکام میں اور بھی استواری پیدا کر دی ہے کیونکہ اگر اس سے نصف زمانے میں فتوحات حاصل ہو جائیں جیسا کہ ممکن ہوتا تو غالباً اس قدر استحکام حاصل نہ ہو سکتا۔

مجلس نظما بڑی حد تک وزرا کے اثر سے آزاد ہے اس لئے وزرا ایسے معاملات میں نظما کو نہیں دبا سکتے ہیں جنھیں وہ اپنی شہرت کے حق میں مضرت ناک یا ان اشخاص کے حقوق کے لئے ضرر رساں تصور کریں جنھیں وہ

باب ۹ (۱۱۸) اپنی زیر حفاظت سمجھتے ہیں۔ اس لئے انگریز ملازمان ہند کے حقوق ہیں مداخلت اور حملوں سے ان کو بچانے کے لئے مجلس نظما سپر کا کام کرتی ہے لیکن یہ بات بھی قابل تذکرہ ہے کہ انس درمیانی جماعت سے انھیں جس قدر پناہ ملتی ہے اور جیسی مستعدی کے ساتھ وہ ان کے حقوق کی حفاظت کرتی ہے اس کو خلاف توقع ملازمان اپنے حق میں اس قدر سودمند نہیں سمجھتے ہیں۔ اس کے وجوہ یہ ہیں کہ وہاں کے اعلیٰ اور ممتاز سرکاری عہدے دار جن کی رائے اور طرز عمل کا دوسرے افسروں پر بھی یہی برا اثر پڑتا ہے وہ اپنی حالت سے خوش نہیں ہیں۔ اس لئے وہ حکومت ہند کے اس شعبے کے مخالف ہیں۔ اس مجلس کی یہ عادت فرض کرلی گئی ہے کہ وہ خاص طور پر صرفے[1] کو دیکھتی ہے اور اس لئے جو تخفیف کی جاتی ہے وہ اس سے منسوب کی جاتی ہے اور مہربانی و فیاضانہ سلوک کے جس قدر کام ہوتے ہیں وہ ہندوستان کے اعلیٰ حکام کی سفارش یا وزراء کی مداخلت سے موسوم ہوتے ہیں۔ ہمیشہ اسی قسم کے نتائج اخذ کئے جاتے ہیں اور اکثر یہ غیر منصفانہ ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے ملازماں کے دل میں مجلس کی عزت و محبت کے وہ جذبات نہیں پیدا ہوتے جو ماتحتوں میں لازمی طور پر ہونے چاہئیں۔ ایک بڑے طبقے کے اندر (۱۱۹) ایسے نظام حکومت سے ہرگز پیدا نہیں ہوسکتے جس میں کہ صرف خشک ضوابط و قواعد کی پابندی ہو اور سختی سے انصاف پر عمل ہوتا ہو اور اس کے علاوہ کسی قسم کی زندہ دلی یا جوش و خروش نہو یہ وسائل جو جذبات پیدا کرسکتے ہیں اُن سے زیادہ

[1] کمپنی کی ملازمت کے مانند کوئی اور ملازمت نہیں ہے جس میں ایسی معقول تنخواہ اور وظیفہ یاب ہونے کے قواعد ایسے فیاضانہ ہوں۔ اس ملازمت کی نوعیت اسی کی مستحق تھی۔ بہت عرصے تک ہندوستان میں ملازمت کے خواہاں صرف زر نقد ہی کو معاوضہ تصور کرتے رہے اور اب بھی کثیر تعداد کا بیشتر یہی مقصد ہوتا ہے۔ اس غرض کے حصول کی خواہش کی وجہ سے بہت سے بے بنیاد اتہامات مجلس نظما کے ذمے لگائے جاتے ہیں اور ان کی ہر ایک اقتصادی تدبیر ان کے تجارتی بخل سے منسوب کیجاتی ہے کیونکہ یہ ایک تجارتی جماعت ہے۔

باب ۹ پُرجوش جذبات رکھنے والا ایک طبقہ ملازمان کی جماعت میں ہونا چاہیئے ورنہ حکومت کو ایسی ہر دل عزیزی حاصل نہ ہوگی جو اس کے لئے لازمی ولابدی ہے۔ کمپنی کی حکومت میں خاص طور پر اس جز کی کمی ہے۔ جو حملے کہ کمپنی پر ہوتے ہیں اُن کے مقابلے کے لئے اس کے یہاں محدودے چند سرگرم حامی ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ملازمان کے مفید مطلب کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی ہے ان ملازموں کو تو اس سے بڑا سبق لینا چاہیئے تھا لیکن جو کچھ وہ روزانہ پڑھنے اور سننے کے عادی ہیں اس کا بالکل متضاد اثر ان کے دل پر پڑتا ہے ؛

نظما اپنی سرپرستی کو جس طور پر استعمال کرتے ہیں ان سے پبلک کو یہ اطمینان ہو گیا ہے کہ ان سے بہتر اور واجب الاحترام لوگ اس کے اہل نہیں ہو سکتے ہیں۔ لیکن نہایت افسوس کا مقام ہے کہ اس سرپرستی کو عہدہ نظامت حاصل کرلنے کا خاص مقصد اور حاصل ہونے کے بعد اس کا خاص انعام تصور کیا جاتا ہے۔ اول الذکر واقعہ بعض ایسے لوگوں کو یہ ترغیب دیتا ہے کہ وہ عہدہ نظامت حاصل کریں جن کے خیالات اپنے اعزا، اقربا اور احباب کے لئے روزی کا سامان بہم پہنچانے تک محدود ہیں۔ دوسرا واقعہ اس حکومت کو ان جملہ وسائل سے محروم کر دیتا ہے جو دیگر حکومتوں کو میسر ہیں کہ سلطنت کے خدمات (۱۲۰) انجام دینے والوں کی حوصلہ افزائی کی جائے اور ان کے خدمات کا صلہ دیا جائے اور جن ملازموں نے سلطنت کے نمایاں خدمات انجام دیئے ہوں اُن کے لڑکوں اور قریبی رشتہ داروں کو ایک خاص حد تک سرکاری ملازمت میں ضرور لے لیا جائے۔ اس تجویز کو نظما نہ صرف نامنظور کر دیتے ہیں بلکہ اپنے قابل قدر استحقاق کے منافی خیال کرتے ہیں۔ اس میں نظما کی کچھ خطا نہیں۔ اصل خرابی تو نظام حکومت کی ہے کیونکہ نظما سرپرستی کے اختیارات کو اپنے عہدے کی تنخواہ سمجھتے ہیں اور اس میں کمی ہونے کے یہ معنی ہیں کہ انکی محنت کے معاوضے میں کمی کر دی جائے۔ اس حقیقت کے اظہار سے وہ سارے الزامات سے بری ہو جاتے ہیں لیکن اس خرابی میں کسی طرح کی کمی نہیں ہو جاتی ہے اس کے جواب میں غالباً یہ دلیل پیش کی جائیگی کہ ملازموں کے حقوق، ان کے تعلقات اور انفرادی

باب ۹

طور سے نظما کا لطف و کرم بل ملاکر نظام حکومت کے اس نقص کو اگر کلیتاً رفع نہیں کرتے تو کم از کم اس نقص میں کمی تو ضرور پیدا کرتے ہیں لیکن یہ غلط ہے کیونکہ جس طور پر رعایت ونوازش کی جاتی ہے اس سے محسن کی شہرت میں تو ضرور اضافہ ممکن ہے لیکن اس جماعت کی وقعت ضرور گھٹ جائیگی جس سے کہ اس کا تعلق ہے۔ علاوہ بریں یہ بھی کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ سول سروس میں نمایاں خدمات انجام دینے والے یا قابل یادگار میدان جنگ میں اپنی جان قربان کرنے والے افسروں کے لڑکے معمولی سپاہیوں کی صف میں داخل ہوں یا اپنی درخواستیں لئے ہوئے ان لوگوں کے دروازوں پر مارے مارے پھریں جو کچھ مدت کے لئے اس سلطنت کے مفاد کے نگراں بن گئے ہیں جسے ان درخواست گذاروں کے بزرگوں ہی نے اپنی محنت وشفقت سے بڑھایا ہے یا اس کی ترقی کی کوشش میں اپنی جانیں قربان کرکے سرخروئی حاصل کی ہے "

(۱۲۱) مجلس نظما اپنے متوفی ملازمان کے خستہ حال پسماندگان کے ساتھ اکثر نہایت کریمانہ اور فیاضانہ سلوک کرتی ہے۔ ان کی اعانت کے لئے جب کبھی کوئی فنڈ قائم کیا گیا تو اس نے نہایت فیاضانہ مالی امداد دی لیکن اس فیاضانہ سلوک سے احسان مندی کا وہ جذبہ بیٹے کے دل میں پیدا نہیں ہوتا جیسے وہ اپنی ملازمت کے دوران میں برابر محسوس کرتا رہتا کہ میرے مرحوم باپ کے خدمات کے صلے میں میرے ساتھ اس قدر عمدہ برتاؤ کیا گیا ہے "

ہم اس اصول کی منفعت کا اندازہ اس کے اثرات سے کرسکتے ہیں جو انگلستان کی بحری اور بری فوج میں نمایاں طور پر موجود ہیں اگرچہ ان محکموں کی ملازمت میں دست گیری کی خواہش سرایت کئے ہوئے ہے اس پر بھی خاندانی حقوق سے شاذونادر ہی چشم پوشی کی جاتی ہے۔ اور سب کو معلوم ہے کہ ان حقوق پر بیحد توجہ کی جاتی ہے اور یہ ایک ایسی چیز ہے جو تمام دیگر محرک قوتوں کے مقابلے میں بہت زیادہ قابل ترین اشخاص کو کارہائے نمایاں انجام دینے پر آمادہ کرتی ہے "

باب ۹

نظما کی یہ کاروائی بیحد ستائش کے قابل ہے کہ اُنھوں نے چند سال سے غیر ملکی ملازمت کے مختلف شعبوں کے لئے نوجوانوں کو تعلیم دینے کی طرف خاص طور پر توجہ فرمائی ہے اس مقصد کے حصول کے واسطے انھوں نے جو طریقے اختیار کئے ہیں ان کی بابت اختلاف رائے ہوسکتا ہے لیکن جس فیاضانہ اسپرٹ میں یہ کارروائی کی جاتی ہے اس کے متفق طور پر سب ثنا خواں اور مدح سرا ہیں؛

مالکان کمپنی کی مجلس ایک ہردل عزیز جماعت ہے اور اس میں ہمیشہ وہ لوگ شامل رہینگے جنھیں مالی حقوق حاصل ہیں لیکن اس میں ایک خاص فائدہ یہ ہے کہ اس امتیاز کو حاصل کرنے کے واسطے جو لوگ کہ ہندوستان سے دولت پیدا کرکے واپس آتے ہیں اور جنھیں ہندوستان کے معاملات سے دلچسپی بھی ہوتی ہے وہ انڈیا اسٹاک کے حصص خرید لیتے ہیں اور یہ جماعت عہدۂ نظامت کے لئے ان امیدواروں کے ساتھ ضرور رعایت و مروت کرے گی جنھوں نے ناموری کے ساتھ ہندوستان میں ملازمت کی ہے ۔ مالکان کمپنی کی مجلس کو یہ خاص استحقاق حاصل ہے کہ وہ مجلس نظما اور ملازمان ہند کی ہر ایک ایسی کارروائی کے متعلق تحقیقات کرسکتی ہے جس کا اثر اس جماعت کی مرفہ الحالی پر پڑسکتا ہے اور اس وجہ سے اس مجلس کے مباحث کا دائرہ نہایت مفید اور نہایت وسیع ہے اور چونکہ مختصر رقوم کے علاوہ ہر ایک مالی منظوری کی اس مجلس سے توثیق کرانا لازمی ہے اس لئے ہر ایک مالی معاملے میں اس کی رائے نہایت اہم مانی جاتی ہے۔ اور چونکہ یہ مجلس اس قسم کے جملہ مسائل کی کارروائی کی اشاعت کرتی ہے لہذا اس اشاعت سے فی الحقیقت بہت کچھ فائدہ پہنچتا ہے اور اس مجلس کی منفعت کا اندازہ اس سے نہیں ہوسکتا کہ وہ کیا کرتی ہے بلکہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ وہ دوسروں کو کیا کرنے سے باز رکھتی ہے کیونکہ یہ تو صرف ایک روک تھام کرنے والی مجلس ہے۔ اکثر مالکان کمپنی وزراء اور مجلس نظما دونوں کے اثر (۱۲۲)

لہ اگر ہندوستان کی آمدنی کا کوئی جزاس کام کے لئے مخصوص کردیا جائے تو یہ احتیاط رہے کہ اسے اس طور پر استعمال کیا جائے جس سے کہ حتی الامکان زیادہ فائدہ پہنچے۔

باب ۹

سے باہر ہوتے ہیں اس وجہ سے ہندوستان کی مقننہ جماعت کا یہ شعبہ نہایت واجب الاحترام اور شایان تکریم تصور کیا جاتا ہے ؛

مالکان کمپنی کی مجلس کی ساخت اور اس کی نوعیت پر بہت سے اعتراض کئے گئے ہیں اور فی الحقیقت بعض اعتراض مدلل اور معقول بھی ہیں۔ ہر ایک مسئلے پر کھلے اجلاس میں بحث ہوتی ہے اور ممبران موجودہ کی کثرت رائے سے فیصلہ ہوتا ہے لیکن اقلیت خفیہ رائے دہی سے فیصلہ ہونے کا مطالبہ (۱۲۳) کرسکتی ہے جس میں ہر ایک رکن رائے دینے کا مستحق ہے خواہ اس کی حالت اور جنس کچھ ہی کیوں نہ ہو ؛

ہم اس بات کا اندازہ کرنے کی بابت کچھ بیان کر چکے ہیں کہ آیا بحالت موجودہ کمپنی اپنے روز افزوں سول و سیاسی فرائض انجام دینے کے قابل ہے ؛ اگر وہ اس کے قابل نہیں ہے تو اس کی موجودہ ساخت و نوعیت میں کیا ایسی ترمیمیں کی جاسکتی ہیں جن سے کہ وہ اپنے شاہی فرائض ادا کرنے کے قابل بن جائے ؛

اگر یہ مان لیا جائے کہ چند اصلاحیں ضرور ہونی چاہئیں تو جو تبدیلیاں کی جاچکی ہیں اور اس کی نوعیت میں جو ترمیمات کہ ہونے والی ہیں وہ ایسی اصلاحات کیلئے نہایت سود مند ہونگی جو طریقۂ انتخاب۔ اوصاف ارکان یا ناظم منتخب ہونے کے بعد ان کے فرائض مقرر کرنے کے واسطے ضروری خیال کی جائینگی۔ یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اس قسم کی ہر ایک اصلاح نامکمل رہیگی اگر مجلس نظما کی اصلاح کے ساتھ اس کی وہ خصوصیت قائم نہ رکھی جائیگی جو ہندوستان کی مقننہ مجلس کی حیثیت سے اسے حاصل ہے ؛

لہ خفیہ رائے دہی کا رواج صرف مالکان کمپنی کی مجلس تک محدود نہیں ہے۔ نظما بھی اس پر عمل کرسکتے ہیں اگر ان میں کسی مسئلہ پر اختلاف رائے ہو۔ اور اس وجہ سے اس جماعت میں انفرادی ذمہ داری کم ہو جاتی ہے جو سرکاری خدمات انجام دینے میں ہر ایک رکن پر عاید ہے ؛

باب ۹ یہ بھی تسلیم کر لیا گیا ہے کہ اس مجلس کے مختلف ارکان میں اپنے مفوضہ
(۱۲۴) فرائض کے ادا کرنے میں زیادہ قابلیت اور معلومات کے اضافے سے نہ صرف ان کے زیردستوں بلکہ پبلک کی نظروں میں بھی ان کی عزت اور ان کا وقار زیادہ ہو جائیگا اور بغیر کسی عظیم الشان تبدیلی کے یہ بات یقیناً حاصل ہو جائیگی۔ جن اغراض سے کہ آجکل حصول نظامت کے لئے لوگوں کو ترغیب و تحریص ہوتی ہے ان میں سے بہت سے اغراض جاتے رہینگے لیکن بہت سے ایسے جدید اعتراض پیدا ہو جائینگے جو کمپنی اور سلطنت ہند کی تبدیل شدہ حالت کے لئے موزوں ہونگے۔ اس اصلاح کا کوئی جزا ایسا نہ ہوگا جس سے حکومت کے اصولوں میں کوئی خاص زبردست تبدیلی ہو جائیگی۔ اس اصلاح سے رفتہ رفتہ ان لوگوں کے فرائض منصبی میں تبدیلی ہو جائیگی جن کے وسیلے سے نظم ونسق کیا جاتا ہے ؛

لیکن ہماری رائے میں انگلستان میں حکومت ہند کا جو شعبہ ہے وہ بحالت موجودہ اپنے روزافزوں فرائض منصبی ادا کرنے کے قابل نہیں ہے اس لئے جب تک کہ ہم ٹھنڈے دل سے اس بات پر غور نہ کر لیں کہ آیا یہ قابل اصلاح ہے یا نہیں ہمیں اس کے مسدود کرنے میں عجلت سے کام نہ لینا چاہئے لیکن اس کی تباہی سے جو خرابیاں رونما ہونگی انھیں پیش نظر رکھ کر اصلاح شدہ نظام کے تحت اسے برقرار رکھنے کی خوبی کا صحیح اندازہ کیا جا سکتا ہے ؛

اس کے بجائے جو درمیانی جماعت قائم ہوگی اس کی ساخت اور نوعیت پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے ؛

اس قسم کی حکمراں جماعت قائم کرنے کے تجاویز سوچنے میں ہمارے نہایت قابل مدبروں کی ساری دانشمندی اور فہم و فراست صرف ہو چکی ہے اور اس
(۱۲۵) میں شک نہیں کہ ہم ایسے تدابیر کو بار بار دہرا سکتے ہیں لیکن کسی ذی ہوش کو اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ وزرا کمپنی کا خاتمہ کرنے کے خواہاں ہو سکتے ہیں اور ان کے پاس ایسی قوت موجود ہے کہ وہ اپنے خیال کو عملی صورت میں کر دکھائیں۔ اگر وہ ہندوستان کی حکومت کے مختلف شعبوں کو خواہ کسی شکل میں ڈھالیں انھیں ہمیشہ اس امر کی خواہش رہیگی کہ یہ سارا انتظام ان کی قوت کے تابع ہو۔ اس لئے

باب ۹

ہماری یہ وسیع سلطنت جب براہ راست تاج برطانیہ کے تحت ہو جائیگی اور اس کے
جو نتائج برآمد ہونگے ان کے متعلق ہم اپنے چند خیالات درج کرتے ہیں۔

اس واقعے کے ظہور میں آنے کے بعد پہلی ناگزیر تبدیلی سلطنت ہند کے
متعلق اس حکمراں جماعت کے زاویۂ نگاہ میں پیدا ہو جائیگی جس کے تحت کہ وہ
دیدی جائیگی۔ کمپنی کی حکومت کے زمانہ میں اس کے نزدیک سلطنت ہند کے
معاملات کی خاص اہمیت ہے لیکن ملک معظم کے زیر حکومت ہو جانے سے
سلطنت برطانیہ کے نزدیک سلطنت ہند کے معاملات غیر اہم اور معمولی ہونگے۔
اور جب کبھی سلطنت برطانیہ کو معاملات ہند میں مداخلت کرنے کا معاملہ پیش
آیا تو یہ بات صاف طور پر نمایاں ہو چکی ہے۔ اس لئے اس بات کا ہمیشہ شبہ
رہیگا اور جب کبھی ایسے معاملات سلطنت ہند کی بابت پیش آئینگے اور انھیں
حکمت عملی کے دیگر مصالح کے لحاظ سے طے کیا جائیگا اور اس سے جو نقصان
اس سلطنت کو پہنچے گا اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ ہمارے نہایت زبردست
اور عقیل و فہیم وزراء کے دل سے ہمارے بعید مقبوضات کے مفاد کا خیال
بہت کم ہو جائیگا جب وہ اپنے احباب کو مطمئن کرنے۔ اپنے مخالفین کو شکست
دینے۔ پبلک کو رضامند کرنے یا پارلیمنٹ کے مباحثات سے گریز کرنے کے
خواہاں ہونگے۔ اور اگر وزراء کمزور ہوئے تو ان کے زمانے میں ان وسائل (۱۲۶)
سے نہایت زبردست خرابیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اور پھر اس وقت ہم
دار العوام سے بھی اس انسداد کے متوقع نہ ہونگے جو کسی اختیارات کے غیر
دانشمندانہ یا غلط استعمال کرنے کے وقت وہ کیا کرتا ہے۔ ایسے اہم مسائل
بہت کم پیش ہونگے جن سے دار العوام خصوصیت کے ساتھ دلچسپی لے اور
بفرض محال اگر کبھی ایسے مسائل پیش بھی ہوئے تو ان کی تفصیلات ایسی پیچیدہ
ہونگی جنھیں بہت کم حضرات سمجھ سکیں کیونکہ ہمیں اس بات کی ہرگز امید
نہیں کہ کسی زمانے میں بھی ہندوستان کے مسائل سے لوگوں کو عام طور پر پوری
واقفیت حاصل ہوگی۔

ایسی حالت میں ہندوستان کی حیثیت ایک نوآبادی کی ہو جائیگی لیکن

باب ۹ نو آبادیات کو اپنی حکومت کے نقائص دور کرنے کے جو ذرایع حاصل ہیں ہندوستان کو وہ بھی میسر نہیں۔ مثلاً مغربی جزائر میں اگرچہ مقامی جماعتیں ہیں لیکن ان کے علاوہ ہماری پارلیمنٹ میں ان کا کافی اثر موجود ہے اور جب کبھی ان کے حقوق پر کوئی حملہ ہوتا ہے تو وہ اپنے حقوق کی پورے طور پر وکالت کر سکتی ہیں لیکن ہمارے قیاس وگمان میں کوئی ایسا زمانہ نہیں آتا ہے جب ہندوستان کی مختلف قوموں کے نمائندے ہماری پارلیمنٹ میں موجود ہونگے۔ بلکہ اس کے برعکس اپنے ذاتی مفاد کے باعث اکثر اشخاص ہندوستانیوں کے مخالف ہو جائینگے بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ نظام حکومت اس قسم کا قائم ہوگا جس سے کہ ہندوستان کے متعلق ہر ایک مسئلہ غیر اہم اور دیگر متعدد مصالح کے تابع ہوگا۔ پبلک کو یہ اندیشہ ہے کہ اگر مجلس نظما کے اختیارات وزرا کو دیدئے جائینگے تو اس عظیم الشان تبدیلی سے ہندوستان اور انگلستان دونوں کے حقوق کو سخت نقصانات پہنچیں گے اور دیگر اسباب کے مقابلہ میں کمپنی کے برقرار رکھنے کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے اور یہ خوف دستور اور دانشمندی دونوں کے لحاظ سے نہایت بجا ہے لیکن اس مسئلے کے متعلق عام رائے نہایت محدود (۱۲۷) قسم کی ظاہر کی گئی ہے۔ ابھی تو صرف اس قدر سمجھا گیا ہے کہ کمپنی کے توڑ دینے سے اس کے جملہ اختیارات تاج برطانیہ کو منتقل ہو جائیں گے لیکن جن اشخاص نے کہ اس مسئلے کو اس نظر سے دیکھا ہے غالباً انھوں نے ایک فریق کی کمزوری اور دوسرے فریق کی قوت کو اپنے دل سے بھلا دیا ہے ؛

تاج برطانیہ کے اختیارات میں مزید اضافہ کئے بغیر سول اور فوجی عہدوں کے تقررات کا مسئلہ طے ہو سکتا ہے بشرطیکہ اس بات کا دوسرے ذرایع سے انتظام کر دیا جائے کہ قابل اور اہل اشخاص ہی کا تقرر ہوگا۔ ایسی صورت میں اس بات کی کوئی امید نہیں رہیگی کہ ان کا تقرر کس لئے کیا ہے لیکن ہندوستان میں جو انگریز ملازم ہیں اگر اُن کے حقوق میں وزرا دست اندازی کرینگے تو اس کی روک تھام کون کریگا اور اس بات کو صرف وہی شخص پورے طور پر سمجھ سکتا ہے جس نے کہ اس مسئلے کا بغور مطالعہ کیا ہو کہ ہماری سلطنت ہند

باب ۹

کے وجود کا انحصار وہاں کے ہر شعبے کی معقول نگرانی کرنے پر ہے۔ اسکے خلاف یہ دلیل پیش کی جائے گی کہ اگر ہندوستان براہ راست تاج برطانیہ کے تحت میں آجائے تو انگلستان کے قابل اصحاب جنھوں نے اس ملک میں ناموری حاصل کرنی ہے وہ حالت موجودہ سے کہیں زیادہ دلچسپی انگلستان اور ہندوستان کے معاملات سے لینے لگیں گے جس سے نظام حکومت کا یہ نمایاں نقص رفع ہوجائیگا۔ ممکن ہے کہ یہ اعتراض درست ہو لیکن اس سے ہمارا یہ مطلب نہیں کہ وزراء سلطنت برطانیہ جو کہ نہایت عالی خیال مدبر ہیں وہ ان وسائل سے
کام لیکر ہندوستان کے نظم ونسق کو بہتر بنانے کی کوشش نہ کریں گے لیکن اس (۱۲۸)
میں بھی شک نہیں کہ ان کی حالت انھیں اس بات پر مجبور کرے گی کہ وہ اپنے اختیارات بڑھانے میں اس وسیلے سے کام لیں۔

اگر حکومت ہند کلیتاً وزراء سلطنت برطانیہ کے سپرد کردی جائیگی تو اس وقت جیسا کہ خیال ہے اس سے کہیں زیادہ عہدے انگلستان میں قایم کرنے ہونگے اور چونکہ پھر ہندوستان کے مختلف محکموں پر پارلیمنٹ کے مقرر کئے ہوئے قواعد وضوابط سے حکومت کی جائیگی اس لئے ان پر بہت سے لوگ ہاتھ مارنے کی کوششیں کرینگے۔ سول اور فوج کے چند ایسے عہدے ہیں جن کا تعلق کسی خاص محکمے سے نہیں ہے بلکہ ان کے وجود میں آنیکا انحصار واقعات اور ضروریات پر ہے۔ لہذا ایسے عہدوں پر تقررات کرنے کا کام مقامی افسران کی رائے پر چھوڑ دینا چاہئے۔ بالفرض اگر مقامی افسران کے بھی وہی خیالات ہیں جو اس معاملہ میں وزراء کے ہونگے تو ان کے یہ خیالات اور ترقی پائینگے اور پھر بے ضرورت بہت سے عہدے قایم ہوجائینگے اور جو بات وہاں اب مفقود ہے اس کا رواج پڑجائیگا اور اس نسبت سے عہدہ داروں کے وظائف کی تعداد میں بھی اضافہ ہوجائیگا اگر یہ سوال کیا جائے کہ وہاں یہ خرابیاں اس وقت کیوں موجود تھیں تو اسکا جواب صاف ہے کہ مقامی حکام کی اس قسم کی حرکات کی روک تھام مجلس نظما کرتی رہتی ہے اور مجلس نظما کا نگران حال انڈیا بورڈ ہے جو نہایت سختی سے بلکہ انتقامی جذبہ سے اس پر نگاہ رکھتا ہے

باب (۱۲۹) اس قسم کے دباؤ کے علاوہ کمپنی کے قابل ترین ملازمان بھی مقامی حکومت اور حکام انگلستان کی معمولی ناراضگی سے بھی نہایت خوفزدہ ہو جاتے ہیں اور ملازمت کے مختلف شعبوں کو جو خاص اختیارات حاصل ہیں اُن میں یہ حکام بہت کم مداخلت کرتے ہیں۔ اختیارات سے تجاوز کرلنے اور ان کے غلط استعمال کی روک تھام کا یہ سلسلہ قایم ہے جو نہیں ٹوٹ سکتا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سلسلے کی نہایت زبردست کڑی خود کمپنی ہے۔ اگر یہ درمیانی جماعت موجود نہ ہوتی تو ہندوستان کے اعلیٰ افسروں کو اس قسم کی حرکات پر رضامند کرلنے میں کچھ بھی دشواری نہ ہوتی بلکہ وہ اس نظام حکومت کی دل سے تائید اور حمایت کرتے جس سے کہ وہ خود مستفید ہوتے اور جو حصول دولت کی خواہش اور تمنا کو پورا کرلنے کے لئے نہایت موزوں ہے اور یہ اعانت صرف ان حکام تک محدود نہ ہوتی جن کا تقرر انگلستان میں کیا جاتا ہے، جن ملازمان نے کہ ہندوستان میں ترقی کی ہے ان کا اعلیٰ عہدوں پر مقرر ہونا اور ان کا امتیازی رتبہ محض ان کی ناموری کے باعث ہوتا اور پھر جس جماعت سے کہ ان کا تعلق ہے اسکو نقصان پہنچالنے کے لئے وہ ایسی تدابیر کرسکتے ہیں جن میں کہ ان کا کوئی ذاتی تعلق نہ ہو۔ کون شخص اس بات کو یاد رکھ سکتا ہے کہ ایسی اعانتوں کی موجودگی میں جب کہ وزرا تمام قابل اشخاص اور ہر صحیح معلومات رکھنے والے کو اپنے ساتھ ملالیں گے تو پارلیمنٹ کی مداخلت ان کی ناجائز کارروائیوں کو روکنے کے لئے جن کا تعلق بعید ملک کے پیچیدہ مسائل سے ہوگا مفید ثابت ہوگی؟

(۱۳۰) جو نوآبادیات براہ راست سلطنت برطانیہ کی ماتحتی میں ہیں ان کی تاریخ سے یہ نتیجہ نکالنا غالباً ناموزوں نہ ہوگا کہ اگر ہندوستان براہ راست تاج برطانیہ کی ماتحتی میں دیدیا جائے تو کیا واقعہ ہوگا۔ اس بات کا یقین ہے کہ ان بعید مقبوضات کے طرز حکومت اور سرپرستی کے استعمال کی بابت جو تحقیقات کی جائینگی وہ ان حضرات کے دلائل کے حق میں چنداں مفید نہ ہوگی جو حکومت ہند میں اس قسم کی تبدیلی کے حامی اور کوشاں ہیں؟

اگر ہماری یہ خواہش ہے کہ ہندوستان میں ہماری حکومت مستقل طور پر

باب ۹ قائم رہے تو ہمیں ہمیشہ اس کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ ہندوستان کا نظام حکومت انگلستان کے مناسب حال ہو اور ہمیں صرف غیر معمولی اوقات ہی میں نہیں بلکہ ہمیشہ وہاں کی علداری کی پورے طور پر نگرانی اور دیکھ بھال کرنی چاہئے۔ مثلاً ہم یہ نہیں فرض کر سکتے کہ وزراء آجکل کی طرح عرصۂ دراز تک اپنے عہدوں پر برقرار رہینگے اور رائے عامہ بھی ان کی طرح تائید کرتی رہیگی۔ جب تک یہ حالات قائم ہیں وزراء اپنے سرپرستی کے اختیارات کی اتنی پروا نہیں کرینگے جتنی کہ ان کے پیشرووں کو تھی یا اُن کے جانشینوں کو ہوسکتی ہے جس وقت کہ مخالف جماعتوں کی قوت برابر ہوگی اس وقت کیا کامیاب جماعت اپنا اقتدار قائم رکھنے میں کوئی کسر اٹھا رکھے گی اور جب اس کے مخالفین کامیاب ہونگے تو اس سے کیسی کچھ تبدیلیاں رونما نہ ہونگی۔ اس قسم کے انقلابات کے ہم عادی ہیں اور انگلستان کے حق میں یہ نہایت مفید ہیں لیکن اگر انھیں ہندوستان تک وسعت دیدی گئی تو ان کے بار بار رونما ہونے سے ہماری طاقت کی جڑ کٹ جائیگی کیونکہ یہ کہنا غالباً مبالغے میں داخل نہیں ہے کہ اگر ہم سلطنت ہند کو برقرار رکھنے کے خواہاں (۱۳۱)
ہیں تو وہاں کے نظم و نسق کو ان نقصانات سے علیحدہ رکھنا چاہئے جو انگلستان کی سیاسیات کے اثر سے پیدا ہو سکتے ہیں ؎

مرقومۂ بالا دلائل سے وہ نقصانات ظاہر کرنا مدنظر ہے جو ہماری رائے میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت توڑ دینے سے اول ہندوستان کو اور بالآخر انگلستان کو پہنچیں گے لیکن صرف اسی خطرہ کا اندیشہ نہیں کہ وزراء کو زیادہ اختیارات حاصل ہو جائینگے بلکہ بہت زیادہ اندیشہ اس طریقہ کا ہے جس میں کہ وہ اپنے اختیارات کو استعمال کرینگے اور پھر وزرا کی بار بار کی تبدیلیوں سے اور بھی زیادہ خطرات پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ گذشتہ چند سال میں تاج برطانیہ کے اختیارات میں بہت کچھ اضافہ ہوگیا ہے لیکن سلطنت کی ہر ایک کارروائی پر رائے عامہ کے روز افزوں اثر نے اس قوت میں توازن پیدا کر دیا ہے۔ برخلاف اس کے ہم اس بات سے واقف ہیں کہ ہندوستان کے نظم و نسق میں رائے عامہ کے اس اثر سے کوئی مفید کام نہیں لیا جاتا ہے اور نہ لیا جا سکتا ہے کیونکہ اول تو وہ

باب ۹ ملک یہاں سے بہت زیادہ فاصلے پر ہے دوسرے وہاں کے مفاد یہاں پر بہت کم سمجھے جاتے ہیں۔ اس لئے یہ امید نہیں کی جاسکتی ہے کہ یہاں کی رائے
(۱۳۲) عامہ سے وہ ملک کبھی مستفید ہو سکے گا۔ بلکہ اس کے برعکس یہ اندیشہ کرنے کی وجہ موجود ہے کہ رائے عامہ پر عملدرآمد کر لنے سے ایسی تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں جس سے برطانیہ کو جزوی اور مشکوک فائدہ پہنچ جائے لیکن ان تدابیر سے ہندوستان کو سخت نقصانات پہنچ جائینگے ؎

دسواں باب

ہندوستان کی مقامی حکومت

اختیارات گورنر جنرل۔ اس کے فرائض منصبی میں مجوزہ تبدیلی۔ ہمارے (۱۳۴)
مقبوضات کے بعید مقامات پر لفٹننٹ گورنروں کا تقرر۔ عدالت۔ پولیس
حال۔ سول اور فوجی محکموں کے نظام کے حکومت کے متعلق خیالات ؛

دوسری قابل توجہ بات ہندوستان میں ہماری حکومت کی نوعیت ہے مسٹر پٹ کے قانون میں خواہ اور نقائص موجود ہوں لیکن اس کی رو سے صاف گورنر جنرل بنگال باجلاس کونسل کو دیگر صوبوں کے متعلق اختیارات دیکر ایک زبردست نقص کو رفع کر دیا ہے۔ کافی تجربے سے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ اس وسیع ملک کا ایک اعلیٰ افسر مقرر کرنے کی تدبیر نے وہاں کے اندرونی امن و سکون اور بیرونی حملوں سے محافظت کے کام کو بڑی ترقی دی ہے اس سے تحتانی حکام کی باہمی مخالفت و جھگڑوں کا خاتمہ ہو گیا ہے اور ہماری سلطنت کے وسائل آمدنی کو بیحد ترقیاں حاصل ہوئی ہیں اس قانون کے منظور

باب ۱ ہونے کے بعد سے بہت سے واقعات رونما ہوئے ہیں جن کے باعث گورنر جنرل کے فرائض میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا ہے۔ آجکل یہ فرائض اس سے کہیں زیادہ ہیں جو ایک
(۱۳۴) فرد انجام دے سکتا ہے اس لئے نیز دیگر وجوہ سے اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ نظام حکومت میں ایسی تبدیلی کر دیجائے جس کی رو سے اس اعلیٰ افسر کو حکومت بنگال کے اندرونی انتظامات کی تفصیلات سے تعلق نہ رہے۔ ان معمولی کارروائیوں سے نجات حاصل کر لنے سے جن میں کہ آجکل اس کا بہت زیادہ وقت صرف ہوتا ہے پبلک کو بہت کچھ فائدہ پہنچے گا کیونکہ پھر اس اعلیٰ افسر کو زیادہ ضروری مسائل پر توجہ کرنے اور ان مقامات کا بچشم خود معائنہ کرنے کا بہت زیادہ موقع ملیگا جو اس کے زیر حکومت مگر دور دراز فاصلہ پر واقع ہیں۔ گذشتہ تیئس سال کے دوران میں ایسے بہت سے موقعے پیش آئے جبکہ بنگال کا اندرونی انتظام نائب صدر کے متعلق رہا اور تجربہ سے ثابت ہو گیا ہے اس تبدیلی سے کمپنی کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچیگا اور فی الحقیقت اگر گورنر کے ذمہ صرف یہی کام رہے تو وہ اس شخص سے کہیں بہتر طریقہ پر اپنے اس فرض کو انجام دے سکتا ہے جس کے سپرد سلطنت کے دیگر اہم فرائض بھی ہوں قانون پارلیمنٹ کے ایک فقرہ نے گورنر جنرل کو یہ اختیار دیا ہے[۱] کہ اہم معاملات اور بالخصوص ایسے مسائل میں جن کا تعلق فلاح عامہ سے ہو وہ بلا اتفاق رائے یا خلاف رائے کونسل کے اپنی ذمہ داری پر کام کر سکتا ہے اور اس میں وہ سیاسی تدابیر بھی داخل ہیں جن سے کام لینا وہ اپنا فرض منصبی
(۱۳۵) تصور کرے۔ اس لئے ہندوستان کا مکمل سیاسی نظم و نسق گورنر جنرل کے سپرد کر دینا کسی اصول یا حکومت ہند کے رواج کے خلاف نہیں ہے۔ جس طرح کہ گورنر جنرل آجکل مدراس اور بمبئی کے معاملات طے کرتا ہے جو اس کی منظوری یا فیصلے کے واسطے اس کے پاس بھیجے جاتے ہیں اسی طرح پر وہ بنگال کے اندرونی معاملات کا تصفیہ کرے گا اور اس صورت میں جہاں تک کہ اس کے ذاتی اختیارات

۱؎ بحوالہ جارج سوم باب سوم دفعہ ۴۷۔ اسی فقرہ کی رو سے اسی طرح کا اختیار مدراس اور بمبئی کے گورنر صاحبان کو دیدیا گیا ہے؛

باب ۱۰

کا تعلق ہے وہ بہت کچھ محدود ہوجائینگے[1] لیکن سیاسی معاملات میں اس پر چنداں
پابندی عائد نہ ہوگی اگرچہ اس وقت اسکی ذاتی ذمہ داری اپنے افسران مقیم انگلستان
کے روبرو بہت زیادہ ہوجائیگی ؛

اس انتظام سے گورنر جنرل ان فوائد سے محروم ہوجائیگا جو اسے اپنے
موجودہ مشیروں کے تجربہ اور معلومات سے حاصل ہوتے ہیں لیکن یہ کمی ایک
ایسے انتظام سے پوری ہوجائیگی جس کی رو سے اس کے عملے میں بہترین قابلیت
کے اعلیٰ افسر مقرر ہونگے جو اُسے ہر قسم کی اعانت دیں گے مثلاً آجکل معتمدی
سیاسیات و امور خارجہ کے عہدہ پر کلکتہ کے دفاتر میں سالہا سال کام کرنے کے بعد
کوئی افسر پہنچتا ہے لیکن اس وقت یہ عہدے تنخواہ اور رتبہ کے لحاظ سے اس
قسم کے ہونگے کہ پولٹیکل محکمہ کے اعلیٰ افسران اس عہدے پر پہنچنے کے آرزومند
ہوا کریں گے اور یہی کیفیت امور عامہ۔ عدالت۔ مال اور فوجی محکموں کے (۱۳۶)
معتمدین کی ہوگی۔ اگر اس تجویز پر عملدرآمد ہوگا تو ان عہدہ داروں اور ان کے
معاونین) کا انتخاب کسی خاص صوبہ سے نہ ہوگا بلکہ سارے ملک کے جملہ ملازمان
میں سے یہ افسران منتخب کئے جائیں گے۔ اس انتظام سے جو فائدہ حاصل
ہوگا اس کا اندازہ اس وقت نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس ذریعہ سے قابل
حضرات کو کام کرنے کا شوق پیدا ہوگا ان کی خدمات کے صلے ملیں گے۔
مدراس اور بمبئی کی ملازموں کے رتبے بلند ہونگے (جہاں تک کہ ان مقامات
پر اعلیٰ ملازموں کا تعلق ہے) اور وہ صوبۂ بنگال کے عہدوں کے مساوی ہوجائینگے
اور ان کے تعصبات دور ہوجائینگے۔ نیز اعلیٰ افسروں کے دل پر زیردستوں
کی کارگذاری کا عمدہ اثر پڑیگا۔ اس کی بدولت افسروں میں فراخ دلی پیدا
ہوگی اور وہ اپنے صوبے کے مفاد سے بڑھ کر سلطنت کے عام فوائد

---

[1] مثلاً آجکل وہ کونسل کی رائے کے خلاف اپنے ذاتی اختیار سے کام لیکر جو تدبیر مناسب
سمجھے اس پر عمل کرسکتا ہے لیکن اس صورت میں گورنر باجلاس کونسل کی رائے کو مسترد
یا نامنظور کرلینے سے اسکے بہت زیادہ ذمہ داری عائد ہوجائیگی ؛

کو پیش نظر رکھیں گے اور اس کے اثرات سے بہت سے عظیم الشان فوائد حاصل ہو نگے۔ حاشا وکلا ہمیں ان افسروں کی قابلیت میں کلام نہیں جو کلکتہ کے اعلیٰ انتظامی عہدوں پر مامور رہ چکے ہیں یا آئندہ مامور ہوں گے۔ ان میں بعض نہایت نامور اشخاص گذرے ہیں لیکن ایک ہی مقام پر ان میں سے اکثر کا سکونت گزیں ہونا اور اپنی اپنی
ملازمت کے متعلق ان کے جذبات اور اپنے محکموں سے انکا قدرتی تعلق و میلان (۱۳۷)
جن کی کامیابی کے لئے انھوں نے اپنی امکانی اور بہترین کوششیں صرف کی ہیں ان وجوہ سے ان کے دل میں ایک قسم کا تعصب پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے ایسے مسائل میں جن کا تعلق ہندوستان کے عام مفاد سے ہوگا ان کے فیصلے لازمی طور پر تنگ نظری پر مبنی ہونگے اگر گورنر جنرل کے عملے میں ایسے افسر ہوں جنھیں ہندوستان کے کبھی خاص حصہ کے متعلق مقامی واقفیت حاصل نہو تو یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہو سکتی ہے۔ گورنر جنرل کے یہاں مختلف محکموں کے معتمدین اپنی اعلیٰ قابلیت اور کل سلطنت کے مختلف نظام حکومت اور عام واقفیت کے لحاظ سے منتخب کے جائینگے۔

ہماری اس وسیع سلطنت اور اس کے مختلف الخیال علاقوں میں ایک ہی قسم کے اصول و قواعد وضوابط نافذ کرنے اور یکساں ادارے قائم کرنے کی جو مسلسل کوشش کی جا رہی ہے اس سے بڑھ کر حکومت ہند کے لئے کوئی مضرت رساں چیز نہیں ہو سکتی ہے اور اس خرابی کے رفع کرنے کے لئے مجوزہ انتظام سے بہتر
کوئی اور تدبیر میسر نہیں ہو سکتی لیکن تاوقتیکہ گورنر جنرل کے ذمے سے اپنے مستقر کے (۱۳۸)

لہ یہ بات نہ صرف حکومت کی کارروائیوں میں نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے بلکہ خاص خاص صوبوں کے متعلق جو خیالات ظاہر کئے گئے ہیں ان سب میں بھی یہی نظر آتی ہے لیکن ان تمام کتابوں کے مصنفین نے جن میں یہ خیالات درج ہیں اپنی لاعلمی یا غرور کی وجہ سے اسے عمومیت دے دی ہے۔ ان کا اثر انگلستان تک پہنچا جہاں ہندوستان کے باشندوں کے عادات خصائل رسم و رواج مذہبی رسوم اور کیرکٹر کے حالات شائع کئے گئے ہیں یہ حالات اگرچہ درست ہیں لیکن اگر عام خیال سے ان کو دیکھا جائے تو وہ صداقت سے اسقدر دور ہیں جسطرح

باب۱۲ اندرونی معاملات کا انتظامات نکال لیا جائے اس تجویز پر ہرگز عملدرآمد نہیں ہو سکتا ہے۔

بنگال کی مقامی حکومت کے فرائض گورنر جنرل سے علیحدہ کرنے میں ایک اور فائدہ بھی ہے کہ ایسی معمولی کارروائیوں سے اس کا اعلیٰ نام علیحدہ رہے گا جن کے متعلق کلکتہ کے باشندے ہمیشہ شورش مچاتے ہیں۔ اس علیحدگی سے گورنر جنرل کے اختیارات میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی بلکہ روزمرہ اُسے ایسے معمولی کام انجام دینے کی ضرورت باقی نہیں رہیگی جن سے اس کے وقار کو نقصان پہنچے چونکہ حکومت کی کامیابی کے لئے اس کا احترام وادب برقرار رہنا اشد ضروری ہے۔ لیکن اس تجویز کے ان اجزا کے ترتیب دینے کے وقت اس امر کی بیحد احتیاط رکھنی چاہئے کہ گورنر جنرل کے اختیارات اور اثر میں کسی قسم کی کمی نہ ہونے پائے۔ اس کے اہم اور وسیع ادائے فرائض میں ان امور کا لحاظ ضروری ہے کیونکہ ان باتوں سے اُس کے اقتدار و اثر میں اضافہ ہوتا ہے جو ایسے بڑے عالی کے مرتبے کے لئے نہایت ضروری ہے۔

(۱۳۹) موجودہ نظام حکومت میں گورنر جنرل کے اثنائے قیام میں وہاں کی مجالس کی صدارت کرنے کا حق حاصل ہے لہذا بنگال میں ایک مستقل نائب صدر مقرر کردینے سے مجوزہ مقصد نظام حکومت میں بغیر کسی خاص تبدیلی کے حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کے سپرد تفصیلی کام ہونگے اور گورنر جنرل کو یہ اختیار حاصل رہیگا کہ جب کبھی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ کے فرانس اور اسپین کے حالات سے نتائج اخذ کرکے یورپ کا حال بیان کیا جائے۔

لے اکثر حضرات اسے ایک جدید محکمہ تصور کرینگے لیکن اس کے قائم کرنے میں کچھ زیادہ خرچ نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس میں گورنر نائب صدر صوبۂ بنگال کی تنخواہ کے علاوہ بہت تھوڑی رقم صرف ہوگی اور یہ سارا صرفہ دیگر صوبوں کے مصارف کے مساوی ہوگا جہاں تک کہ اس انتظام کے دیگر اجزا، کا تعلق ہے اس سے صرف مختلف کاموں کا طریقۂ عمل تبدیل ہو جائے گا اور معمولی دفتری کام میں تبدیلی واقع ہوگی اور ہر ایک محکمے کے اعلیٰ افسروں کی تنخواہ میں قدرے بیشی ہو جائیگی۔

باب۱۰ وہ ضرورت محسوس کرے وہ بنگال میں بھی صدارت کے فرائض انجام دے اس انتظام سے وہ تصادم رفع ہوجائیگا جس کا اندیشہ گورنر جنرل کے کلکتہ میں مستقل یا زیادہ قیام کرلنے کی حالت میں پیدا ہوسکتا ہے؛

گذشتہ واقعات لنے ہمارا تسلط اور ہمارا اثر ہندوستان کے دور دراز مقامات تک پہنچادیا ہے اس لئے ان مقامات کے انتظام کے لئے طرز حکومت میں تبدیلی کرلنے کی اشد ضرورت لاحق ہوگئی ہے۔ اس موضوع پر ایک اور کتاب میں مفصل بحث کی گئی ہے جس میں کہ مالوہ اور اس کے گرد و نواح کے علاقوں کے لئے ایک لفٹننٹ گورنر مقرر ہو لنے کی پرزور سفارش کی گئی ہے؛

لیکن یہاں صرف اس قدر کہدینا کافی ہے کہ ہماری سلطنت کی حقیقی حالت کو پیش نظر رکھکر نہ صرف وسط ہند[1] میں بلکہ ہمارے مقبوضات کے دیگر حصوں میں بھی مقامی حکومت قایم کرلنے کی ضرورت ہے۔ اس تدبیر سے ہماری رعایا میں اعتماد پیدا ہوگا اور ملک میں امن و امان قایم ہوجائیگا اور جب کبھی کوئی (۱۸۲۰) خطرہ رونما ہوگا تو بآسانی اس کی مدافعت ہوسکے گی۔ ان عظیم الشان فوائد میں ہم اس قدر اور اضافہ کرسکتے ہیں کہ اس انتظام کی بدولت ہم اپنے نظام حکومت میں ایسی ترمیمات بآسانی کرسکیں گے جن کی تائید تجربہ سے ہو اور جن کی ضرورت اس وجہ سے اور بھی محسوس ہورہی ہے کہ ان علاقوں کے باشندے جن پر ہمیں حکومت قائم کرنی ہے بلحاظ عادات و خصائل اور اپنی حالت کے ان صوبوں کی رعایا سے مختلف ہیں جن کے فائدے کے لئے ہم لنے ادارے قائم کئے تھے اور یہ بیان کردینا بھی کچھ کم ضروری نہیں ہے کہ انتظام کی اس اسکیم سے

[1] سنٹرل انڈیا کیلئے جو تجویز کہ مقامی حکومت قائم کرلنے کی پیش کی گئی ہے یہی تجویز دکن کے لئے بھی ہوسکتی ہے جس میں کہ ناگپور کا علاقہ اور خاص ہندوستان کے مغربی و شمالی علاقے شامل ہوں۔ مسٹر جیمس اسٹوارٹ لنے پولیس کے متعلق ایک فاضلانہ مضمون میں آخرالذکر ملک کے واسطے مقامی حکومت تجویز کی ہے (رپورٹ پنجم صفحہ ۸۶ھ)

ہماری قوت میں بھی اضافہ ہو گا اور بالآخر مصارف میں بھی کفایت ہوگی کیونکہ اس انتظام سے ہم اپنے بڑے بڑے محکموں میں تخفیف کر سکیں گے اور ہندوستان کے دل میں ہماری قوت و حکومت کی جو وقعت ہے وہ بھی قائم رہ سکیے گی اور اندرونی انتظام کے لئے ہم انھیں ملازم بھی رکھ سکیں گے۔ اکثر حضرات اہل ہند کو روشن خیال اور قابل بنانے کے تو حامی ہیں لیکن انھیں بڑے عہدے دینے یا صیغۂ راز میں ملازم رکھنے کے اس لئے مخالف ہیں کہ اہل ہند کو وہ جاہل بے ایمان اور بد اخلاق تصور کرتے ہیں۔ اگر ذرا سی دیر کے لئے بھی ان کے اس افسوسناک بیان کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو کیا کوئی شخص جسے فطرت انسانی یا انسان کی مختلف جماعتوں کا خفیف سا بھی علم ہے وہ اس بات کو تسلیم کر سکتا ہے کہ انسان کو ان تمام مواقع سے محروم کر لنے کے بعد جو نیک اور اعلیٰ کاموں کیلئے محرک بن سکتے ہیں محض اخلاقی یا مذہبی تعلیم سے شائستہ بنایا جا سکتا ہے ہم انھیں تعلیم دیکر انکی پست اور ذلیل حالت سمجھا سکتے ہیں جسے وہ اسوقت اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے لیکن اگر ہم اس بات کے خواہاں ہوں کہ علم و فضل حاصل کر کے وہ معلمین کے اور بھی زیادہ مطیع اور فرماں بردار ہو جائیں تو ہمیں چاہئے کہ ہم ان پر اعتبار کریں اور انکی عزت کریں۔ اگر ہم اس بات میں کامیاب ہو گئے کہ وہ خود اپنے آپ کو باوقعت سمجھنے لگیں تو دوسروں کی نگاہ میں بھی وہ بہت جلد باعزت ہو جائینگے ؎

۱؎ مسٹر جیمس اسٹوارٹ نے مذکورۂ بالا رپورٹ میں اس مسئلے پر بڑی قابلیت سے بحث کی ہے۔ وہ دریافت کرتا ہے کہ کیا ہندوستان کے باشندے اور قسم کی مخلوق ہیں جن کی دیانت داری محدود کر دی گئی ہے اور جن کو اصول مقرر کر کے ذلیل کر دیا گیا ہے (رپورٹ پنجم صفحہ ۱۸۰۵) یہی قابل افسر اہل ہند کی سوسائٹی کی درجہ بندی پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے اگر ہم ان کے پرانے اداروں کی بنیاد پر جدید عمارتیں بنانا چاہتے ہیں جو ان کے عادات و اطوار کے موافق ہوں اس کی ضرورت اور موجودہ نظام حکومت کے نتائج پر بحث کر کے وہ رائے پیش کرتا ہے کہ اگر ہم اسی حالت سے آگے کو بڑھتے جائینگے تو ان صوبوں میں عجیب قسم کی ایک عظیم الشان سلطنت نظر آئیگی جہاں کی حکومت اپنی رعایا کو انکی

باب ۱ (۱۴۲) اس بات کی ہرگز توقع نہیں کی جاسکتی ہے کہ ہم کسی زمانے میں بھی اہل ہند کے ساتھ معاشری اور قریبی تعلقات قایم کرنے میں کامیاب ہونگے۔ چونکہ ہم غیر ملکی ہیں اور ہمارے اطوار۔ ہمارا مذہب اور ہمارے جذبات ان سے بالکل مختلف ہیں اس لئے اپنی یہ امید بر آنے کی ہمیں ہرگز توقع نہیں لیکن ہمیں اپنی یہ کوشش مسلسل جاری رکھنی چاہیئے کہ وہ اپنی حالت سے مطمئن ہو جائیں اور اس کا سب سے زیادہ موثر طریقہ ان کو سرکاری ملازمت میں داخل کرنا ہے ہم اپنی حکومت کی نوعیت کی رو سے مجبور ہیں کہ ہم اپنی سیاسی اور فوجی قوت ان کے سپرد نہیں کرسکتے لیکن جو امر کہ ایسے خطرہ سے خالی ہو اس میں انھیں شریک کرلینے کی یہی ایک زبردست دلیل ہے لہذا اگر انھیں اس قسم کی تعلیم دی جائے جس سے کہ وہ اپنے ملک کے نظم ونسق میں حصہ لینے سے محروم رہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ یا تو وہ ہماری حکومت کے خلاف کوشش کرینگے یا وہ ایسی پستی کی حالتیں جا پہنچینگے کہ بجز کاہلی یا عیش پرستی کے ان کی زندگی کا کوئی اور مقصد ہی نہو گا ۔

ہندوستان میں ہماری عملداری کے ہر شعبے میں ایک بڑا نقص یہ ہے کہ ہم نظام حکومت میں یکسانی پیدا کرکے اہل ہند پر حکومت کرنے میں سہولت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اس طریقے سے چونکہ ذیلی معاملات کے سمجھنے میں قدرے سہولت ہوتی ہے لہذا جو لوگ کہ دارالحکومت میں مامور ہیں وہ ذیلی کاموں کی نگرانی کرنے کی اپنے میں پوری قابلیت تصور کرلیتے اور اس سبب سے وہ مقررہ قواعد وضوابط

(۱۴۳) سے ایک انچ بھی ہٹنا نہیں چاہتے اگرچہ مقامی حالات واقعات کی وجہ سے ان قواعد میں ترمیم کرنے کی کیسی ہی شدید ضرورت کیوں نہ ہو۔ اسی خیال اور حکومت کی محبت کی وجہ سے وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ کسی شخص کو ایسا عہدہ پارینہ دیا جائے جو اپنے اختیارات کی بدولت ان کے دباؤ اور ان کی متواتر نگرانی سے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ ہر ایک ایسی جائز آرزو سے محروم رکھے گی جس کے پورا کرنے کے لئے لوگ اپنی قابلیتوں کو ترقی دیتے ہیں اور اگر انہیں قابلیت موجود ہوتی ہے تو اس کے ذریعے سے وہ اپنے دل کو فراخ اور اپنی فہم وفراست کو بلند تر کرتے ہیں (رپورٹ پنجم صفحہ ۴۸۵)

باب ا

باہر ہو سکے یا جس کی وجہ سے ان کے اختیارات میں کچھ فرق آجائے۔ لیکن اب وقت آگیا ہے کہ امن قائم کرنے اور اپنے وسیع علاقوں کی مرفہ الحالی کو ترقی دینے کے مقابلے میں غیر اہم جزوی معاملات کے جملہ خیالات کو یک لخت ترک کر دیا جائے ہمارا تجربہ بتاتا ہے کہ یہ مقاصد صرف اسی تدبیر سے حاصل ہو سکتے ہیں جو ہم نے اوپر پیش کی ہے؛

نظام عدالت

جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے نظام عدالت کے متعلق رائے زنی کرنے کا فطرتاً رجحان پیدا ہوتا ہے جیسے ہم نے اولاً بنگال میں قائم کیا اور پھر اسے مدراس اور بمبئی تک وسعت دیدی۔ اس انتظام کی خوبیاں تفصیل سے بیان کرنے میں ایک جلد صرف ہوگی لیکن ہم اپنی تحقیقات کو صرف ایک مسئلہ تک محدود کرتے ہیں کہ جیسی عدالتیں ہم نے اپنے پہلے مقبوضات میں قائم کی ہیں آیا ان میں کچھ ترمیم یا اصلاح کرنی چاہیئے یا ایسی ہی عدالتیں ہم اپنے جدید مقبوضات میں بھی قائم کر دیں؛

برطانیہ عظمیٰ کی پارلیمنٹ نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ اہل ہند پر ان کے (ز ۱۴۲)
قوانین اور رسم ورواج کے مطابق حکومت کرنی چاہیئے۔ لیکن بنگال کی صدر کورٹ نے موجودہ نظام حکومت اس وجہ سے قائم کیا ہے کہ یہی نظام وہاں کے باشندوں کے لئے نہایت موزوں ہے چونکہ وہاں پر عرصۂ دراز تک مسلمانوں کی حکومت رہ چکی ہے۔ بنگال کی حکومت نے شرع شریف کو بمقابلہ دھرم شاستر اپنی عدالتوں میں رائج کرنے میں ترجیح دی چونکہ دھرم شاستر اسقدر مکمل نہیں جس پر کہ ہماری کوئی عدالت مقدمات کا تصفیہ کر سکے لیکن بنگال کے حالات جن کے لحاظ سے یہ عمل کیا گیا

لہ اس کا تعلق فوجداری قانون سے ہے کیونکہ سول قانون میں اہل ہند کے ہر فرقہ کے مذہب

باب۱ دوسرے علاقوں کے حالات سے بہت مختلف ہیں اس بات کے بار بار دہرانے
کی ضرورت نہیں کہ ہندوستان نہ ایک قوم ہے اور نہ اس ملک میں خاص تنظیم قایم ہے بلکہ
یہاں مختلف قومیں آباد ہیں اور متعدد نظام حکومت قایم ہیں تقریباً ہر ایک صوبے
کے رسم ورواج یا بالفاظ دیگر وہاں کے قوانین اس کے قریبی صوبہ کے قوانین سے
بالکل مختلف ہیں اگرچہ یہ کہنا درست ہے کہ یہ رسم ورواج تحریری نہیں ہیں لیکن
نامعلوم زمانے سے اُن پر بطور قانون کے عمل کیا جاتا ہے اور ہندؤں
کے رسم ورواج اور ہندوانہ اداروں سے ان کا قدیمانہ تعلق چلا آتا ہے۔
مسلمانوں نے ہندوستان کو مکمل طور پر کبھی فتح نہیں کیا اور ہندوستان کے
ایک بڑے حصّے کا اندرونی انتظام باجگذار ہندو راجاؤں اور ہندو (۱۴۵)
سرداروں ہی کے ہاتھ میں رہا اور ہندوستان کے دیگر حصوں میں بھی ہندو
رسم ورواج میں بجز ظالمانہ اور جبریہ کارروائیوں کے مواقع کے شاذونادر ہی
مداخلت کی جاتی تھی اس لئے ہم اسے تسلیم کرتے ہیں کہ اگرچہ مسلمانوں میں حکمانہ
اسپرٹ موجود تھی اور وہ ہندوؤں کو بحیثیت غیر مسلم ہونے کے ذلیل وحقیر
تصور کرتے تھے لیکن مسلمانوں کا اسلامی قانون ہندو رعایا میں برائے بیت[له]
جاری تھا اور ان پر ان ہی کے قانون سے حکومت ہوتی تھی[له]
نظام عدالت قایم ہونے کے بعد اصلی قانون قواعد وضوابط کی جلدوں
میں دفن ہوگیا کیونکہ متواتر اس بات کی ضرورت واقع ہوتی رہی کہ ہم اسے
اپنی حکومت کے اصولوں کے مطابق ڈھال لیں۔ کمپنی کے نہایت قابل ملازمان

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ اور رسم ورواج کا لحاظ رکھا گیا ہے عدالتوں کی اشکال اور
نوعیت ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کی عدالت سے اخذ کی گئی ہے۔

له یہ صحیح ہے کہ تقریباً ہر ایک قصبہ اور ہر ایک گاؤں میں ایک قاضی مقرر تھا لیکن جہاں
پر کہ ہندو آبادی کی کثرت ہوتی وہاں پر قاضی صرف اپنی قوم والوں کے مقدمات طے کرتا
تھا تحقیقات سے یہ ایک عام قاعدہ معلوم ہوا۔ ظلم وستم کے واقعات اس سے مستثنیٰ
ہیں[له]

باب ۱ محکمۂ عدالت میں مامور کئے گئے ہیں لیکن ہم یہ بھی بتائے دیتے ہیں کہ اگرچہ عدالتوں پر ہم زرکثیر صرف کرتے ہیں اور ان میں نہایت قابل اور دیانت دار اور محنتی اصحاب مقرر کئے گئے ہیں اور ان عدالتوں کے قیام کی وقت یہاں کے باشندوں کے حقیقی یا فرضی تعصبات کا بھی لحاظ رکھا گیا تھا۔ تاہم ان عدالتوں کو رعایا میں ہر دل عزیزی حاصل نہیں ہوئی ہے لہ

(۱۴۶) جو کچھ کہ بیان کیا گیا ہے وہ اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ ہندوستان میں یہ عدالتیں ہر دلعزیزی حاصل نہیں کر سکتیں اور مسلمانوں کے متعلق بھی ہم اس بات کو تسلیم کر سکتے ہیں کہ دیوانی اور فوجداری کے قوانین میں بہت سی ترمیمات ہونے اور عیسائی جج کے کرسی عدالت پر بٹھالنے سے قانون کی بہت کچھ رغبت اور اس کا خوف مسلمانوں کے دل سے جاتا رہا ہے جو قرآن شریف کے قائم کئے ہوئے قانون کا ان کی نظر میں تھا۔ تمام فرقوں کے عام خیالات سے یہ نتیجہ اخذ کر کے اور سوسائٹی کی موجودہ حالت کو مدنظر رکھ کر ہمیں ہرگز تعجب نہ کرنا چاہیئے کہ اعلیٰ طبقے کے ہندو اور مسلمان ایک ایسے نظام عدالت کے اجراء سے غیر مطمئن ہو گئے ہیں جس کی رو سے نہایت سخت اور بے لاگ انصاف کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور جس میں خاص اشخاص اور ان کے تعصبات کا کچھ خیال نہیں کیا جاتا بلکہ عام اصول انصاف اور قانونی الفاظ کی پابندی کی

لہ بنگال کا ایک مشہور اور تجربہ کار سولین قانون فوجداری کے متعلق حسب ذیل رائے ظاہر کرتا ہے جو ہم نے مسلمانوں سے لیا ہے "ہزاروں پنڈتوں (یا مولوی معلمین یا فاضل لوگ) میں سے ایک ہندو بھی عربی کا تو کیا ذکر فارسی بھی اچھی طرح نہیں پڑھ سکتا ہے اور جب یہ لوگ ان کتابوں کا پڑھنا بھی پاپ سمجھتے ہیں جن میں کہ یہ قانون درج ہے تو اس حقیقت کا معلوم کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ ہندو قوم ان قوانین سے ناآشنا ہے اور آئندہ بھی لاعلم رہیگی جن سے کہ ان کا وجود اور ان کی آزادی وابستہ ہے (مراسلہ منجانب مسٹر فورڈسکو قائم مقام جج متعینۂ بنارس بنام چیف سکرٹری ہیلی از جون پور مورخہ ۱۷ فروری ۱۸۱۶ء)

باب ۷ جاتی ہے ؎

(۱۴۷) اس کتاب کی نوعیت ہمیں اجازت نہیں دیتی کہ ہم ایک ایسے مسئلہ پر تفصیلی بحث کریں جس کی بابت عدالتی محکموں کی طرح نہایت قابل حضرات کی رائیں مختلف قسم کی ہیں۔ کسی انتظام کی غلطیاں بتا دینا زیادہ آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ نقائص رفع کرنے کے لئے کوئی تجویز پیش کی جائے اور ایسی تجویز کو جس کے متعلق کسی قسم کا تجربہ اور آزمائش نہ ہوئی ہو بہتر ثابت کر دیا جائے۔ تقریباً سب لوگ اس رائے سے متفق ہیں کہ ہمارے نظام عدالت میں چند نقائص ضرور موجود ہیں ؎

رعایا کی یہ ایک مستقل شکایت ہے کہ جو عدالتیں ہم نے قائم کی ہیں ان میں روپیہ اور وقت بہت صرف ہوتا ہے اور اگرچہ سب لوگ انگریز ججوں کی ایمانداری کو تسلیم کرتے ہیں لیکن اسی کے ساتھ ماتحت ہندوستانی ججوں کو لوگ عام طور پر مغرور اور راشی جانتے ہیں جو زیادہ تر اس وجہ سے بدنام ہیں کہ اُن میں سے بیشتر ادنیٰ طبقے کے ہندوستانیوں میں سے لئے گئے ہیں ؎

رُہیلکھنڈ میں ہماری عدالتوں کے متعلق جو تعصبات موجود ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں پر مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے جیسا کہ پیشتر بیان[1] ہو چکا ہے وہاں کے متعدد ججوں اور کمشنروں کی رائے پر زور الفاظ میں بیان کر دی گئی ہے اور بنگال کے بہت سے تجربہ کار اور قابل سول افسروں کی رائے بھی اس واقعہ کی تائید میں پیش کی جا سکتی ہے کہ اس صوبے میں اس نظام عدالت کی کافی آزمائش

(۱۴۸) ہوئی اور اس میں بیحد مایوسی کا سامنا ہوا اور باوجود ان اصلاحوں کے جو نظام عدالت میں کی گئی ہیں افسوس نیک نیت بانی کے سوچے ہوئے مقاصد حاصل کرنے کے لئے ابھی بہت کچھ اصلاحات کرنے کی ضرورت باقی ہے۔ اس کے بیان کرنے سے یہ غرض نہیں ہے کہ ہماری عدالتیں قائم ہونے سے بڑے فوائد نہیں پہنچے ہیں حکومت نے نہایت عمدہ اصولوں پر عمل کیا ہے اور نظام عدالت کی اصلاح

[1] جلد اول صفحہ ۵۸۶ ؎

باب ۱

میں بڑی سخت محنت اور دانشمندی سے کام لیا گیا ہے اور بنگال و بہار کے صوبوں میں مسلسل چالیس سال تک امن و امان قائم رہنے سے یہ بات قطعی ناممکن تھی کہ اس طویل مدت میں نظام عدالت سے کچھ فائدہ نہ پہنچتا اور یہ بات بھی تسلیم کر لی گئی کہ ہماری موجودہ رعایا بہ نسبت ابتدائی زمانے کے اب اس نظام عدالت سے زیادہ راضی اور خوش ہے۔ اس لئے اگر کوئی ایسی ترمیم پیش کی جائے جس سے کہ یہ قدیم نظام مسدود ہو جائے تو ہمارا یہ خیال فی الحقیقت احمقانہ اور خلاف مصلحت ہو گا لیکن ہر شخص یہ مانتا ہے کہ اس کے نقائص رفع کرنے کیلئے ہمیں اپنی ان تھک کوششیں جاری رکھنی چاہئیں لے ؎

(۱۲۹) تاخیر اور مصارف کم کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے ؎ کہ ہندوستانی حکام عدالت کے لئے تعلیم کے بہترین وسائل فراہم کئے جائیں ان کے ملازم ہونے میں

لہ ہمارے موجودہ نظام عدالت میں یہ نقائص بیان کئے جاتے ہیں کہ اس سے مقدمہ بازی کا شوق پیدا ہوتا ہے مقدمات کے فیصلے میں بہت تاخیر ہوتی ہے مقدمات میں روپیہ بہت صرف ہوتا ہے۔ چونکہ قوانین خاص مقدمات کی ضروریات کو مدنظر رکھ کر بنائے گئے ہیں اور عام اصولوں پر مبنی نہیں ہیں اس لئے ان میں بہت زیادہ تنگ خیالی موجود ہے اور وہ اس قدر پیچیدہ اور تعداد میں ضخیم ہو گئے ہیں کہ ان کے متعلق مکمل معلومات حاصل ہونا ناممکنات سے ہے اور اس وجہ سے صرف معدودے چند حضرات ہی انھیں سمجھتے ہیں اور جو ہندوستانی کہ قانون کا مطالعہ کرتے ہیں ان میں سے بیشتر حضرات کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ قانون کی پیچیدگی سے کسی جرم کو چھپا کر فائدہ اٹھائیں یا قانون کی مدد سے دوسروں کو دھوکہ دیکر سزا سے بریئت حاصل کر لیں ؎

سے ہندوستانی عدالتی افسران کو سرکاری درسگاہوں میں تعلیم دینی چاہئے جو صرف قانونی پیشہ کے خیال سے نہیں بلکہ عام اصلاح کے اصولوں پر قائم کی جائیں اور کسی وکیل کو وکالت کرنے کی اجازت نہ دینی چاہئے تاوقتیکہ وہ نیک چلنی کا صداقت نامہ پیش کرے ہمیں چند عہدے مالی فائدے اور عزت کے قایم کرنے چاہئیں جن کے حصول کے لئے

بائٹ خاص خاص قابلیتوں اور واجب الاحترام کیرکٹر کی شرط لگائی جائے۔ ہندوستانی کمشنروں کو زیادہ تعداد میں ملازم رکھا جائے انھیں زیادہ وسیع اختیارات دیئے جائیں اور ہندوستانی کمشنروں کی عدالتوں نیز پنچایتوں کے دائرۂ عمل کو وسعت دیجائے[1] (۱۵۰)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ دیانت دار اور قابل آدمی کوشش اور خواہش کریں اور جو ہندوستانی ان عہدوں کے اہل ہونگے اور اس قابل فخر امتیاز کے حاصل کرنے کے کوشاں ہونگے ان کی اپنے ہم وطنوں کی نظر میں عزت و توقیر بڑھ جائیگی۔ اس قسم کی اصلاح سے موجودہ نظام عدالت کو بہت زیادہ فائدہ پہنچیگا۔

[1] سنہ ۱۸۲۱ء میں ہندوستانی کمشنروں کو ۵۰۰ روپیہ تک کے دعوے کے مقدمات طے کرنے کا اختیار دیدیا گیا ہے اس تجربے میں کامیابی حاصل ہونے پر اُن کے اختیارات میں مزید اضافہ کرنا ہوگا اور ہم امید کرتے ہیں کہ غالباً پھر کوئی ایسا زمانہ بھی آئیگا جبکہ ضلع کے جج کو ماتحت عدالتوں کے مرافعوں کے علاوہ معدودے چند مقدمات طے کرنا ہونگے۔

جو حضرات کہ پنچایتی عدالتوں کے مخالف ہیں وہ اکثر یہ کہتے ہیں کہ حکومت ہند کے کاغذات سے ثابت ہوتا ہے کہ پنچایتی عدالتیں ہر دلعزیز نہیں ہیں کیونکہ اہل ہند دوسری عدالتوں کی طرح ان کی طرف زیادہ رجوع نہیں ہوتے۔ اس کی وجہ کسی دوسرے مقام پر بیان کر دی گئی ہے۔ ہندوستانی فرماں رواؤں کے زمانے میں جب کبھی شکایتیں ہوتیں یا مقدمات دائر کئے جاتے تو شاہ وقت خود مختارانہ حکم دینے کے بجائے انصاف اور اعتدال کے خیال سے ان شکایتوں اور مقدمات کی تحقیقات کے لئے پنچایت مقرر کرنے کا حکم دیتا تھا جو شخص ان اصولوں سے واقف ہیں جن پر کہ ان حکومتوں میں عملدرآمد ہوتا تھا نیز خیالات سے آگاہ ہیں جو ہندوستانی والیان ملک کی رعایا کے تھے کیا وہ اس بات کو مان سکتے ہیں کہ ایسی صورت میں مدعی یا مدعا علیہ اپنے کو آزاد تصور کرتا تھا۔ معاملے کی نوعیت خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہو کیا وہ اپنے مقدمے کی تحقیقات کے لئے پنچایت کے سپرد ہولنے کی مخالفت کر سکتا تھا (حالانکہ اسے اس بات کا حق حاصل تھا) لیکن وہ جانتا تھا کہ اس طرح اس کا انکار کرنا غرور سمجھا جائیگا اور پھر اُسے سرسری اور سخت سے سخت کارروائی کا نتیجہ بھگتنا پڑیگا۔ لیکن حکومت برطانیہ کے دور میں لوگوں کو اس قسم کا کوئی اندیشہ

باب ۵

لیکن اشد ضرورت اس بات کی ہے کہ جملہ قواعد وضوابط پر نظر ثانی کی جائے اور ایک مکمل قانون مدون کیا جائے اور اس کام کی تکمیل کے واسطے نہایت قابل حکام سے کام لیا جائے[1]۔ انھیں زیادہ قانون داں ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ ایسے افسروں (۱۵۱) کی ضرورت ہے جن کے دل کسی خاص نظام کے متعلق تعصبات سے مبرا ہوں اور جو گذشتہ حالات اور تجربات سے پورے طور پر کام لے سکیں۔ اس کام کی تکمیل میں جو کچھ خرچ ہو وہ کم ہے کیونکہ یہ قانون غالباً چنداں ضخیم نہ ہوگا تاوقتیکہ ہم ایک ہی قانون سارے ہندوستان کے لئے نہ قرار دیں۔ ہماری رائے میں ہر ایک صوبے کے لئے ایک اور تضمینی قانون بنانا چاہئے جس میں وہاں کے باشندوں کے رسم ورواج اور ان کے مخصوص خصائل کا خاص طور پر لحاظ رکھا جائے اس موقع پر ہم اپنی یہ رائے بھی ظاہر کرتے ہیں کہ عدالتی نظام کی توسیع کرنے میں ہم زیادہ احتیاط سے کام نہیں لے سکتے ہیں اس کے تجربہ کے لئے ہماری عملداری میں بنگال اپنے باشندوں کی اطاعت کیشی کے باعث نہایت موزوں مقام تھا شمالی ہند میں اس کا اجرا زیادہ خطرناک ثابت ہوا اور مالوہ وراجپوتانہ کے ہندو باشندے اس نیکی کو اپنے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ نہیں ہوتا ہے اور تاوقتیکہ ان عدالتوں میں بعض مقدمات کے طے ہونے کے لئے کوئی خاص حکم نہ دیدیا جائے ان عدالتوں میں فیصلہ کرانے کے لئے ایک فی صدفریقین بھی رضامند نہیں ہونگے۔ مدعی اور مدعاعلیہ یہ سوچا کرتے ہیں کہ اپنا مقدمہ پنچایتی عدالت سے طے کرانا یا ضلع کی عدالت میں دائر کرنا ہمارے حق میں زیادہ سودمند ہوگا اور جب دونوں کی رائے میں اختلاف ہوتا ہے تو بالآخر وہ ضلع کی عدالت میں اپنا مقدمہ دائر کرتے ہیں لیکن اس نتیجے کو ضلع کی عدالتوں کی فضیلت ثابت کرنے میں لبطور مسلمہ ثبوت کے نہیں پیش کرنا چاہئے۔ قبل اس کے کہ اس حقیقت کو تسلیم کیا جائے دریافت طلب یہ بات ہے کہ آیا اسے ایماندار لوگ پسند کرتے ہیں یا بدمعاش (بحوالہ سنٹرل انڈیا جلد دوم صفحہ ۲۹۶)۔

[1] ہماری عملداری کے مختلف مقامات کے قابل لوگ اپنی معلومات اور مشوروں سے ایسے اصحاب کو بہت کچھ امداد دیں گے۔

باب ۱ حق میں نہایت مضر خیال کرینگے۔ کیونکہ ان کے عادات واطوار اور رسم ورواج میں مسلمانوں کی عملداری میں بھی کوئی نمایاں تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ اس مسئلہ پر دوسری جگہ بحث کی گئی ہے اور مقدمات فیصل کرنے کے لئے ایک تجویز پیش کردی گئی ہے جو ان علاقوں کی حقیقی حالت کے واسطے زیادہ موزوں ہے۔ ہم محولۂ بالا
(۱۵۲) کتاب کا اقتباس پیش کئے دیتے ہیں کیونکہ اس تجویز کے اصولوں کو ہم کسی اور بہتر طریقہ سے ظاہر نہیں کرسکتے ہیں مولف کہتا ہے کہ "فرض کرو کہ اگر وسط ہند میں ایک مقامی حکومت قائم کردی جائے جو وہاں کے انتظام کے لئے نہایت موزوں و مناسب ہو تو جہاں تک کہ عام اصولوں کا تعلق ہے یہ بات طے کردینی چاہیئے کہ وہ اپنے کاموں کو کس طور پر انجام دیگی۔ اب اس کے متعلق پہلا سوال یہ ہے کہ وہ عدالتی کام کس طور پر انجام دیگی۔ عدالتی مقدمات خواہ اسی علاقہ کے ہوں یا ماتحت ریاستوں نے اس کے فیصلے کے واسطے بھیجے ہوں۔ قبل اس کے کہ اس موضوع پر بحث کی جائے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وسط ہند جیسے علاقے کی اول خصوصیات بیان کردی جائیں۔ اس مسئلہ کا نہایت ضروری جزیہ ہے کہ عدالتی انتظامات کی تنظیم وساخت میں ہم اپنے قوانین۔ اصول اور تعصبات کا خیال رکھینگے یا اپنی رعایا کے قوانین اصول اور تعصبات کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔ ہمیں اولین اصول یہ قرار دیدینا چاہیئے کہ کوئی نظام حکومت ہرگز کارآمد نہیں ہوسکتا جبتک کہ وہ لوگ جن کے فائدے کے لئے وہ بنایا گیا ہو اسے پورے طور پر سمجھ لیں اور پسند نہ کرلیں۔ جبتک کہ اس حکومت کی نیک نیتی کا یقین نہ ہوجائے جس کے تحت لوگ رہتے ہیں اس وقت تک رعایا کے دل میں محبت ہونا تو درکنار حکومت کی طرف سے ائسے اطمینان تک نہیں پیدا ہوسکتا ہے اور یہ بات اس وقت تک پیدا ہونی ممکن نہیں جب تک کہ سب لوگ حکومت کے اصول نہ دیکھیں نہ سمجھیں۔ اگر ہمارا نظام حکومت رعایا سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ ہے
(۱۵۳) اور اگر وہ ایسے اصول پر مبنی ہے جنھیں رعایا نہیں سمجھتی اور اس کی ساخت اور

ؔ بحوالہ سنٹرل انڈیا جلد دوم صفحہ ۲۸۴ ؔ

اس کا طریق عمل ان کے حالات اور جذبات کے خلاف ہے تو پھر اس کے بدلے باب ۱
میں رعایا ہماری مطیع نہ ہوگی اور نہ ہم پر وہ کسی قسم کا اعتماد کریگی۔ ان باتوں کے
حصول کے لئے ہمیں اپنی رعایا سے میل جول پیدا کرنا چاہیئے۔ ہندوستانیوں کی
امداد کے بغیر ہندوستان کبھی ہرگز فتح نہیں کر سکتے تھے اور اب صرف انھیں کی
اعانت سے ہم اسے اپنے قبضے میں رکھ سکتے ہیں۔ ہماری اصلی حالت نے اس ضرورت
کو اور بھی زیادہ لازمی ولابدی کر دیا ہے۔ ہمیں اس کی ضرورت نہیں کہ ہم اُتر کر
ان کے معیار پر آجائیں لیکن ہمیں اپنی موجودہ اصلی یا مفروضہ بلندی سے اس قدر
نیچے تو ضرور اُتر آنا چاہیئے جہاں پر کھڑے ہو کر ہم انھیں یہ ترغیب دے سکیں کہ
ترقیات کے کام میں آپ ہمارا ساتھ دیجئے۔ جب کبھی سوسائٹی میں اہم اور
سودمند انقلاب پیدا کرنا مقصود ہو تو اس کی تکمیل کے لئے یہ امر ضروری ہے
کہ اصلاحات خود سوسائٹی کے اندر کی جائیں نہ یہ کہ اُس سے بلند معیار کے
اشخاص اپنے خود ساختہ اصلاحات یا ایسی ترمیمیں جنھیں معدودے چند روشن
خیال حضرات مفید تصور کرتے ہوں اس میں داخل کر دیں۔ ہر ایک سُر کے
ملانے ہی سے ساز بولتا ہے اس لئے جو لوگ کہ بڑی قوموں میں اصلاح کرنے کے
خواہاں ہوتے ہیں وہ مجبور ہو کر اصلاح کرتے ہوئے ڈرتے ہیں اور استدلال
سے گھبراتے ہیں کیونکہ اس قوم کا بڑا حصہ جس کا فائدہ پیش نظر ہوتا ہے حقیقی
معنوں میں ذی عقل نہیں ہوتا اور یہ بات صاف ظاہر ہے کہ کوئی تجویز اس
وقت تک سودمند نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ لوگ خود اُسے نہ سمجھ لیں اور
مفید نہ تسلیم کر لیں جنھیں فائدہ پہنچانے کی غرض سے وہ پیش کی گئی ہو یہی دلیل
ان جملہ قانونی تدابیر پر بھی منطبق ہوتی ہے جو ہم نے اختیار کئے ہیں یا اپنی مشرقی
سلطنت میں ہم آیندہ اختیار کریں گے لیکن سر دست ان کے نتائج کو صرف ان تدابیر
تک ہم محدود کرتے ہیں جو وسط ہند کے لئے ضروری ہیں اس صوبے کے باشندے (۱۵۴)
زیادہ تر ہندو ہیں اس لئے اس صوبے میں مسلمانوں کا نامکمل قانون جاری کرنا

سلہ وسط ہند میں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب ایک اور ۲۱½ کا ہے (بحوالہ صفحہ ۲۲۵) اور راجپوتانہ میں مسلمانوں کی آبادی اس سے بھی کم ہے ؏

باب ۱

جن کی آبادی وہاں پر پانچ فی صدی بھی نہیں ہے انگریزی قانون کے اجرا جیسی جدت ہوگی اور متذکرہ وجوہ سے ہمارا یہ فعل ہندو رعایا کے جذبات کے سخت خلاف ہوگا اگر ہم وہاں کے باشندوں کو رضامند کرنا چاہتے ہیں اور ان کی اعانت سے فائدہ اٹھانے کے خواہاں ہیں تو ہمیں چاہئے کہ ہم وہاں پر ایسا طریقۂ حکومت جاری کریں جس سے وہ آشنا ہیں اور جسے وہ اچھی طرح سمجھتے ہوں اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ ہم پنچایتی عدالتوں کو برقرار رکھیں اور انھیں دوبارہ تقویت پہنچائیں"

پولیس

ہماری ہندوستانی رعایا کا کثیر طبقہ اپنے فطری تحمل اور خموشش عادتوں کے باعث دیگر اقوام کی طرح عمدہ پولیس کی بہت قدردانی کرتا ہے تاکہ اطمینان کے ساتھ وہ زندگی کے پرامن کام انجام دیتی رہے۔ اس بات کو وہ عموماً پسند کرتے ہیں اور وہ جس حکومت کے تحت رہتے ہیں اس کی وقعت کا اندازہ اس کی اس کامیابی سے کرتے ہیں جو وہ دیگر امور کے علاوہ انھیں۔ چور۔ ڈاکو (۱۵۵) اور قاتلوں سے محفوظ رکھنے میں ظاہر کرتی ہے۔ بندوبست استمراری کے زمانہ میں پولیس کے جو فرائض بنگال میں قرار دئے گئے تھے ان میں کامیابی نہیں ہوئی۔ ایسے زمانے میں اس انتظام کی ناکامی فی الحقیقت نہایت دہشت ناک تھی۔ اس مسئلے پر لوگوں کی رایوں میں اختلاف تھا کہ جن لوگوں کے سپرد پولیس کا انتظام

۲؎ لارڈ منٹو نے اپنے مراسلہ مورخہ مئی سنہ ۱۸۱۰ء میں تحریر کیا تھا کہ دیگر سینکڑوں ثبوتوں کے علاوہ جو شہادتیں کہ حال میں پیش ہوئی ہیں ان سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ ڈکیتیوں اور قتل کی وارداتوں کے علاوہ نہایت ظالمانہ جرائم کئے جاتے ہیں۔ اس میں وہ اس قدر اور اضافہ

کیا گیا تھا۔ رہا ان کی کاہلی اور نالایقی سے ناکامی ہوئی یا خود اس نظام میں زبردست بانب
خرابیاں تھیں۔ لیکن یہ بات صاف طور پر نمایاں تھی کہ اگرچہ ہم اپنے ان فیاضانہ اور
آزادانہ اصول پر نازاں تھے جن پر کہ عدالت اور مال کا نظام قایم کیا گیا تھا
تاہم کلکتے کے قریبی اضلاع میں ڈاکو اور قاتل اس درجہ لوٹ مار کر رہے تھے جس کے
باعث سالہا سال تک جان و مال اس قدر غیر محفوظ تھا جس قدر کہ نہایت وحشی ممالک
میں بھی نہ ہوگا۔ اس آفت کو رفع کرنے کے لئے نہایت زبردست کارروائیاں کی
گئی ہیں اور اس وقت سے انگلستان اور ہندوستان دونوں کی حکومت پولیس کے (۱۵۶)

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ کرتا ہے کہ ہمیں یہ ہرگز فرض نہ کرنا چاہئے کہ یہ جرائم شاذ و نادر یا کسی خاص ضلع تک محدود ہیں بلکہ انکا ارتکاب بنگال کے ہر ایک ضلع میں ہو رہا ہے۔ حکومت کے معتمد خاص مسٹر ڈاڈویل نے محکمۂ پولیس کی رپورٹ میں نہایت قابلیت کے ساتھ تحریر کیا ہے کہ اگر میں ڈاکوؤں کے مظالم کا ہزارواں حصہ بھی بیان کروں اور رعایا کی تکالیف اور مصیبتوں کو ظاہر کروں اور اس کے بیان کرنے میں نہایت نرم اور ملائم الفاظ بھی تحریر کروں تب بھی میرا بیان قابل یقین لقصور نہیں ہوگا۔ ڈاکوؤں کے مظالم کی داستان سے کئی ضخیم جلدیں پر ہو سکتی ہیں جن کی ہر ایک سطر پڑھ کر خوف اور غصہ کے مارے خون تاؤ کھانے لگے گا۔

مسٹر ایڈورڈ اسٹریچی جج نے جنھیں دورہ کرنے کی وجہ سے ان وارداتوں کے دیکھنے کا بہت زیادہ موقع ملا ہے اپنے مراسلہ مورخہ ۱۳؍ جون ۱۸۰۸ء بنام مسٹر ہیلی رجسٹرار نظامت عدالت میں اپنی حسب ذیل رائے تحریر کی ہے کہ اکثر کہا گیا ہے کہ راج شاہی میں بہت زیادہ ڈکیتیاں ہوتی ہیں لیکن اگر ان کی وسیع حد معلوم ہو جائے اور اگر خوف و دہشت۔ قتل۔ آتش زنی اور دیگر سخت مظالم کی وارداتوں کی کیفیت حکومت کے روبرو پیش کر دی جائے جن کا یہاں پر مسلسل ارتکاب ہو رہا ہے تو مجھے یقین کامل ہے کہ حکومت ضرور کوئی مناسب تدبیر ان کے دفعیہ کے لئے اختیار کریگی بیشک ہر ایک سرکاری ملازم رعایا کو قتل و غارت گری اور لوٹ مار سے محفوظ رکھنے کا دل سے خواہاں ہے لیکن رعایا کی حالت موجودہ پر پوری توجہ نہیں کی جاتی ہے اور موجودہ پولیس کا خراب

باب۱ مسئلے پر بہت زیادہ توجہ کر رہی ہے"۔

مدت سے یہ مسئلہ زیر بحث ہے کہ آیا ہم حاکم ضلع کو عدالتی اختیارات بھی عطا کریں یا نہیں ہمارے ایسا کرنے پر جو اعتراض کئے جاتے ہیں وہ یا تو اُن عام دلائل پر مبنی ہیں جو دیگر مملکتوں کی عمارد آمد کی مشابہت پر قائم کیگئی ہیں یا انکی بنیاد اُس رشک و حسد پر ہے
(۱۸۵۷) جو دستور انگلستان کو اختیارات کے غلط عائد کرنے پر پیدا ہوتا ہے اور جسکا قائم رکھنا ہمیں اپنی ہندوستان کی حکومت میں ضروری ہے۔ مگر اس حد تک جہانتک ہم بغیر اپنے وسائل کو نقصان پہنچائے اسے قائم رکھ سکیں۔ اور جو لوگ حاکم ضلع کو عدالتی اختیارات دینے کے حامی ہیں وہ بھی یہی دلیل پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ چونکہ حاکم ضلع کے فرائض منصبی اس قسم کے ہیں کہ اس کا اپنے ضلع کی رعایا سے میل جول ہوتا ہے اس لئے جرائم کے انسداد اور مجرموں کی گرفتاری میں دیگر اشخاص کے مقابلے میں زیادہ سہولت ہوگی اس سے انکار نہیں کہ اُسے اس حیثیت سے جو اختیارات حاصل ہونگے اور اس کی بدولت جو قوت اسے حاصل ہوگی اس کا گاہے ماہے بیجا استعمال ہوسکتا ہے لیکن ایسی شاذ و نادر نامناسب کارروائیوں سے جو خرابی پیدا ہوگی اس کا بدل ان خوبیوں سے ہوجائیگا جو اس کی وساطت سے پولیس کی اصلاح سے پیدا ہونگی"۔

مرقومہ دلائل یقیناً انگریزی اصولوں سے نہیں ہیں بلکہ ایشیائی قسم کے ہیں لیکن اس لحاظ سے وہ کچھ کم توجہ کے لائق نہیں ہیں کیونکہ یہاں پر زیر بحث یہ مسئلہ نہیں ہے کہ ہمارے خیالات اور جذبات کیا ہیں بلکہ سوال تو یہ ہے کہ کونسی کارروائی نہایت سودمند ہوسکتی ہے اور کونسی تدبیر ہماری مشرقی رعایا کی حفاظت اور خوشحالی کا موجب ہوگی اور اگر ایک سول حاکم کے سپرد مجسٹریٹی کے فرائض کے علاوہ کوئی اور کام نہ ہو تو اس پر یہ زبردست اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر اس میں ایسی قابلیت موجود ہے کہ وہ اپنے عہدے کے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دیتا ہے تو اسے کسی اور عہدے پر ترقی دیدینی چاہئے اور محکمۂ پولیس سے زیادہ اہم کوئی اور محکمہ نہیں

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ نامکمل اور نامعقول انتظام محض ایک قسم کا تمسخر ہے۔
(بحوالہ رپورٹ پنجم دکاغذات وصولی مالگذاری)

باب ۱۱

ہو سکتا ہے جہاں اس کا تجربہ نہایت کارآمد ہوگا اس تجویز میں بڑی خوبی یہ ہے کہ جو شخص ترقی کر کے حاکم عدالت کے عہدے پر پہنچنا چاہتا ہے اس کی تربیت اس محکمے میں بہت عمدہ ہو جاتی ہے لیکن اس تربیت کی صرف اس صورت میں ضرورت (۱۵۸)
ہوگی جبکہ عدالت اور مال کے محکمے ایک دوسرے سے علیحدہ رکھے جائیں۔ ایک نامور عہدہ دار مال کی یہ رائے نہایت درست ہے کہ نائب حاکم ضلع کو روزمرہ کاشتکاروں اور زمینداروں سے زبانی گفتگو کرنی ہوتی ہے اُسے ہر ایک سرکاری کام کے سلسلے میں کاشتکاروں اور زمینداروں کے عادات وخصائل اور معاشرتی حالات اور بیرونی تعلقات کا علم رہتا ہے اسے اُن کے شخصی اثرات کا اندازہ ہو جاتا ہے اور اسی بنا پر اُسے ان کی باہمی ضروریات۔ آپس کے تعلقات اور بالآخر حکومت کے تعلقات بآسانی معلوم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح وہ اُن کے ارادوں اور متحرکات سے واقف ہو جاتا ہے اور اپنے فرض منصبی کی نوعیت کے باعث وہ تحکمانہ طور پر اپنی رائے کا ان پر اثر نہیں ڈالتا بلکہ بطور مشیر اور ثالث کے وہ ان کے معاملات میں دخل دیتا ہے اور انھیں اپنا ہم خیال بناتا ہے ؎

وہ لکھتا ہے کہ ایک نائب مجسٹریٹ کی حالت اس سے کس قدر مختلف ہے اُسے ہر ایک مقدمے میں فوراً ہی جج کا کام کرنا پڑتا ہے اور جو مقدمات اسے روزانہ فیصل کرنے پڑتے ہیں ان کے متعلق قبل از قبل معمولی واقفیت حاصل کرنے کا بھی موقع نہیں ملتا۔ البتہ کچھ مدت تک اس خدمت کو انجام دینے کے بعد وہ اپنی رہنمائی کے واسطے چند قواعد تیار کر سکتا ہے جو اُسی کے فیصلوں کی یکسانیت یا دیگر اسباب پر مبنی ہو سکتے ہیں لیکن کام شروع کرنے کے وقت اس کے پاس کوئی مواد اس قسم کا موجود نہیں ہوتا جس
سے کہ وہ چند اصول قائم کر سکے۔ لوگوں کے عادات و اطوار سے چونکہ وہ قطعی ناآشنا (۱۵۹)
ہوتا ہے اس لئے مقدمات کی ہر ایک بات اُسے نئی اور تعجب خیز معلوم ہوتی ہے۔ اس طرح اولاً کسی معاملے کا تصفیہ کر دینا اور بعد میں اُس معاملے کو سمجھنا در حقیقت ایک احمقانہ حرکت ہے ؎

اس بات سے وہ یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ جب مددگار مال کام شروع کرتا ہے تو اس کے رعایا کے ساتھ بے تکلفانہ تعلقات ہوتے ہیں اور حاکم عدالت جب کام شروع

کرتا ہے تو وہ رعایا سے بالکل الگ تھلگ رہتا ہے وہ اپنے کو ان سے افضل سمجھتا ہے اور اُس میں تحکمانہ غرور ہوتا ہے اول الذکر اس عجیب و غریب قسم کی حکمت عملی کے مختلف اجزا اور ان کے ابتدائی اُصول اور تعلقات سے معلومات حاصل کرنے میں ابتدا ہی سے مصروف رہتا ہے اور آخرالذکر رعایا کے حقوق اور ان کے رسم ورواج کی بابت بلا کسی رہبری کے فیصلے کرتا ہے'':

اس قابلانہ اور طویل مراسلہ سے ہم نے جو اقتباس پیش کیا ہے اُس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ اگر عام اصولوں کا لحاظ کرکے اور اختیارات کے بیجا استعمال کے اندیشے سے ہم مجسٹریٹ اور کلکٹر کے فرائض منصبی کو ملا دینے سے باز رہیں تو ہم کو یہ بھی ماننا پڑیگا کہ اگر مجسٹریٹ کے اختیارات نوجوانوں کے سپرد کئے جائیں تو انھیں صرف وہی نوجوان خوش اسلوبی سے انجام دے سکتے ہیں جنھوں نے محکمۂ مال کی تعلیم حاصل کی ہے۔ ہندوستان کے نظم ونسق کا فن صرف تفصیلی معلومات حاصل کرلے ہی سے سیکھا جاسکتا ہے اور جب کبھی حکومت کے اس شعبہ کا بخوبی انتظام ہوجائیگا اور جب ملازمانِ پولیس اپنے فرائض کو عمدگی کے ساتھ انجام دینے لگیں گے اُس وقت عدالتی محکمہ کے (۱۶۰) اعلیٰ شعبوں پر سے کام کا بار بہت ہلکا ہوجائیگا لیکن ہماری رعایا ہماری حکومت سے اسوقت مطمئن ہوگی جب ہمارے نظام حکومت کے اثر سے مقدمہ بازی میں کمی ہوگی اور بیشی نہ ہوگی اور جب ہم مجرموں کو گرفت اور سزایابی سے بچنے کی امید میں مایوس کرکے جرائم کا انسداد کردیں گے صوبۂ بنگال میں پولیس کا جدید انتظام بندوبست استمراری کے اجراء کے زمانہ میں ہوا تھا اور بندوبست استمراری سے رعایا کی حالت میں جو تبدیلیاں پیدا ہوگئی تھیں ان ہی کی مطابق پولیس کے قواعد تیار کئے گئے تھے صوبۂ بنگال کی مالگذاری کی حالت متزلزل تھی اس کا سنبھالنا ضروری تھا اور اعلیٰ زمیندار سے لیکر دیہات کے ادنیٰ ملازم تک جسے کچھ بھی اختیار حاصل تھا ہر قسم کی زیادتیاں کرتا تھا لہذا اس بااختیار جماعت کی کثیر تعداد کے ظلم وتشدد سے جو خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں ان کا صرف ایک ہی موثر علاج تھا کہ ان کے جملہ اختیارات یک تخت سلب کرلئے جائیں۔ جس نیت سے کہ یہ زبردست کام کیا گیا اس پر ہرگز شبہہ نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس کی بنیاد رحم وانصاف پر رکھی گئی تھی۔ لیکن اگر ہندو اقوام کی تنظیم کے

باب ۳

اندرونی حالت کے متعلق ہیں اور زیادہ واقفیت حاصل ہوتی تو ہم ملک کے اندر امن و امان قائم کرنے کے دوسرے ذرائع کو نظر انداز نہ کرتے اس صورت میں اصلاحات کی کوششیں شروع ہو جاتیں اور اگر ہم اس میں کامیاب ہو جاتے تو یہی لوگ جو دوسروں کی حکومتوں میں بدی کا آلہ بنے رہے ہیں اپنی سوسائٹی میں نیکی کا آلہ بن جاتے۔ لیکن اس قسم کی کوئی کوشش نہیں کی گئی بلکہ ہر ایک مجسٹریٹ کو پولیس کی ایک جمعیت دیدی گئی جو ملک کے باشندوں میں سے اندھا دھند بھرتی کی گئی تھی۔ (۱۶۱)

صوبۂ بنگال میں اس انتظام کی ناکامی دیکھ کر پولیس کی اصلاح کے لئے وہاں پر بڑی سخت کوششیں کی گئی ہیں اور ایک حد تک ان کوششوں میں کامیابی بھی حاصل ہو گئی ہے۔ ضلع کھٹک میں جہاں دیہاتی محکموں کی اصلاح اور تجدید کی گئی اور وہ تمام اختیارات جن کا ہماری حکومت کے اصولوں کے مطابق ان کے تفویض کرنا ممکن تھا خاص خاص ہندوستانیوں کو دیدیئے گئے اس کے نتائج ملک کے امن کے لئے نہایت خوشگوار ثابت ہوئے[1]۔

پولیس کا بہتر اور موثر نظام ہمارے کئی جدید مقبوضات میں جاری کیا گیا ہے لیکن ہمیں یہ بات بطور اصول کے قرار دیدینی چاہیئے کہ ہماری کامیابی کا انحصار خصوصاً سوسائٹی کے اُن اداروں اور طبقوں کو برقرار رکھنے پر ہے جنہیں ہم نے موجود پایا ہے اور ہماری کامیابی اس پر بھی منحصر ہے کہ ہم اپنی رعایا کے معزز افسر کو مقامی ملازمت میں ایسے عہدوں پر مقرر کر دیں جن سے ان کا وقار اپنی قوم کی نظر میں بجائے کم ہونیکے اور زیادہ بڑھ جائے ہم ملک کے اندرونی انتظام میں خوبی پیدا کرنے کی کوئی توقع اس وقت تک نہیں کر سکتے ہیں جب تک کہ اپنی رعایا کے اس طبقے کی اتنی حوصلہ افزائی نہ کریں کہ وہ اپنے اپنے ضلع میں امن قائم رکھنے کے لئے اپنی پوری کوشش صرف کریں۔

(۱۶۲) اکثر یہ تجویز[2] پیش کی گئی ہے کہ فوج کے ہندوستانی افسر اور سپاہیوں

---

[1] بحوالہ مراسلہ از بنگال مورخہ ۱۱ جنوری ۱۸۳۳ء۔

[2] مجلس نظما نے اپنے مراسلہ مورخہ ۸ نومبر ۱۸۱۸ء میں حکومت بنگال کو تحریر کیا تھا کہ وہ

باب ۱

کی ایک خاص تعداد کو پولیس میں نوکر رکھا جائے اس سے بڑھکر کوئی اور تدبیران لوگوں کی حوصلہ افزائی کرنے اور اُن کو حوصلہ دینے کی نہیں ہوسکتی ہے جن کی وفاداری اور بہادری پر ہماری سلطنت کی بقا کا انحصار ہے اس مسئلہ پر آئندہ مفصل بحث کیجائیگی لیکن یہاں صرف اس قدر بیان کر دینا کافی ہے کہ محض ایسے وجوہ کی بنا پر اس تجویز پر عمل کرنے سے (جو مالی فائدے کے مقابلہ میں سیاسی لحاظ سے بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے) اس وقت تک ہرگز باز نہ رہنا چاہیئے جب تک کہ دلائل سے یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اس انتظام سے ہماری رعایا کے حق میں ناالصافی ہوگی یا ملک کے اندرونی امن و سکون اور سلطنت کے عام مفاد کو تقویت پہنچنے کے بجائے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے؛

(۱۶۳) بنگال میں یوروپین افسر کے محکمے[1] مامور کئے گئے ہیں اور جہاں کہیں بھی اسی قسم کے ادارے قائم ہونگے وہاں یوروپین افسران کی خدمات کی ضرورت لاحق ہوگی لیکن اس کے متعلق یہ ایک زبردست سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر پولیس کے انتظام میں ایسی تبدیلی ہوئی جس سے کہ سارے محکمہ پولیس کی اصلاح ہو جائے اور یہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ محکمہ پولیس میں چند کمیشن یافتہ اور غیر کمیشن یافتہ ہندوستانی افسران اور فوجی سپاہیوں کو بھرتی کرنے کے مسئلہ پر جلد توجہ کرے جو مجبر درج شدہ یا پنشن یافتہ لوگوں کی فہرست میں سے لیئے جائیں یا اگر حکومت مناسب سمجھے تو باضابطہ فوج میں سے اس غرض کے لئے چند ملازمان کو منتخب کر لے ہمارے نزدیک اگر پولیس کے فرائض ادا کرنے کیلئے ہندوستانی افسر اور سپاہی ملازم رکھے جائیں تو اس سے بہت کچھ خرچ میں کفایت ہو جائیگی ہندوستانی پولیس افسران اور سپاہیوں کو ایسی ترغیب و تحریص دینی چاہیئے جس سے کہ اپنے عہدے کے کام میں کوشش کرنے کا اُنکو شوق پیدا ہو لیکن ان عہدوں کی تنخواہ میں کم از کم ایک تہائی کی کمی کر دینی چاہیئے کیونکہ اسکے ساتھ انھیں فوجی خدمت کا الاؤنس بھی ملتا رہے گا؛

نظام نے فوجی افسران اور سپاہیوں کو مامور کرنے کے لئے پولیس کے کچھ عہدے مخصوص نہیں کئے تھے لیکن انھوں نے تحریر کیا کہ "مجوزہ انتظام سے جو سیاسی مقصد مدنظر ہے اسے چند معمولی یا جزوی اعتراضات کی بنا پر رد نہیں کرنا چاہیئے"

[1] اس کا کام ضعیف سپاہیوں کو اراضی تقسیم کرنا ہے مدراس کے محکمہ پولیس میں کئی فوجی افسران

باب ۱۰

محکمہ ہندوستانی سپاہیوں کی حوصلہ افزائی اور ترغیب و تحریص کا وسیلہ بن جائے تو اس صورت میں ان یورپی افسران کی خدمات کسی حد تک ضروری ہونگی۔ اس مسئلے کے متعلق ایک اور واقعہ ہے جسے ہرگز نظر انداز نہ کرنا چاہیئے کہ فوجی لوگوں کے خیالات اور اصول سب سے جداگانہ ہوتے ہیں اور یہ بات تسلیم کرنی ہوگی کہ جس نے سول کی تعلیم پائی اور اس میں ملازمت کی ہو وہ شاذونادر ہی یہ سمجھ سکتا ہے کہ فوجی سپاہیوں کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کرنا چاہیئے۔ اور یہ دلیل ہندوستان پر بالکل صادق آتی ہے کیونکہ ہندوستانیوں کو فوج میں بھرتی کرنے سے ان کی حالت میں نمایاں تبدیلی پیدا ہوگئی ہے ہندوستانی فوجی سپاہی اگر پولیس میں ملازم رکھے جائینگے تو اُن کے فرائض منصبی کی نوعیت ایسی ہوگی جس سے انھیں اپنے افسروں کے احکام کی پوری پوری پابندی کرنی ہوگی لہٰذا اس انتظام کو کامیاب بنانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ چند ایسے قابل اور معقول فوجی افسر جو کچھ عرصہ تک ملازمت کر چکے ہوں محکمہ پولیس کے سپرنٹنڈنٹ یا ضلع کے مجسٹریٹ بنائے جائیں۔ اس انتظام سے سولین عہدیداروں کی حق تلفی نہیں ہوگی اور نہ وہ ایسے عہدوں سے محروم کئے جائینگے جن کے حاصل کرنے کے وہ آرزومند ہو سکیں یا جنھیں اپنے مالی فائدہ کا ذریعہ تصور کریں بلکہ وہ اس قسم کے
۱۶۴ بے شمار اور تکلیف دہ فرائض سے نجات حاصل کرنا ہی بہتر سمجھیں گے جن پر اگر پوری توجہ کی جائے تو بہت سے بڑے کاموں میں ہرج واقع ہوتا ہے اور جنھیں اگر ایک لمحہ کے لئے بھی نظر انداز کر دیا جائے تو سوسائٹی کے کسی نہ کسی فرد کی جان و مال کو سخت نقصان پہنچ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

اس تجویز پر بہت سے اعتراضات ہو سکتے ہیں کہ فوجی افسران میں یہ ایک وصف سمجھا جاتا ہے کہ وہ میدان جنگ میں نہایت تعجیل کے ساتھ کام کرتے ہیں لیکن بحیثیت سول افسر یہ جلد بازی ایک نقص سمجھی جائے گی۔ امن کے زمانے میں بھی وہ قانون کی حد سے تجاوز کر کے طبعاً سختی سے کام لیں گے اور اس کے باعث

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ ملازم رکھے گئے ہیں جہاں پر کہ اس محدود تجربہ میں ایسی کامیابی حاصل ہوئی ہے جس سے کہ وسیع پیمانے پر نہایت معقول کامیابی کی توقعات پیدا ہو گئی ہیں ۔۔

بلمب۱ سوال افسران کے ساتھ ان کا جھگڑا ہو جانے کا اندیشہ ہے اسی کے ساتھ غالباً یہ
بھی کہا جا سکتا ہے کہ یورپین فوجی افسران اگر اپنے سرکاری فرائض کو بھول جائیں
تو بھی انھیں ان لوگوں سے جن کے سپرد اس تجویز کے مطابق امن عامہ قائم رکھنے کا کام
ہوگا بجائے مزاحمت کے اعانت ہی ملے گی۔

حکومت ہند کے دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ کا فیصلہ بھی ان فوائد کو پیش نظر
رکھکر کرنا چاہیئے جو نقائص کے باوجود باقی رہتا ہے۔ اس مسئلے میں بھی متعدد مشکلات
سے ایک کا انتخاب کرنا ہے۔ اگر حفاظت عامہ کے خیال سے پولیس میں ہندوستانی
فوجیوں کا ایک جز رکھنا ناگزیر ہے اور اگر ان کے لئے ایسے فوجی عہدیدار
بھی ضروری ہیں جن کی ماتحتی میں وہ بیشتر کام کر چکے ہیں تو انتظام میں ایسی تدابیر اختیار
کرنی چاہیئں جن سے کہ سلطنت کے دیگر شعبوں کو کچھ نقصان نہ پہنچے اور جس سے
سلطنت کو نقصانات پہنچنے کے جملہ اندیشے رفع ہو جائیں؛

(۱۶۵) اس تدبیر پر عملدرآمد کرنے کے لئے غالباً ان لوگوں کو محکمہ پولیس میں سے
بالکل علیحدہ رکھنے کی ضرورت لاحق ہوگی جو فوجی محکمہ سے لئے جائیں گے۔ ایسی
صورت میں انھیں اس وقت ادنی عہدوں پر مامور کرنا چاہیئے اور جب وہ ضروری
قابلیت پیدا کریں تو ان کی کارگزاری دیکھ کر رفتہ رفتہ محکمے کے اعلیٰ عہدوں پر
ترقی دینی چاہیئے۔ اس طور سے فوج والوں کے کیرکٹر کی آزمائش ہونے لگے گی اور
بعض فوجی افسر سیول محکمے کے دوسرے درجہ کے عامل بننے کے قابل ہو
جائیں گے اور اتنی ہی ان سے توقع کی جاتی ہے۔ کیونکہ معمولی قسم کے خاص
خاص کام ان کے تفویض کئے جائیں گے اگر ابتدا میں اس تجویز کو چھوٹے پیمانے پر
آزمائش کی جائے تو بہتر و مناسب ہوگا اور اگر اس میں کامیابی حاصل ہو تو پھر اس کی
توسیع بآسانی کی جا سکتی ہے؛

مالگذاری

ہماری سلطنت ہند کی مالگذاری جمع کرنے کے مسئلے پر صرف چند خیالات

ظاہر کئے جا سکتے ہیں مالی نقطۂ نظر سے یہ مسئلہ ہماری مرفہ الحالی کے لئے نہایت نتیجہ خیز ہے لیکن جن مسائل پر اس سے پیشتر بحث کی گئی ہے ان سے چونکہ اس کا قریبی تعلق ہے اس لئے اس کی اہمیت بہت زیادہ ہو گئی ہے کیونکہ بلا خوف ابطال یہ ماننا پڑے گا کہ مالگذاری کے بندوبست میں ہمیں جس قدر کامیابی یا ناکامی حاصل ہو گی اسی قدر مقدمہ بازی میں اور جرائم میں کمی یا بیشی ہو گی حقیقت حال یہ ہے کہ ہندوستانی اقوام کی نوعیت اور کیرکٹر کے لحاظ سے ۹۰ فی صد رعایا کی خوشحالی اور آرام و آرائش کا انحصار عدالتی اور سیاسی انتظامات سے کہیں زیادہ مالگذاری کے اہتمام پر ہے۔ (۱۶۶)

نامعلوم زمانے سے اہل ہند زراعت پیشہ ہیں اور ابتدا ہی سے اراضی کی غیر معمولی اور بہت چھوٹی تقسیم ہو گئی ہے اور اس کے متعلق جس قدر حقوق ہیں ان میں بادشاہ سے اور اس کے ملازموں سے لے کر گاؤں کے رہنے والے اور کاشتکار جنھیں اپنے اپنے چھوٹے قطعات پر موروثی حقوق حاصل ہیں سب حصہ دار ہیں اراضی کی اس تقسیم کا کوئی صحیح پتہ نہیں لگ سکتا ہے کہ کس زمانے میں ہوئی لیکن اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کے حملہ آور ہونے سے کئی صدی پیشتر یہ تقسیم موجود تھی۔ ان فاتحین نے بجز معدودے چند کے صرف اسی پر اکتفا نہ کیا کہ ہندوؤں کے اداروں کو علی حالہ چھوڑ دیا بلکہ انھیں کو اپنی سلطنت کا جزو بنا لیا اور جنگ و جدال اور بغاوتوں کے زمانہ میں جن میں کہ ہندوستان مبتلا تھا اس کی توقع بھی نہیں ہو سکتی تھی کہ اس کے صوبوں میں کوئی ایک نظام حکومت جاری ہو گا بعض صوبوں کی آبادی کی تبدیلی اور بعض کی کلیتاً بربادی ہونے سے نہایت قدیم اور مقدس اداروں کی ہیئت اور اصول ہی بدل جاتے تھے لیکن راس کماری سے لے کر ہندوستان کی شمالی و مغربی حد تک اراضی کی کاشت اور اس کے متعلقہ حقوق میں ایک نہایت حیرت انگیز یکسانی پائی جاتی ہے۔

(۱۶۷) جس مقام پر فاتح کی تلوار زمیندار یا کاشتکار کے حقوق کو پامال نہیں کرتی ہے وہاں کا زمیندار یا کاشتکار بشرط ادائے مالگذاری یا حصۂ گورنمنٹ، اپنے اجداد کی اراضی اور اپنے ضلع میں اراضی کے متعلق جملہ حقوق پانے کا مدعی ہوتا ہے اور اس کو

باب ۱ وہ اپنا لازوال ورثہ سمجھتا ہے لیکن جہاں کہیں کہ ظلم اور تشدد سے یہ حقوق پامال کر دیئے جاتے ہیں وہاں کے باشندے اپنے بزرگوں کے طریقے اختیار کرکے یا اپنے فرماں رواؤں کی پالیسی پر کاربند ہو کر یہ حقوق پھر حاصل کر لیتے ہیں؎

جہاں کہیں کہ ایسی حالت تھی وہاں پر گاؤں کے مکھیا اور اس کے زیردستوں کو واقعات کا لحاظ کرکے کم و بیش وہی حقوق عطا کر دیئے گئے جو اُن کے پچھلے حقوق کے مشابہ تھے اور محض اس واقعہ سے کہ کسی شخص کے بزرگوں نے دو تین پشت سے بعض کھیتوں میں کاشت کی ہے اس کو کاشتکارانہ حقوق حاصل ہو جاتے تھے جن کو بجز ظلم اور ناانصافی کے کوئی اور وجہ پامال نہیں کر سکتی تھی۔ ان حقوق کی قیمت اور وسعت میں بے شمار مقامی اختلافات ہوتے تھے لیکن یہ حقوق ہر جگہ موجود تھے اور ایسی اچھی طرح سمجھ لئے گئے تھے اور رواج نے اُن کو اس طرح منظور کرا لیا تھا کہ وہ نہ صرف شعبہ مال کے ہر ایک انتظام کی بنیاد بن گئے تھے بلکہ جنگ انقلابات۔ مظالم اور لوٹ مار میں بھی برقرار رہتے تھے۔ (۱۲۷)
انہی تعلقات اور اصولوں سے دوبارہ امن قائم کر لینے اور خوشحالی پیدا کرنے میں مدد ملتی تھی۔ ان سب باتوں کی صرف وہی لوگ داد دے سکتے ہیں جنھوں نے انکو بچشم خود ملاحظہ کیا ہے۔

۱؎ ممالک متوسط میں گاؤں کے موروثی مقامی افسران کے حقوق کی بڑی قدر کی جاتی ہے اور کوئی ملک اس قابل تعریف ادارے کی لازوال نوعیت کے ایسے ثبوت نہیں پیش کر سکتا ہے جنگ پنڈاری کے بعد باشندوں کو اپنے مسمار مکانات میں واپس آنے کے لئے ہر قسم کی ترغیب دی گئی۔ اکثر اضلاع میں بالخصوص دریائے نربدا کے متصل بہت سے دیہات زائد از تیس سال سے ویران پڑے ہوئے تھے ان دیہات کے باشندے منتشر ہو کر ہر قسم کے پیشے کرنے لگے تھے۔ بہت سے پٹیل بے خانماں ہونے سے ڈاکو بن گئے تھے اور اپنے مسمار اور تباہ شدہ دیہات کے قریب رہنے لگے تھے ان کے بعض رشتہ داروں اور دوستوں نے بھی ڈکیتی کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔ بعض کاشتکار اپنے دیہات سے سیکڑوں میل کے فاصلے پر جا کر کاشت کرنے لگے تھے۔ کاشتکاروں کی بڑی تعداد شہروں میں چلی گئی تھی جہاں پر ان کو عارضی سکونت کے لئے جگہ مل گئی تھی اور باغات اور کھیتوں میں

اس زبردست مسئلہ پر ہم صرف اس قدر بحث کرنا چاہتے ہیں کہ جدید مقبوضات

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ محنت مزدوری کر کے وہ بسر اوقات کرنے لگے تھے لیکن کسی قوم کو اپنی
پیدائش کے مقام سے اس درجہ الفت نہیں ہوتی جس قدر کہ ہندوؤں کو ہوتی ہے اور
ممالک متوسط کے ہندوؤں کو باوجود تکالیف اور مصیبتوں کے اپنے وطن جانے کا بیحد
اشتیاق تھا ہر ایک گاؤں کے خاندان اگرچہ ایک دوسرے سے فاصلہ پر مقیم تھے لیکن وہ
آپس میں مستقل طور پر خط و کتابت کرتے* اور شادی بیاہ کر لیتے رہتے تھے اور اس مصیبت
نے ان کے تعلقات کے رشتوں کو اور مضبوط کر کے ان کو متحد کر دیا تھا۔ جب ان کو
اس کا یقین ہو گیا کہ امن قائم ہو گیا ہے تو وہ اپنے مسمار مکانوں میں واپس آ گئے پٹیلوں
کے شیر خوار بچوں کو یہ لوگ اپنے سروں پر بٹھا کر لائے اور یہ لوگ جب اپنے گاؤں میں پہنچے
تو آپس میں اور حکومت سے بغیر کسی قسم کا جھگڑا کئے زمیندار یا کاشتکار نے مکان کی ہر ایک
دیوار اور ہر ایک کھیت پر اپنا اپنا قبضہ کر لیا۔ دیگر قابضوں کے حقوق سے چنداں دقت
پیش نہ ہوتی تھی کیونکہ مقامی حکام کو اپنے فائدہ کا کچھ خیال نہ ہوتا تھا اور نو واردوں کے
نفع بخش شرائط کو وہ نامنظور کر دیتے تھے کیونکہ یہ امید کی جاتی تھی کہ موروثی زمیندار یا کاشتکار
غالباً واپس آ جائے گا جس کو زمیندارانہ یا کاشتکارانہ حقوق حاصل ہیں ان حکام میں بڑا سے
بدترین اشخاص بھی اپنی سول حکومت اور نظام مالیات کی اس قابل قدر اور مستحکم بنیاد
کو برقرار رکھنے کی ضرورت سے ناآشنا نہیں ہیں (سنٹرل انڈیا جلد دوم صفحہ ۲۰) انگریزی حکومت
نے شعبۂ مال کے انتظام میں سب سے اول زبردست کارروائی یہ کی کہ ۱۷۸۹ء میں صوبہ (۱۶۸)
بنگال میں استمراری بندوبست کر دیا۔ اس کارروائی کی خوبیوں نے بڑی بحث پیدا کر دی ہے (۱۶۹)

۱؎ جنوبی ہند کے فاضل مورخ کرنل ولکس نے ہندوستان کی جائداد ارضی کے متعلق ایک پورا باب
سپرد قلم کیا ہے اس کی رائیں خاص توجہ کی مستحق ہیں کیونکہ وہ وسیع تحقیقات پر مبنی ہیں اور اپنی
تحقیقات سے نتائج اخذ کر کے اس نے صحیح رائے قائم کی ہے ورنہ جو اصول اس نے قائم کئے ہیں
اُن کی بآسانی تردید ہو سکتی تھی ہم اس ذہین مصنف کے بیحد ممنون ہیں کہ اُس نے پنچایتی عدالتوں
اور دیہاتی محکموں کا مکمل اور صحیح حال سب سے اول بتایا ہے*

باب۱ ا میں کس طور پر اور کس حد تک بندوبست استمراری کو رائج کرنا چاہیئے ؟

بندوبست استمراری کے اصول اساسی یہ ہیں کہ مالگذاری وصول کرنے میں سہولت ہو۔ مالگذاری کی جملہ کمی و بیشی کا کلیتہً خاتمہ کردیا جائے اور کاشتکاری میں اصلاح اور ترقی کی ترغیب دیجائے تاکہ جو لوگ اپنی کاشت کو ترقی دیں وہی اس کے نفع سے بھی مستفید ہوں ؟

بندوبست استمراری رائج کرنے کے وقت لارڈ کارنوالس نے اپنی یہ رائے ظاہر کی تھی کہ بالفرض اگر زمیندار[1] کو اراضی پر بہترین حق حاصل ہیں (جو میری رائے میں اُسکو ضرور حاصل ہے) تاہم ملک کی ترقیات کے بہت سے وجوہ سے اُس کو یا کسی اور شخص کو یہ حق دینا ضروری ہے لارڈ کارنوالس کے یہ الفاظ ہیں "حکومت کو اس سے کچھ سروکار نہیں کہ اراضی کس کی ملکیت ہے بشرطیکہ وہ اراضی کی کاشت کرے رعیت کی حفاظت اور سرکاری مالگذاری ادا کرے" لارڈ کارنوالس نے جن (۱۸۰)

لقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ اور اس کے زبردست حامی بھی اب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اس میں بہت زیادہ عجلت سے کام لیا گیا اور جن اضلاع کا بندوبست استمراری کیا گیا ہے وہاں کے وسائل آمدنی اور وہاں کے باشندوں کے مختلف حقوق اور تعلقات کے متعلق بہت ناکافی معلومات حاصل کی گئی ؟

[1] لفظ زمیندار کے معنی زمین رکھنے والے کے ہیں لیکن ہندوستان کے بعض صوبوں میں تھوڑی سی اراضی کے مالک کو بھی زمیندار کہتے ہیں۔ اور ایک ضلع کے کسانوں کے سردار یا نمائندے کو بھی اکثر زمیندار کہتے ہیں۔ مغل بادشاہوں کے صوبیدار مالگذاری وصول کرنے کیلئے انکو ملازم رکھتے تھے اور اس کے صلے میں زر نقد دیا جاتا یا کچھ اراضی ان کے نامزد کردی جاتی تھی یہ اراضی ان کی خدمات اور فرائض کے لحاظ سے ہوتی تھی اور اس نامزد شدہ اراضی میں اُن کو سرکاری حصہ لینے کا اختیار حاصل ہوتا تھا اور ہندو رواج کے مطابق یہ افسران موروثی بن گئے۔ مسلمانوں کی سلطنت کے زوال پر ان لوگوں نے ایسی اراضیات کو غصب کرلیا اور ان میں سے اکثر نے اس کی قوت سے بھی کام لیا جو ان کی زمینداری کی

(۱۷۱) باب۲ عام اساسی اصولوں پر عمل کیا تھا ان کی نوعیت مرقومہ بالا واقعات سے پورے طور پر ظاہر ہوتی ہے اہل ہند کے رسم و رواج۔ جذبات اور قوانین کے متعلق کافی معلومات اور تجربہ نے لارڈ کارنوالس کے مشیر سر جان شور کو یہ ترغیب دی کہ اس کارروائی میں تاخیر کی جائے جس کے نقائص کا سر جان شور نے پیشتر سے اندازہ کر لیا تھا لیکن لارڈ کارنوالس کی اس پرجوش خواہش نے جس کو وہ رعایا کے حق میں رحمت اور حکومت کیلئے سودمند تصور کرتا تھا اس کی محبوب تجویز زیر عملدرآمد ہونے کے متعلق ہر ایک اعتراض کو سر جان شور کے دل سے رفع کر دیا ہو

چنانچہ اس زبردست تجویز پر فوراً عملدرآمد ہو گیا اور جائدادوں کی اصلی حالت اور مختلف طبقوں بالخصوص طبقہ ادنیٰ کے حقوق میں اصلاح کرنیکا کچھ خیال نہیں کیا گیا گویا یہ توقع کی گئی تھی کہ چند عام اصول جن کے باعث مالگذاری کی وصولیابی میں سہولت ہو گی اور جن کے سبب سے بڑے زمیندار مرفہ الحال ہو کر ملک کی خوشحالی کا موجب ہونگے ایسے فائدے پہنچائیں گے جن سے کہ اُن جملہ خرابیوں کی تلافی ہو جائے گی جن کے پیدا ہونے کا اس وقت اندیشہ کیا جاتا ہے ؛

اس اہم مسئلے کے متعلق جو سرکاری مطبوعات شائع ہوئے ہیں اور جن اصحاب نے بغور اُن کا مطالعہ کیا ہے وہی اس سوال کا جواب دے سکتے ہیں کہ یہ اُمید یں کس حد تک پوری ہوئی ہیں ؛

اس کا اول شکار زمیندار ہی ہوئے جن کی فلاح کے واسطے یہ تدبیر اختیار کی گئی کیونکہ اس کی رو سے جو جدید فرائض ان پر عائد ہوئے اُن کو اپنے عادات (۱۷۲) وخصائل کے باعث وہ انجام نہیں دے سکتے ہیں۔ اس کی رو سے اُن کو جو اختیار

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ کی حفاظت کے لئے اُن کو دی گئی تھی اور اب ان اراضیات کو انھوں نے اپنی ملکیت قرار دے لیا کیونکہ اُنھوں نے یا ان کے بزرگوں نے گورنمنٹ کی خدمت کی ہے اس غاصبانہ کارروائی پر بھی اُن کو صرف حق مالگذاری حاصل تھا البتہ موروثی خاندانی جائداد میں ان کو حق ملکیت پہنچتا تھا۔ زمینداران کے حقوق اور قبضہ کی تفصیل کتاب موسومہ سنٹرل انڈیا جلد دوم کے صفحہ ۷ پر دیکھنا چاہیئے ؛

باب ۱

حاصل ہو گیا اُس کو بیجا استعمال کر کے وہ ادنیٰ زمینداروں اور کاشتکاروں پر ظلم کرنے لگے ہیں۔ کاشتکاروں نے شکایتوں کا طومار باندھ دیا اور قدیم رسم ورواج کو بطور ثبوت کے پیش کیا۔ چنانچہ ان کے حقوق کی حفاظت کے واسطے بہت سے قوانین یکے بعد دیگرے تیار کئے گئے اس امداد پر بھروسہ کر کے انھوں نے قانون کی پناہ لی اور زمیندار کا مقابلہ کیا جو صرف مقدمات دائر کر کے لگان وصول کر سکتا تھا جس میں کہ بہت کچھ وقت اور روپیہ ضائع ہوا کیونکہ کاشتکار یا تو لگان ادا کرے ورنہ بقایا لگان کی صورت میں اس کی اراضی فروخت کر دینی چاہیئے؛

لیکن گورنمنٹ کو وہ اختیار حاصل تھا جو اُس نے زمیندار کو نہیں دیا تھا کہ بلا صرفہ کے سرسری کارروائی کر کے مقدمہ فیصل کر دیا جائے۔ یہاں پر اس کے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ اس قانون اور اپنے عادات و خصائل کے باعث بنگال کے تقریباً کل زمیندار نیست و نابود ہو گئے جن کو چند اصلی یا فرضی حقوق عطا کئے گئے تھے ان کی زمینداریاں ایک ایسے فرقے نے خرید لیں جس کے پاس دولت تھی مگر جس کا کبھی کوئی تعلق کاشتکاروں سے نہیں رہا تھا یہ افسوسناک نتیجہ اس تعجیل کا ہے جس سے کہ بندوبست استمراری جاری کیا گیا اور یہ انجام ہے سوسائٹی کے مختلف فرقوں کے حقوق اور نظام سے لاعلمی کا جس کا تبدیلی کرنے سے قبل علم ہونا چاہیئے تھا۔ اس تبدیلی نے زمینداری کے جملہ حقوق پر اپنا اثر دکھایا جو محض ایک قانون بنا دینے سے ایسا زبردست ثابت ہوا ہے جس کی نظیر روئے زمین کے کسی ملک میں نہیں مل سکتی ہے۔ بندوبست استمراری سے خاص (۱۷۹۳) غرض یہ تھی کہ مالگذاری وصول کرنے کے لئے چونکہ بار بار قواعد تیار کرنے پڑتے تھے اس لئے اس خرابی کو ہمیشہ کے لئے رفع کر دیا جائے لیکن اس کی خوبیاں دیکھنے کے وقت ہم کو چاہیئے کہ اس کے اغراض اور اس کے عملدرآمد کے وسائل میں بھی امتیاز کریں۔ اس میں شک نہیں کہ ہمیشہ کے لئے تقلیل مالگذاری لگا دینا نہایت دانشمندی اور انصاف پر مبنی ہے لیکن وہ رعایت کاشتکاروں کے ساتھ ہونے کی ضرورت تھی جو ہم نے زمینداروں یا ان مالکان زمین کے ساتھ کی ہے جو اس وقت موجود تھے یا جنھیں ہم نے خود بنایا تھا کیونکہ در اصل کاشتکاروں ہی کو زمین پر

حق ملکیت حاصل ہے۔ اگر کوئی زمیندار اراضی کو ترقی دینے میں روپیہ صرف کرتا ہے تو
یہ امر ضرور مسرت کا موجب ہے لیکن حکومت نے جو ایثار فلاح عامہ کی خاطر کیا ہے
اُس کا بدل اُس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ جفاکش اور کفایت شعار
طبقہ کاشتکاروں کو اراضی کے خرید لینے اور اپنی مقبوضہ اراضی پر قابض رہنے کا حق
نہ حاصل ہو۔ جو گورنمنٹ کہ مالگذاری میں اضافہ کرنے سے گریز کرتی ہے اس کو
روپیہ کے عام مصارف کے لئے اپنے وسائل آمدنی کی آئندہ ترقیات کو بھی دیکھنا
چاہئے اور اس کے لئے بہتر زمانہ درکار ہے کہ اس فیاضانہ پالیسی کی بدولت
جو لوگ دولتمند بن جائیں اُن پر براہ راست کوئی اور محصول لگایا جائے
لیکن چونکہ رعایا کی تعداد اور اُس کے آرام آسایش میں ترقی ہو رہی ہے اور وہ
(۱۷۹۴) ضروریات زندگی اور سامان تعیش کے زیادہ خواہش مند ہو رہے ہیں اس لئے
حکومت کو تجارتی محصول میں روز افزوں اضافہ ہونے کی توقع کرنی چاہئے۔

بنگال کے استمراری بندوبست کی غلطیوں سے جو تجربہ حاصل ہوا وہ مدراس اور بمبئی کے
علاقے میں بندوبست جاری کرنے میں نہایت مفید ثابت ہوا لیکن اس نظام کی
مزید توسیع کی پالیسی پر بہت سے شبہات اور شکوک[1] ہونے لگے اور اس کی
توسیع رُک گئی۔ جو اعتراضات کہ پیش کئے گئے وہ اس کے اصول پر نہ تھے بلکہ زیادہ تر
طریق عمل پر تھے۔ اگر مکمل معلومات حاصل کرکے اور فریقین کے ساتھ منصفانہ طور پر
گورنمنٹ کا مطالبہ اور رعایا کے ادائے مالگذاری میں کسی قانون سے سہولت پیدا
کر دی جائے تو جانبین کو اس سے جو فوائد پہنچیں گے اُن سے کون شخص انکار کرسکتا ہے
اور عام طور پر یہ بھی تسلیم کر لیا گیا ہے کہ ترقیات کی مسلمہ بنیاد مناسب مالگذاری

لہ لارڈ ولیم بنٹنک گورنر مدراس نے ان شبہات کی بنا پر بہت سوالات مرتب کرکے شائع
کئے تاکہ غیر متعلقہ اضلاع کے بندوبست میں اُس کی رہبری کے لئے مزید معلومات حاصل ہو جائیں
اس تحقیقات کا نتیجہ حکومت کی کارروائی میں درج کیا گیا اور اس نے اسکی پہلی رائے کو مزید تقویت
دی اور اُس نے گورنر جنرل کی منظوری متعلق زمینداری سسٹم کی مزید توسیع روکنے کے واسطے حاصل کرنے
کی غرض سے کلکتہ کا سفر کیا (بحوالہ جنوبی ہند مصنفہ ولکس جلد اول صفحہ ۱۷۶)

باب ۵ لگانا ہے جو قدیم حقوق زمینداری کے تسلیم کر لینے کی عاقلانہ روش میں بھی کسی کو کلام
(۱۷۵) نہیں لیکن اس کے خلاف کہا جاتا ہے کہ ہم بدید کاشتکار پیدا کرنے اور زیادہ سے زیادہ
قیمت لگانے والے کے ہاتھ اراضی فروخت کرنے کی صورت میں ہم کو مناسب
ہے کہ یا تو حکومت کے حق مالگزاری میں سے خریدار کو کچھ حصہ دیکر ہم کو اپنی آمدنی
میں کمی گوارہ کر لینا چاہئے یا اس کو یہ استحقاق دینا چاہیئے کہ وہ ادنیٰ زمینداروں
اور موروثی کاشتکاروں سے مروجہ لگان سے کچھ زیادہ وصول کیا کرے کیونکہ
گورنمنٹ جب کبھی مالگذاری معاف کرتی ہے تو اس کا نفع زیادہ تر کاشتکاروں
ہی کو پہنچتا ہے ان میں سے اکثر دلائل مدت کاشت اور رعایا کے عادات والحوائج
کے مقامی اختلافات پر مبنی تھے اور اس اختلاف کی بابت کہا جاتا ہے کہ
اگر ہم اپنی ہندوستانی رعایا کے مختلف فرقوں اور قوموں سے وصول مالگذاری
کے لئے اپنے محکموں میں یکسانی پیدا کرنے پر اصرار کریں گے تو یہ امر ہمارے مفاد
اور ہماری مسلک کے خلاف اور انسانی ہمدردی و دانشمندی سے بعید ہوگا۔ اس کی
بحث میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگرچہ ہم اپنی گزشتہ کاروائی کالعدم نہیں کر سکتے اور
نہ دئے ہوئے حقوق واپس لینا چاہتے ہیں لیکن اسے کے ساتھ ہم نے جو تجربہ حاصل
کیا ہے اور جس کی بنا پر ہم آیندہ کاروائی اختیار کریں گے اس کے فوائد سے ہم کو محروم
نہ رہنا چاہیئے۔ اگر تفصیلی تحقیقات سے ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ کسی ایک صوبے کے
باشندے بہ لحاظ نشست سے دوسرے صوبے کے بعض رسم و رواج اور قوانین کے مخالف
ہیں ان کے حقوق میں اختلاف ہے اور وہ کسی دوسرے طریقہ سے مالگذاری دینے
(۱۷۶) اور اپنے جھگڑوں کو فیصل کرنے کے عادی ہیں تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا
اپنی رعایا کے مختلف تعصبات عادات اور خیالات کے مناسب ہم کو حکومت کرنی
چاہیئے یا اپنی سہولت کی غرض سے سب کو ایک لاٹھی ہانکنا چاہیئے؟

اگر یہ مناسب معلوم ہو (جو بیشک مناسب ہے) کہ اعلےٰ طبقے کے
ہندوستانیوں کی ترقی کی خاطر ہم اپنی مالگذاری کا ایک حصہ قربان کر دیں جس کے
پانے کے ہم ہر طرح مستحق ہیں کیونکہ ان ہندوستانیوں کی شرافت اور انکی وقعت
سے ہم کو ملک کے اندرونی انتظام میں امداد ملسکتی ہے۔ مثلاً ایک فوجی افسر نے

ہماری فوج میں نمایاں خدمات انجام دئے ہیں یا کسی قانونی آفیسر یا جج نے اعلیٰ قابلیت اور دیانت داری کے ساتھ خدمات انجام دئے ہیں تو ان افسروں کو اور واجب الاحترام مکھیا یا پنچایتی عدالت کا صدر اضلاع و دیہات کے مخلص اور مستحق سرداروں کی عزت افزائی انھیں کے ضلع میں کرنی چاہیئے ہم کو دیسی حکومت کا اتباع کر کے فائدہ اٹھانا چاہیئے جو نیا کنواں بنانے والے یا کوئی مفید قومی کام کرنے والے کو بنجر اراضی عطا کر دیتی ہے۔ دیسی حکومت کی مانند ہم کو بھی کفایت شعار اور جفاکش کاشتکار کی فلاح کی فکر کرنا چاہیئے ان ہی طریقوں سے ہم خدمات کا صلہ اور کوشش کرنے کی ترغیب و تحریص دے سکتے ہیں اور اپنی اندرونی حکومت کو طاقتور بنا سکتے ہیں اس مقصد کے حصول کے فی الحقیقت یہی ذرائع ہیں۔ اس کا عملی طریقہ یہ نہیں کہ محض قابلیت کا لحاظ کر کے چند غیر معروف اشخاص کو منتخب کر لیا جائے جن کی نہ کوئی عزت اور نہ جن کے کچھ مقامی تعلقات ہیں اور ان کو چند روپے دیکر اس کمی کو پورا کر دیا جائے ایسا فعل اپنی کارروائی کو بالکل ضائع کر دینا ہو گا۔

(۱۷۷) ہماری مشرقی سلطنت کی مختلف حصوں کے صدر مقامات اور بڑے تجارتی شہروں کے قریبی اضلاع میں دولت کی افراط سے ہمیشہ سوسائٹی اور جائداد میں عظیم الشان انقلابات پیدا ہوں گے۔ بنجر اراضی سے کھیت اور کھیت سے باغ ہو جائے گا اور کاشتکار یا تو اپنے آبائی اور رواجی حقوق سے دست بردار ہو جائیگا یا اپنے نفع کے خیال سے اپنا مال منڈی میں جاکر فروخت کرنے لگے گا اور واقعات سے جو انقلابات رونما ہوں گے ان سے مطمئن ہو کر اور اپنے نفع اور آرام کے خیال سے وہ رفتہ رفتہ اپنے آباد و اجداد کے طریقوں کو چھوڑ دے گا۔ لیکن ایک ایسی سوسائٹی کی حالت اور تعلقات کی ترقی کن تبدیلی پیدا کرنے کے لئے جو تدابیر ضروری ہیں وہ مقامی اور محدود ہونی چاہئیں کیونکہ یہ تدابیر ہماری جدید سلطنت کے جزو اعظم کے لئے ناموزوں ہیں اور اگر بعض مقامات پر ہم یہ تدابیر عمل میں لائیں گے تو ان کا نتیجہ ہماری خواہش کے بالکل برعکس نکلے گا کیونکہ جن لوگوں کو ہم رضامند کرنا چاہتے ہیں وہ ہم سے بھڑک جائیں گے اور جن مقامات میں کہ ہم

بابٹ امن قائم کرنا چاہتے ہیں، وہاں پر یہ لوگ بد امنی پیدا کر دیں گے اور چونکہ وہ ہمارے جذبات اور قوانین سے نا آشنا ہیں اور ہماری نیت اور ارادہ سے ناواقف ہیں اس لئے ان تدابیر کا نتیجہ ہماری حکومت کی بدنامی ہوگا حالانکہ ہماری حکومت کا منشا امن قایم کرنا اور انسانیت و انصاف سے کام کرنا ہے ؟

(۱۷۸) ہندوستان کی مختلف حصوں میں دیسی حکومتوں نے مالگذاری وصول کرنے کے مختلف طریقے اختیار کئے ہیں انھوں نے کبھی تو زمینداروں کو ملازم رکھ کر تحصیل مالگذاری کا کام لیا اور کہیں موضع واری یا رعیتؔ واری بندوبست کیا حکومت مدراس کے بعض اضلاع میں رعیت واری بندوبست جاری کیا گیا ہے جس پر بہت سے اعتراضات ہوئے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رعیت واری بندوبست میں بہت زیادہ تفصیلی کام ہے اس لئے حاکم ضلع کو بہت زیادہ چھان بین اور جفاکشی اور غور و فکر سے کام کرنے کی ضرورت ہے جس کی عام طور پر ان میں کمی ہے اور چونکہ اس میں کسان کی محنت کی نسبت سے لگان بڑھایا جاتا ہے اسی وجہ سے کاشتکاروں کے کاہل بن جانے کا احتمال ہے، اور بالآخر وہ مفلوک الحال ہو جائیں گے اس بندوبست پر ایک زبردست اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اس کی بدولت عہدہ داران مال کو ایک ایسا اختیار حاصل ہو جائیگا جس کا وہ بیجا استعمال کرنے لگیں گے کیونکہ ان کے فوائد اور اُن کے فرائض بالکل متضاد ہونگے اول اعتراض کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ کسی درمیانی شخص مثلاً زمیندار کے بجائے اگر کسی یوروپین کے سپرد بندوبست کا تفصیلی کام ہوگا تو یہ امر کاشتکار کے حق میں بہتر ہوگا۔ دوسرے اعتراض کے جواب میں کہا گیا ہے کہ اگر کوئی قابل افسر مال اپنے

لہ کلوار یا رعیت داری بندوبست وہ ہے جس میں حکومت فرداً فرداً ہر ایک کاشتکار کی اراضی کا بندوبست کرتی ہے ہر ایک اراضی زیر کاشت پر حکومت ایک خاص رقم بطور سرکاری مالگذاری کے مقرر کر دیتی ہے اور یہ رقم پیداوار کی قیمت کا کوئی خاص جز نہیں ہوتی ہے اور نہ پیداوار کی کمی و بیشی سے اس رقم میں کوئی تبدیلی کی جاتی ہے ؟

باب ۱

ضلع کی تفصیلی حالت سے ایک بار واقف ہو جائے گا تو اس کا کام آسان ہو جائے گا اور اس کی تحقیقات کی تفصیل اور باشندوں کے ساتھ اس کے ربط ضبط کے اثرات (۱۷۹)
سے جج کی محنت بہت کچھ بچ جائے گی؛

تیسرے اعتراض کے متعلق اس بات سے انکار کیا جاتا ہے کہ کسان کی محنت کی نسبت سے لگان میں اضافہ ہوگا اگرچہ پیداوار کی نسبت سے لگان میں بیشی ہوگی۔ عہدے داران مال کے اختیارات کی بابتہ جو اعتراضات ہیں وہ اس کی دیانت داری پر عدم اعتماد اور رشک وحسد پر مبنی ہیں اور اُن کا یہ جواب ہے کہ یہ اصول خواہ کیسے ہی منصفانہ کیوں نہ ہوں یہ انگلستان کے لئے موزوں ہیں ہندوستان کے لئے ہرگز موزوں و مناسب نہیں ہو سکتے ہیں کیونکہ ہندوستان میں عمدہ قسم کی حکومت قائم کرنے کے لئے ایسے مسائل کی بابتہ ہم اس قسم کے نظریئے قائم کرکے گمراہ ہو جاتے ہیں جو ہماری رعایا کے عادات و اطوار نیز ہماری حکومت کی نوعیت سے بالکل مختلف ہیں ہم نے پوری کامیابی کے ساتھ اپنے بعض صوبوں میں جو طریقہ تشخیص مالگزاری کا جاری کیا ہے اُس کی تائید اور مخالفت میں مرقومہ بالا دلائل پیش کئے گئے ہیں لیکن سارے ہندوستان میں اس کو بندوبست استمراری کی طرح رائج کرنا بھی دانائی کے خلاف ہوگا۔ ہمارے ممالک محروسہ میں بعض مقامات ایسے واقع ہوئے ہیں جنھیں صرف حکومت کی فیاضانہ کوششیں ہی برقرار رکھ سکتی اور ان کو مرفہ الحال بنا سکتی ہیں وہاں پر مالگزاری کا تعین صرف اس امر کی ضمانت ہوگا کہ ان کی ترقی کرنے پر حکومت کو بھی مالی فائدہ اُٹھانے کا امکان پیدا ہو جائے گا؛

ملکوں میں روپیہ آنے کے زراعت کے علاوہ اور بھی ذرائع ہونے چاہئیں تاکہ جنگ وجدال۔ قحط اور امساک باراں کے نقصانات سے حکومت محفوظ رہ سکے لیکن جب تک کہ اس قسم کی حفاظت کا انتظام نہ ہو یہ بات ضرور معقول معلوم ہوتی ہے کہ پیداوار کی بیشی سے رعایا کو جو منافع ملے اُس کا ایک جز
حکومت کو بھی دیا جائے۔ یہ اصول کاشتکاروں کے عادات اور خیالات کے (۱۸۰)
مطابق ہے وہ اپنی آمدنی پر ایک منصفانہ اور معتدل مالگزاری دینا پسند کرتے ہیں وہ مالی انتظامات کے متعلق ہمارے اعلیٰ خیالات کو نہیں سمجھتے اور اس لئے وہ

باب۱ ان کو پسند بھی نہیں کرتے ہیں۔ ہماری حکومت سے پیشتر کسی کی عملداری میں کبھی بندوبست استمراری نہیں ہوا لیکن تجربہ نے ثابت کر دیا ہے کہ جہاں پر کہ حکمران عادل تھے وہاں پر اُن کی وصولی مالگذاری کا طریقہ ملک کی ترقی دولت کی افراط اور زمینداری پیدا کرنے کے مطابق تھا۔

ہماری رعایا میں سے کاشتکاروں کا طبقہ رسم و رواج کا بہت زیادہ پابند ہے اس لئے اگر ان کی بہتری کے واسطے کوئی تبدیلی کی جائے تو وہ خوف زدہ ہو جائینگے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں مقابلہ کرنے کی بالکل سکت نہیں ہے اُن کو معلوم ہے کہ وہ کس قدر بار اُٹھانے کے عادی ہیں لیکن اپنی جہالت کی وجہ سے وہ ڈرتے ہیں کہ نہیں معلوم اس کے بجائے ہم پر کونسی مصیبت نازل ہوگی ان وجوہ سے ہمارے مختلف مقبوضات کے لئے ایک عام نظام قائم کرنا اسی طرح خلاف دانائی ہے جس طرح یہ دلیل پیش کرنا غلط ہے کہ ہماری رعایا اُن قوانین کے تحت ایسی آسودہ اور
(۱۸۱) مرفہ الحال نہیں ہو سکتی جن کی کہ وہ عادی ہے جیسی کہ ان قوانین سے ہو سکتی ہے جو ہم اپنی سہولت کے لئے اور اپنے خیال کے بموجب ان کی اصلاح کے لئے جاری کریں۔

زراعت کی توسیع سے ملک کو جو ظاہری ترقی ہوئی اس کو کسی نظام کی آزمائش نہیں کہہ سکتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جنگ سے مستثنےٰ رہنے کی باعث رعایا کے اس طبقہ کی مردم شماری میں اضافہ ہو گیا ہے جس کا خاص پیشہ کاشتکاری ہے اور ہندوستان کے ہر ایک حصہ کی موجودہ حالت اس امر کا بیّن ثبوت ہے۔ کاشتکار مدت دراز سے جنگ سے مستثنےٰ ہیں اور اس وجہ سے نہایت ظالم دیسی حکومت میں بھی ملک ایسے ہی سرسبز اور شاداب ہیں جس طرح کہ کمپنی کے مقبوضہ

ل رعیت واری بندوبست سے رفتہ رفتہ زمینداری پیدا ہو جائے گی بشرطیکہ مالگذاری معتدل ہو اور ایسے اصولوں پر مبنی ہو جن کو لوگ سمجھ سکتے ہیں اور جن میں کبھی کمی بیشی نہیں ہوتی۔ لگان یا مالگذاری سے کہیں زیادہ اُن اصولوں کو سمجھانے کی ضرورت ہے جن پر کہ مالگذاری کی وصولیابی کی گئی ہے۔

باب (۱۸۳۲)

ممالک ہیں اکثر حضرات مفصل تحقیقات کئے جانے سے خوفزدہ ہوتے ہیں کیونکہ ان کا خیال یہ ہے کہ اس کا عملدرآمد اور نتیجہ رعایا کے حق میں مضر ہوگا لیکن حکام کو اپنے علاقے کے متعلق جس قدر مکمل معلومات حاصل ہوں گی اُسی قدر وہاں کے باشندوں پر ظلم و جبر نہ ہو سکے گا تاوقتیکہ ہم یہ فرض نہ کر لیں کہ اس قسم کی معلومات کو ظلم و تشدد کا وسیلہ بنایا جائے گا۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جہاں کہیں ہم نے بند و بست جاری کیا ہے وہاں پر جو معلومات ہم نے حاصل کی ہے اس معلومات کو ہم نے کاشتکاروں پر سختی کرنے کے لئے استعمال کیا ہے اور اضافۂ مالگذاری کی خواہش نے کاشتکاروں کو اس فائدہ سے محروم کر دیا ہے جس سے لوگوں کو کوشش اور محنت کرنے کی رغبت پیدا ہوتی ہے اگر اس الزام کو رفع حجت کے لئے صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ ہم نے اپنے علم کا غلط استعمال کیا نہ یہ کہ وہ علم ہی غیر ضروری تھا۔ فی الحقیقت ہم اس بات کو تسلیم کر سکتے ہیں کہ بغیر اس تفصیلی معلومات کے اکثر اہم مسائل میں ہماری حکومت اور قانون سازی محض تاریکی میں ہوتی رہے گی اور منصفانہ اصولوں پر معتدل مالگذاری لگا کر رعایا کو آسودہ حال

لہ ایک فرد کی ذاتی جائداد کی طرح صوبۂ گجرات کی تفصیلی پیمائش کی گئی لیکن اس کے متعلق کبھی یہ شکایت پیدا نہیں ہوئی کہ اس سے رعایا کو کچھ تکلیف پہنچی یا اس پر کسی طرح کا ظلم ہوا۔ ہمارے ممالک محروسہ کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے کہ جہاں کے باشندے گجراتیوں سے زیادہ فارغ اور آسودہ حال ہوں۔ مغلوں کی حکومت میں بھی بجز چند مستثنیات کے سارے ہندوستان میں عام طور پر پیمائش ہوتی تھی اور قریباً ہر ایک گاؤں کی پیمائش کاغذات میں درج تھی اس لئے جن دیہات کی پیمائش کے کاغذات ضائع ہو گئے ہیں وہاں کی پیمائش اگر ہم کریں گے تو کاشتکار ہم کو انصاف پسند تصور کریں گے البتہ تفصیلی پیمائش سے زمیندار اور دیگر حضرات جو راضی پٹہ پر دیتے ہیں بے چین اور خوفزدہ ہوتے ہیں کیونکہ وہ زیادہ سے زیادہ لگان مقرر کر کے وصول کر لیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کی حقیقی آمدنی سے ہم قطعی لاعلم رہیں البتہ جن اضلاع میں کہ پیمائش ہونے کا رواج نہیں ہے اُن کی پیمائش کاشتکاروں کی رضامندی حاصل کر لینے پر ہونی چاہیئے۔ جب

باب۱۰ بنانے کی ہماری تمنا اس وقت تک پوری نہیں ہو سکے گی جب تک کہ اس مقصد
کے حصول کے لئے ہمارے پاس تفصیلی معلومات موجود نہ ہوں اور ہم واضح طور پر
(۱۸۴۲) اس بات کو نہ سمجھ لیں کہ ہمارے ممالک محروسہ کے مختلف باشندوں کے ہر ایک طبقے
کے فوائد کے لئے اور ان کے مناسب حال اُن کے کون کون سے قوانین قابل
عملدرآمد ہیں۔ ہندوستان میں اچھی عملداری قائم کرنے اور مالگذاری کے متعلق تفصیلی
معلومات حاصل کرنے کے متعلق حال ہی میں بہت سی کارروائی ہوئی ہے لیکن ہماری
واقفیت اپنی لاعلمی کے احساس سے صرف چند قدم آگے بڑھی ہے اور ابھی
اس کے واسطے بہت سا زمانہ درکار ہے قبل اس کے کہ ہم ایسے واقعات فراہم
اور تجربہ حاصل نہ کرلیں جن پر کہ ہم غیر متزلزل انتظامات مستقل طور پر کرنے کی جرائت
کر سکتے ہیں اور یہ زمانہ اگرچہ انسانی زندگی کے لحاظ سے طویل ہے لیکن سلطنت
کے لئے بہت مختصر ہے؂

محکمہ جات پولیس۔ مال و عدالت کے نظم و نسق کے متعلق بہت کچھ مطالعہ
کرنے سے ہم نے جو نتائج اخذ کئے ہیں ان ہی پر ہم نے اپنی مرقومہ بالا رائے قائم کی
ہے گذشتہ تجربہ سے ہمیں یہ ضروری سبق حاصل کرنا چاہیئے کہ ہر ایک ایسی کارروائی
میں ہم نہایت احتیاط اور آہستگی کے ساتھ قدم بڑھائیں جن کے تصادم کا اندیشہ
رعایا کے تعصبات اور عادات سے ہو سکتا ہے۔ اپنی حکومت کی نوعیت کا لحاظ
(۱۸۴۳) کرکے ہمیں بیشک بعض ایسے ادارے قائم کرنے ہوں گے جو موجودہ اداروں سے
بالکل مختلف ہوں گے لیکن حتی الامکان موجودہ اداروں کو ہمیں اپنی تنظیم میں شامل

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ وسط ہند کے چند اضلاع کے باشندوں نے اس کی مخالفت کی سختی اور
ان کے اس حق کو تسلیم کر لیا گیا تھا؂

؂ اس دعوی کی صداقت کے لئے قارئین کو محکمہ عدالت اور محکمہ مال کے کاغذات کی ضخیم جلدیں پڑھنا
چاہیئے جو ابھی حال ہی میں شائع ہوئی ہیں پھر اُن کو معلوم ہو جائیگا کہ تحقیقات کرنے سے روزانہ
نئے اور اہم واقعات معلوم ہوتے جاتے ہیں جن کا اثر رواج اور حقوق کے باعث ہر ایک
ایسے مسئلہ پر پڑتا ہے جو اراضی کے حقوق کے متعلق ہو؂

کرلینا چاہئے ؛
ہماری قوت کی ترقی تاجروں اور بعض غربا اور بیکسوں کے حق میں ضرور مفید ثابت ہوئی ہے لیکن اعلیٰ طبقہ کے ہندوستانیوں اور بہادر قوموں پر اس کا الٹا اثر پڑا ہے اور ہماری سلطنت کی بقا کا انحصار زیادہ تر ان خرابیوں کے دفعیہ ہی پر ہوگا۔ فتوحات کی ذریعہ سے اپنی علداری کو توسیع دینے میں اگرچہ ہم کامیاب ہو گئے لیکن اس کامیابی کی بدولت ہمارے ہاتھ سے یہ عظیم الشان فائدہ نکل گیا کہ اس سے پیشتر ہم گذشتہ علداری کے مظالم اور بدانتظامی کو اپنے یہاں کے انصاف اور خوش انتظامی سے مقابلہ کرکے دونوں کا فرق دکھایا کرتے تھے۔ اب اس نقصان کی تلافی صرف اُس امن سے ہوسکتی ہے جو اپنی دانائی سے ہم اندرونی انتظامات کرکے قائم کرسکتے ہیں لیکن یہ کارروائی عجز و انکسار کے ساتھ نہ کہ غرور اور فخر کے ساتھ کرنی چاہئے ؛
ہمیں اپنے علم کی فضیلت کے جملہ متکبرانہ دعاوی سے اپنے دل کو پاک کرلینا چاہئے اور جو عظیم الشان مقاصد ہمارے پیش نظر ہیں اُن کو ایسے وسائل سے حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جو ان مقاصد کی خاص نوعیت کے لئے موزوں ہوں لیکن اگر ہم دوسرا طریقہ اختیار کریں گے تو اُس سے ہم خود مطمئن ہوجائیں گے اور آپسمیں ہم ایک دوسرے کی مدح سرائی کریں گے اور انگلستان میں بھی ہماری واہ واہ ہوجائے گی کہ ہم نے ایسی تجاویز اور قوانین ہندوستان میں رائج کئے جن کو انگریز سمجھتے ہیں اور جن کی وہ قدر کرسکتے ہیں لیکن نہ تو ہمارے قوانین کی خوبی اور نہ اُن حضرات کی جفاکشی۔ دیانتداری اور فہم و فراست جو ان پر عملدرآمد کریں گے ان خرابیوں کو دور کرسکے گی جو ہر ایسی تدبیر سے پیدا ہونگی جو اہل ہند جیسی رعایا کے قدیم تعصبات اور ان کی جبلی عادات و خصائل کے مخالف ہونگی۔ اس میں شک نہیں کہ رفتہ رفتہ (۱۸۵) زمانہ خود تبدیلی پیدا کردیگا لیکن ابھی وہ زمانہ بہت دور ہے جب ہم اس تبدیلی کی توقع کرسکتے ہیں اور جب کبھی وہ زمانہ آئے گا تو خود سوسائٹی کی عملی کارروائیوں سے اُن کے حق میں وہ سودمند اور بہتر ہوگا۔ ہم نے اس کتاب کے اوراق میں بار بار یہی بات ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے۔ حکومت تو صرف اس قدر کرسکتی ہے کہ ملک کے اندر امن قائم کردے اور رعایا کے عادات و خصائل و جذبات کا

بانبل لحاظ کر کے قوانین اور اصول مقرر کردے تاکہ رفتہ رفتہ اور خموشی کے ساتھ حسب مراد ترقی ہونے لگے لیکن حکومت کو اس کا خیال ضرور رکھنا چاہئے کہ اگر اس مقصد کے حصول میں جلد بازی سے کام لیا جائے گا تو اس تعجیل سے اصل مقصد کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہے ؛

سول سروس

سلطنت ہند کے اندرونی انتظامات کے مختلف محکموں کے متعلق اپنی رائے ظاہر کر دینے سے ہم کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ان سرکاری افسروں کے کیرکٹر کا بھی معائنہ کریں جو عملاً سارا انتظام کر رہے ہیں اگرچہ کمپنی کی سول سروس میں بہت سے انقلابات پیدا ہوئے لیکن ہر ایک زمانے اور ہر ایک انتظام کے تحت اس نے نہایت قابل اور مشہور لوگ پیدا کئے ہیں ؛

ہماری عملداری کے ابتدائی زمانے میں ہندوستان کا نظم و نسق جن لوگوں کے ہاتھ میں تھا انھوں نے دانشمندی سے کام لیکر وہاں کے انتظام کیلئے ان قوانین سے روگردانی کرنے میں عجلت بہت نہیں کی جو اس وقت وہاں پر جاری تھے۔ کچھ عرصہ تک ہندوستانی اور یوروپین مل جل کر مالی اور عدالتی خدمات انجام دیتے رہے۔ جس زمانے تک یہ حالت رہی اُس وقت یوروپین سویلین ہندوستان کی زبانوں[1] اور دفتر کے کام کی تفصیلات سے آگاہ نہ ہوتا تھا اگرچہ وہ کسی ضلع یا محکمہ کا (۱۸۶) عملی افسر ہوتا تھا۔ دفتر کا تفصیلی کام شریف ہندوستانیوں کے سپرد تھا اور اُن کو اپنے عہدہ کے لحاظ سے وہی مشاہرہ ملتا رہا جو اسی عہدہ پر ہندوستانی حکومت کے

[1] یہ ریمارک مدراس اور بمبئی کی زبانوں کی بابتہ ہے۔ بنگالی زبان کے متعلق نہیں ہے کیونکہ ابتدائی زمانہ ہی سے سویلین بنگالی جانتے تھے اور بعض سویلین تو فارسی کے مسلمہ عالم تھے ؛

باب ۱۱ زمانے میں دیا جاتا تھا۔ اس انتظام میں خوبیاں اور نقائص دونوں موجود تھے اور اگر اس میں کوئی فوری تبدیلی پیدا کر دی جاتی تو غالباً ہماری عملداری کی ترقی میں بہت سخت موانعات حائل ہو جاتے کیونکہ ہماری ترقی میں اُن ہندوستانیوں کے رتبہ اور اثر سے بڑی امداد ملی جو یورپین حکام کے ساتھ ساتھ کام کرنے کے لئے ملازم رکھے گئے تھے لیکن جب یورپین حکام کو کام کی تفصیلات سے واقفیت حاصل ہو گئی اُس وقت سے ہندوستانی ملازمان کی نہ وہ عزت رہی اور نہ وہ تنخواہیں رہیں جو انھیں پیشتر ملتی تھیں۔ اس تبدیلی سے بہت سے ہندوستانی ملازمت سے کنارہ کش ہو گئے اور اُن کی جگہ پر ادنی طبقے کے ذلیل لوگ مقرر ہو گئے جو ناجائز وسائل سے روپیہ پیدا کرنے میں وہ چنداں محتاط نہ تھے اور نہ اُن کا کوئی ذاتی وقار رعایا کی نظر میں تھا حالانکہ ان کے پیشرؤں کے ذاتی وقار سے اُن کا عہدہ بھی معزز مانا جاتا تھا۔ ان نئے ملازمان نے ناجائز طریقوں سے نفع حاصل کیا اور انھوں نے اپنا ناواجب اثر اور اختیار برقرار رکھنے کے لئے کوششیں کیں اور اس وجہ سے ان ملازموں نے نہ صرف اپنے کو بلکہ اُن سب کو حقیر اور ذلیل کیا جنھوں نے ان کا اعتبار کیا تھا اور ان کو ملازم رکھا تھا۔

(۱۸۷) مقام شکر ہے کہ اب ایسی تبدیلی واقع ہو گئی ہے جس کے باعث کمپنی کے سول ملازمان میں اپنے فرائض کو زیادہ خوبی سے انجام دینے کی ذاتی قابلیت موجود ہے لیکن اس سے یہ غلط نتیجہ نہ نکالنا چاہئے کہ پچھلے انتظام میں کچھ خوبیاں نہ تھیں اور موجودہ انتظام میں کوئی نقص ہی نہیں ہے۔ پہلے سول افسران پر اکثر نہایت نامنصفانہ اعتراضات کئے گئے ہیں۔ یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ یہ حکام عام طور پر نہ تو ہندوستانی زبانوں سے اس قدر واقف تھے اور نہ دفتر کے تفصیلی کاموں سے ان کو اس درجہ آگاہی حاصل تھی جس قدر کہ آجکل ہے اور یہ کہنا بالکل درست ہے کہ ان حکام کی آمدنی کے جو وسائل تھے وہ آج کل کے مقررہ ذرائع سے کہیں زیادہ مبہم تھے اور ان میں بددیانتی کا زیادہ امکان تھا۔ لیکن ہماری ابتدائی عملداری کی نوعیت کے باعث ہندوستانی زبان کی واقفیت اگرچہ روزمرہ کی کارروائی میں بڑی حد تک معاون ہوتی تھی لیکن جس طور پر اس سے کام لیا جاتا تھا وہ چنداں موثر اور نتیجہ خیز

باب نہ سمجھا جاتا تھا۔ ملک کے نظم ونسق کے اصلاح شدہ نظام میں دیسی زبان کی واقفیت کی شرط ان عہدوں کے لئے لازمی قرار دیدی گئی ہے لیکن ایک قابل سیویلین کے تیار کرنے میں جفاکشی۔ اصول کی سخت پابندی۔ عام واقفیت۔ اور عقل سلیم کے مقابلے میں دیسی زبان کی واقفیت ادنیٰ درجہ پا سکتی ہے کیونکہ اس عہدے کی نوعیت کا اندازہ کرلنے میں اس کی وقعت اسی قدر ہوسکتی ہے جس کی وہ مستحق ہے۔ ان اوصاف کو ترقی دینے اور اُن سے مفید طریقے پر کام لینے میں دیسی زبانوں کی واقفیت سے ضرور امداد ملتی ہے لیکن اگر محولۂ بالا اوصاف موجود نہ ہوں تو محض دیسی زبان کی واقفیت بے سود ہے اور جب اس کے حصول پر زیادہ زور دیا

(۱۸۸) گیا ہے تو بسا اوقات اس سے پبلک کو نقصانات پہنچے ہیں اگرچہ کمپنی کے پہلے سول حکام اپنے عہدے کے ذیلی امور اس طور پر انجام نہیں دیتے تھے جس طرح کہ وہ آج کل کرتے ہیں لیکن سرکاری کاغذات سے پورے طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اُن میں عام معلومات اور ذاتی قابلیت کی کچھ کمی نہ تھی البتہ طرز حکومت میں فرق تھا اور اسی وجہ سے جن ذرائع سے اُن کی خدمات کا معاوضہ دیا جاتا تھا وہ بھی مختلف تھے۔ تو وہ تنخواہ کی بجائے وہ آمدنی کا کچھ حصہ اور اپنی محنت کا معاوضہ ہندوستانی عہدے داروں کی طرح جن کی جگہ انھوں نے لی تھی وصول کرلیتے تھے اور انکی حکومت نے اسے جائز قرار دے دیا تھا۔ ہندوستان کی حکومت کا انگلستان کی جس جماعت سے تعلق تھا اس کی نوعیت کے لحاظ سے بھی یہ موزوں تھا اس لئے ہماری ابتدائی عملداری کے لئے یہی طریقہ نہایت مناسب سمجھا گیا لیکن اس انتظام کی خرابیاں ظاہر ہونے لگیں اور اُن کی اصلاح کردی گئی لیکن جب تک کہ یہ انتظام برقرار رہا تو اس وقت تک سیویلین جن کو چند واضح اور مسلمہ ذرائع سے تنخواہ دی جاتی تھی انگلستان کے چند اعلیٰ حکام سے زیادہ قابل الزام نہ تھے جن کو ہمارے بزرگوں کے مقرر کردہ طریقہ کے مطابق فیس یا جرمانہ کی آمدنی سے تنخواہ ملتی تھی۔

البتہ کمپنی کی سول سروس کے متعلق چند امور غور طلب ہیں لارڈ کلایو کے

(۱۸۹) زمانے سے لیکر اس وقت تک ان لوگوں کے متعلق یکساں شکایتیں ہوتی ہیں۔ ان کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں آتے ہی یہ لوگ فضول خرچ

باب ا
ہو جاتے ہیں اس وجہ سے عموماً یہ لوگ بہت زیادہ مقروض رہتے ہیں اور اسی کے باعث ان میں بعض ایسے خصائل پیدا ہو جاتے ہیں جو ان کی ذاتی وقعت اور مسرت اور سرکاری ملازمت کے مفاد اور فلاح کے خلاف ہوتے ہیں۔ عام طور پر یہ ایک مسلمہ واقعہ ہے لیکن اس خرابی کا علاج نہیں معلوم کیا گیا ہے اپنی خدمات کا بیش بہا معاوضہ ملنے سے فضول خرچی کی عادت پڑ جانا اُن کی نو عمری اور آئندہ ترقیات کا لحاظ کرتے ہوئے ایک قدرتی فعل ہے۔ شباب امیدوں سے پُر ہوتا ہے اور ان توقعات کے بر آنے کے واسطے مشکلات دور کرنے کے لئے جو ذرائع سوچے جاتے ہیں وہ اکثر غلط ثابت ہوتے ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ زندگی کے دوسرے شعبوں میں ایسے پختہ خیال کے نوجوان موجود ہیں جو نوجوانی کی ایسی ترغیبات پر پورا قابو رکھتے ہیں اور حصول آزادی کے مبارک خیال سے کفایت شعاری کی عادتیں اختیار کر لیتے ہیں اور ساتھ ہی یہ لوگ روپیہ بچانے کے ذلیل خیالات سے بھی بالکل مبرا ہوتے ہیں۔ ہم ایسے اثرات بہترین توقعات ترقی رکھنے والے نوجوانوں میں اپنے گرد و پیش دیکھتے ہیں ان لوگوں لے تجارت وکالت یا سرکاری ملازمت کے لئے ضروری تعلیم حاصل کی ہے اور اس لئے ہمیں مطمئن ہو جانا چاہئے کہ جس مقصود کے ہم متلاشی ہیں وہ ترغیبات کے مناظر میں بھی دستیاب ہو سکتا ہے اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جائے گا کہ انگلستان کے دار الحکومت میں ہندوستان سے کہیں زیادہ فضول خرچی کی رغبت ہو سکتی ہے ٭

اس بات پر غور کرنا ضروری ہے کہ آیا کمپنی کے نوجوان سول ملازموں کی تربیت اور ان کے فرائض منصبی میں کوئی ایسی بات موجود ہے جو اس حیرت انگیز (۱۹۰)
فرق کا موجب ہو سکتی ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ فضول خرچی کی عادت اس وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے کہ نوجوان سویلین کو یہ یقین ہوتا ہے کہ آئندہ وہ کسی بڑے عہدہ پر جا پہنچے گا اور اس بات پر ہرگز کوئی اعتراض نہیں کہ وہ شروع میں اسسٹنٹ کلکٹر یا جج مقرر ہوتا ہے اور پھر اپنی جفاکشی اور تجربے سے رفتہ رفتہ ترقی کر کے اعلیٰ عہدے تک کیوں جا پہنچتا ہے۔ یہ امر ناگزیر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ نوجوانوں کے اوصاف ان کے رتبہ کے شایان شان ہونے چاہئیں لیکن اس کے ساتھ ہی یہ دلیل پیش کی

باب جاتی ہے جو بالکل درست ہے کہ ساری تعلیم و تربیت کا تو محض یہ اثر ہو سکتا ہے کہ نوجوانوں میں ضابطہ کی پابندی آجائے اور اُن کے خصائل اس قسم کے ہو جائیں جن سے کہ اُن میں واقفات اور تجربہ سے اپنی معلومات میں اضافہ کرنے کی قوت پیدا ہو جائے لیکن یہ معلومات انکے حق میں اسی وقت مفید ہو سکتے ہیں جب اُن کی عمر کی ترقی کے ساتھ ان معلومات میں بھی اضافہ ہوتا رہے اور ساتھ ساتھ اُن کے عادات و اطوار درست ہوتے رہیں جو رفتہ رفتہ ان کے کیرکٹر کو ترقی دینے کا موجب ہو جائیں ؎

کمپنی کے نوجوان سول ملازم کو پورا یقین ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی محکمے میں اس کو ضرور جگہ مل جائے گی۔ قابلیت کی کمی اُس کی ترقی کے مانع ہو سکتی ہے۔ لیکن اُس کی بے ڈھنگی عادتیں اور اُس کی مقروضی اس کی ترقی کے مانع نہیں ہو سکتی ہے لیکن اگر مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو انگلستان کے نوجوان سرکاری ملازموں کی حالت اس سے کس قدر مختلف معلوم ہوتی ہے کیونکہ انھیں خواہ کیسی ہی آزادانہ تعلیم کیوں نہ دی گئی ہو وہ زینہ کی اول سیڑھی کو ہمیشہ غور سے دیکھتے رہتے ہیں کیونکہ انھیں بخوبی معلوم ہے (۱۹۱) کہ اوباشی۔ فضول خرچی اور مقروضی ہر قدم پر اُن کی ترقی کے مانع ہوگی اور اپنے گرد و پیش وہ ایسی مثالیں دیکھتے رہتے ہیں جو متنبہ کرتی رہتی ہیں اور جن کو دیکھکر وہ اس زینہ کی آخری سیڑھی پر جا پہنچنے کے لئے نہایت باقاعدہ اور مسلسل کوشش کرتے رہتے ہیں ؎

اس سوال کے اُس پہلو پر بہت زیادہ بحث ہوئی جس کا تعلق اُن کالجوں سے ہے جو ہندوستان کی سول سروس کے لئے نوجوانوں کو تعلیم دینے کی غرض سے قایم کئے گئے ہیں کلکتہ اور دہلی برمی کے کالجوں میں دیگر درسگاہوں کی طرح خوبیاں اور خرابیاں دونوں موجود ہیں ؎

لہ مدراس کا کالج کلکتے کے کالجوں سے بالکل مختلف اصول پر قائم کیا گیا ہے اسمیں ہندوستانی اور وہ نوعمر سویلین تعلیم پاتے ہیں جو پڑھنے تو اپنے مکان پر ہیں اور کالج میں آکر سالانہ امتحان دیتے ہیں لیکن بمبئی میں اُن کی تنخواہ یا الاونس میں ترقی ہونے سے پیشتر یہ شرط ہے کہ وہ خود قابلیت حاصل کر کے دیسی زبانوں کا امتحان پاس کریں ؎

باب ۱ سول ملازمان کو کم عمری کے زمانے میں یہاں کے انتہائی کی مقامات پر پہنچنے سے اُن کی بہت سی بری عادات کی خود بخود اصلاح ہو گئی اس انتظام سے سول ملازمان میں اپنے فرائض انجام دینے کی عام قابلیت پیدا ہو گئی اور چونکہ اس درسگاہ کو نوجوان سول ملازمان کے کیرکٹر سے واقف ہونے کا موقع ملتا ہے اس لئے اسکی بدولت حکومت ہند کی

(۱۹۲) ان کو ایسے عہدوں پر مقرر کرنے کے قابل ہو گئی جس کے لئے ان میں ضروری اوصاف موجود تھے اور اپنے آقاؤں سے تعلیم پانے کے باعث اُن میں شوق مقابلہ کا مادہ پیدا ہو گیا جس سے اُنھوں نے اپنے کو ممتاز اور نمایاں کرنے کے لئے اسس قدر کوشش کی جو دوسری صورت میں وہ کبھی ہرگز نہ کرتے اس سے بڑے بڑے فوائد حاصل ہوئے لیکن نوجوانوں کی جماعت کو کلکتہ جیسے بڑے شہر میں ایک مقام پر مجتمع کر دینے سے بڑی خرابی یہ پیدا ہو گئی کہ ایسی جگہ پر فضول خرچی کو روکنا اگر ناممکن نہیں تو بہت دشوار ضرور تھا کیونکہ اس شہر میں اسراف کی ترغیبات اور پھر اپنے شوق کو پورا کرنے کی سہولتیں موجود تھیں ایسے مقام پر ان کی عمر اور اس شہر کی حالت کے لحاظ سے ان کے چال چلن کی نہایت سختی کے ساتھ نگرانی کرنے اور ضابطہ کی پورے طور پر پابندی کرانے کی ضرورت تھی ؛

انگلستان کا کالج ایک بڑے پیمانے پر ہے اور اپنے فاضل اساتذہ کی تعلیم سے پورے طور پر مستفید ہونے کی ہر طرح کی سہولت موجود ہے ؛

ہماری یہ غرض نہیں ہے کہ اس کالج کی حمایت اور مخالفت میں جو دلائل کہ پیش کئے گئے ہیں ان پر ہم تفصیلی بحث کریں البتہ اس سوال کا یہ حصہ خاص طور پر توجہ کرنے کے لائق ہے کہ کس عمر کے طلبا اس کالج میں داخل کئے جائیں اور اس کے متعلق

لہ ۱ اس موقع پر ہم صرف فورٹ ولیم کالج کا تذکرہ کرتے ہیں جس میں سول ملازمان کو ہندوستان پہنچنے پر تعلیم دی جاتی تھی ۔ اس مفید درسگاہ کو علاوہ تعلیم و تربیت کے یہ فخر بھی حاصل ہے کہ اس کے فاضل یوروپین اور ہندوستانی اساتذہ نے ملک کی اور بہت سی شاندار خدمات انجام دی ہیں حکومت کو چاہئے کہ اسکو اگر زیادہ نہیں تو کم از کم ایک علمی مقام ہمیشہ تصور کرتی رہے جو نوجوانوں کو مفید علوم کی تعلیم دینے کے واسطے قایم کیا گیا ہے اور اس خدمت کو وہ نہایت خوبی کے ساتھ انجام دے رہا ہے ؛

باٹلہ (۱۹۳) لوگوں کی رائیں مختلف ہیں جن اصحاب نے کہ سرکاری ملازمت کے مختلف شعبوں میں ان نوجوانوں کی ترقیات کا بغور معائنہ کیا ہے غالباً اُن کی یہی رائے ہوگی کہ مختلف طریقوں کی خوبیاں اور خرابیاں جانچنے کے بعد نوجوانوں کو عمدہ طور پر تعلیم دے کر، ایا زیادہ سے زیادہ ۱۸ سال کی عمر میں اس ملک میں بھیجنا مناسب ہوگا اس سے بجائے کسی نقصان کے زیادہ فائدہ پہنچنے ہی کی توقع ہو سکتی ہے۔ یہ درست ہے کہ انگلستان میں ایک یا دو سال تک اور تعلیم پانے سے وہ اور زیادہ قابلیت حاصل کر لیں گے اور بعض طلبا تو زیادہ تعلیم پانے سے شہرت اور ناموری بھی حاصل کر لیں گے لیکن ناموروگ بنانا تو ہمارا مقصد نہیں ہے (نامور تو وہ خود ہی بنجائیں گے) بلکہ ایک ایسی جماعت تیار کرنا ہمارا مقصد ہے جو اپنے فرائض منصبی کو خوش اسلوبی سے ادا کر سکے اور اس وجہ سے ان کی ایسی عمر ہونی چاہئے کہ ابتدا میں جو کام اُن کے سپرد کیا جائے وہ اپنے کو اسی کے مطابق بنا سکیں ہندوستان کی ملازمت میں داخل ہونے پر سارے علم وفضل سے بڑھ کر اگر اس کے ساتھ دماغ میں نخوت اور ہمہ دانی کا تکبر شامل ہوگیا جو نوجوانی کے لوازمات میں سے ہے۔ اپنی کمزوریوں کا عاجزانہ احساس کہیں زیادہ سودمند ہوگا انگلستان میں زیادہ پختہ عمر ہونے تک قیام کرنے کی تائید میں یہ دلیل بھی پیش کی جاتی ہے کہ تکمیل تعلیم کے علاوہ وہ اچھے اصولوں کے پابند ہو جائیں گے اور انھیں اپنے وطن سے الفت اور اس کے متعلق واقفیت پیدا ہو جائیگی۔ اگر یہ نتائج یقینی ہوں تو اس سے زیادہ اور کیا مناسب ہو سکتا ہے۔ مستثنیات کو چھوڑ کر عام طور پر ہم یہی فرض کر سکتے ہیں کہ ۱۷ سے ۲۰ سال تک کی عمر میں عادات وخصائل اور اصول زندگی بجائے عقل اور ترقی پذیر ہونے کے بے ثبات

(۱۹۴) اور متزلزل ہوتے ہیں بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ کسی نوجوان کو اس قسم کے خطرات لاحق ہوں جو نہایت باقاعدہ محکموں میں ان کی کمی تعداد کی باعث ضرور پیدا ہونگے اور جبکہ اُن کے والدین اور اعزا عرصۂ دراز کے لئے جدائی ہونے کے خیال سے اُن کے شوق اور حوصلے کو پورا کرنے کی تمام کوشش کریں گے۔ علاوہ بریں نوجوانی میں اپنے ملک کے عیش پرستی کے وسائل سے حظ اٹھانے کی خواہش ہوگی لیکن آیندہ جس طرح کی زندگی انھیں بسر کرنا ہے اس کے واسطے یہ کچھ خوش آیند

باب۔ب تیاری نہ ہوگی ایسی صورتمیں جب انھیں یہ خیال ہوگا کہ اس طرح عمر کا بڑا حصہ گزارنا ہے نو یا تو وہ اس جگہ سے ناراض ہوکر واپس آجائیں گے یا پھر نہایت لاپروائی کے ساتھ وہ ان نعمتوں کی تلافی کے لئے جس سے وہ اپنے آپ کو محروم سمجھیں گے فضول خرچ بن جائیں گے؛

اس بات سے انکار نہیں ہوسکتا کہ نوعمری میں جو لوگ کہ ہندوستانی ملازمت اختیار کرلتے ہیں انھیں چند خطرات پیش آتے ہیں اور ان میں سے بعض خطرات بہت بڑے ہیں لیکن جو شخص کہ زیادہ عمر میں ملازمت کرے گا اُس کی بہ نسبت کم عمری میں ملازمت اختیار کرنے میں یہ بہتری ہے کہ وہ اپنی ملازمت کے مختلف مدارج میں مطمئن رہے گا اور اپنے کو مفید ثابت کرسکے گا؛

علاوہ بریں چند ضروری اوصاف اور نیک چلنی کی شہادت ضروری ہے اور کسی نوجوان کو ہندوستانی سول سروس کیلئے جانے کی اجازت نہ دینی چاہیئے جبتک کہ اس میں یہ اوصاف نہ موجود ہوں لیکن اگر اس ملک کے قوانین پر سختی کے ساتھ عملدرآمد کیا جائے اور اُن کے عہدہ اور تنخواہ کی ترقی کا انحصار حصول قابلیت پر کردیا جائے اور یہ بھی طے کردیا جائے کہ اگر مقروضی اور فضول خرچی کی وجہ سے اُن کی ترقی مسدود ہوگی تو کم از کم اس میں حارج ضرور ہوگی تو پھر ہمیں یہ توقع بجا طور پر ہوسکتی ہے کہ اس اصلاح سے موجودہ انتظام کے بہت سے نقائص رفع ہوجائیں گے لیکن اس کو موثر بنانے کے لئے بہت سی تبدیلیاں کرنی پڑینگی۔ بحالت موجودہ سول ملازم چند خاص قابلیتیں حاصل کرنے کے لئے مجبور ہے قبل اس کے کہ وہ ملازمت میں لیا جائے اور جب وہ دفتر میں ہوتا ہے تو اس کو بہت سا وقت سرکاری خدمات کے انجام دینے میں صرف (۱۹۵)

۱ے کئی مرتبہ یہ قاعدہ مقرر کیا گیا لیکن اس پر کبھی سختی سے عملدرآمد نہیں ہوا جس کے وجوہ ظاہر ہیں۔ کیونکہ ایسے قوانین انگریزی حکومت کے خیالات کے سخت خلاف ہیں جو سرکاری ملازمان کے پرائیوٹ معاملات میں دست اندازی کریں لیکن جبکہ اس سے ہمارے ملک کی شہرت اور اغراض وابستہ ہوں تو ایسی صورت میں اس فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرنی چاہیئے؛

باب ۱ کرنا ہوتا ہے اور اگرچہ خاص خاص حالتوں میں بعض بے ڈھنگی عادتیں اور اس کی مقروضی سرکاری کام میں حارج اور مانع نہیں ہوتیں لیکن ان عیوب سے نہ صرف اس کے بہترین جذبات کے مردہ ہونے بلکہ اس کے اصولوں کے ٹوٹ جانے کا بھی اندیشہ ہے اور وہ ایسے اثرات کے تحت میں بھی آسکتا ہے جو اُس کی ذاتی شہرت اور سلطنت کے اغراض کے حق میں مضرت ناک ثابت ہوں۔

زندگی کے دیگر شعبوں میں نوجوانوں کی جو مثال ہمارے پیش نظر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا مقصد حاصل ہو سکتا ہے اور اس سے وہ طریقہ معلوم ہو جاتا ہے جس سے کہ یہ خرابی دور ہو سکتی ہے لیکن ایسی احتیاط کے ساتھ اس پر عمل کرنا چاہیئے جس سے کہ یہ ملازمت
(۱۹۶) حوصلہ افزا ثابت ہو نہ کہ حوصلہ شکن بن جائے ملازمت میں جو نوجوان داخل ہوتے ہیں ان کے رشتہ داروں اور پبلک کے مفاد کے لحاظ سے ہمیں ہندوستان کے موجودہ قواعد سے زیادہ سخت ضابطہ اُن کے واسطے مقرر کرنا چاہیئے۔ انھیں زیادہ تر اس قسم کی تعلیم دینی چاہیئے جس سے کہ ان میں اپنی ملازمت کی ابتدائی خدمات انجام دینے کی قابلیت پیدا ہو جائے اور اس میں اُن کے ساتھ کسی قسم کی ہرگز رعایت نہ کرنی چاہیئے تاکہ اس قسم کی قابلیت اور مستعدی پیدا ہو جانے کے بعد وہ اپنے افسران بالادست کو امداد دے سکیں جنکی ماتحتی میں کہ انکو کام کرنا ہوگا اور انکی کارگذاری اور چال چلن کے متعلق افسران بالادست کی رپورٹ پر انکی ترقی منحصر ہونی چاہیئے اور اگر کوئی نوجوان سویلین ملازمت کے لئے ضروری قابلیت حاصل نہ کرے یا اپنی کاہلی اور بے ضابطگی کا ثبوت دے تو چند سال بعد[1] سے انگلستان واپس بھیج دینا چاہیئے بظاہر یہ بہت سختی معلوم ہوتی ہے لیکن اگر امیدواروں کو معلوم ہو جائے کہ نالائقی اور بدچلنی کا یہ انجام ضرور ہوگا تو
(۱۹۷) شاذونادر ہی یہ سزا دینی پڑیگی پھر ایسے والدین جنھیں اپنے لڑکوں کی قابلیت یا چال چلن کے متعلق کچھ بھی شکوک ہوں گے اس قسم کی آزمائش کے لئے ہرگز آمادہ نہ ہونگے۔ اور پھر ہر ایک معقول اور شریف شخص حماقت۔ فضول خرچی اور بدچلنی سے باز رہیگا کیونکہ اُسے یہ خوف لگا رہیگا کہ ان ناشائستہ حرکات سے وہ اپنے اور دوسروں کو شرمندہ کرنے اور مصیبت میں

---

[1] اکثر یہ شکایت کی گئی ہے کہ اگر ہیلیبری کالج کا کوئی ۱۷ سالہ طالب علم ہندوستان کو جانا پسند نہیں کرتا تو اس کے اختیار میں ہے کہ اپنی طفلانہ حرکت سے وہ اپنی عمر بھر کی ساری توقعات کو ضائع

پھنسانے کا موجب ہو جائے گا لیکن بالفرض اگر کبھی اس کے برعکس نتیجہ برآمد ہو تو چند لوگوں کو اس قسم کی معقول سزا دینے سے نہایت مفید مثال قایم ہو جائیگی اور ہندوستان کے موجودہ اور آیندہ سول افسروں کی نیک نفسی اور قابلیت کو پیش نظر رکھ کر اس بات کا گمان نہیں ہو سکتا کہ ان میں سے کوئی نوجوانوں یا اُن کے متعلقین و معاونین کا لحاظ کر کے کسی ایسے قاعدے کی پابندی یا عملدرآمد میں جو اس اہم مقصد کے حصول کے لئے اختیار کیا جائے مداخلت کرے گا۔ بہت سے چھوٹے انتظامات سے اس تدبیر کی کامیابی میں مدد مل سکتی ہے لیکن یہ امر یقینی ہے کہ جس وقت سے کہ اس قسم کی سخت کارروائی شروع ہوگی اُس وقت سے کاہلی اور فضول خرچی کی مثالیں شاذ رہ جائینگی نہ صرف افراد اور ان کے احباب کاہلی اور فضول خرچی کے مخالف بن جائیں گے بلکہ سرے سے ان کے وسائل ہی مفقود ہو جائیں گے؏

اور پھر ان لوگوں کو قرضے نہیں دیا جائے گا جن کی مسرفانہ عادت ان کو

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ کر دیتا ہے اور اپنے کالج کے خلاف کسی جرم کا ارتکاب کر کے وہ اپنا نام خارج کرا لیتا ہے۔ اور یہ امر بھی مسلم ہے کہ گورنمنٹ کے پاس اس کے کچھ وجوہ موجود ہوں گے کہ ملازمت میں داخل ہونے والوں کے لئے اُس نے ایسے سخت قواعد کیوں بنائے ہیں طلبا کی عمر کا لحاظ کر کے ان قواعد میں کچھ نرمی کرنے کی ضرورت ہے لیکن یہ رعایت ایسے طلبا کے ساتھ ہرگز نہ کرنی چاہیئے جو کاہل یا آوارہ ہوں بعض حضرات انگلستان اس طرح واپس کرنے پر اعتراض کریں گے لیکن بڑی عمر پہ پہنچکر خوئے بد کی اصلاح قطعی ناممکن ہے؏

۲؎ جن تدابیر کی ہم نے سفارش کی ہے ان سے جو کمزور تدابیر کی آزمائش کی گئی اور قطعی ناکامی ہوئی اکثر یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ ایک خاص عمر تک کے نوجوانوں کے ذمہ جو قرضہ ہو وہ خاص واقعات کی صورت میں قانوناً واپس نہ دلایا جائے اور اگرچہ اس قسم کے قرضے ملازمت میں حارج اور مانع نہ ہوں گے لیکن ایسی اور شرائط اور ضمانتیں پیش ہو سکتی ہیں جو منظور ہو سکتی ہیں۔ زرپیشگی کی ادائگی کی اقساط میں اضافہ ہو سکتا ہے لیکن اس تدبیر سے لاابالی نوجوان اپنی حرکات سے باز نہ آئیں گے کیونکہ ان کی فضول خرچی کو روکنے کی ایسی ناکافی کوششوں سے اُن کی پریشانیوں میں اور اضافہ ہو جائیگا؏

باب۱۰ قرضہ ادا کرنے کے لائق ہی نہ رکھے گی ؛

(۱۹۸) اس قسم کی ہر ایک تجویز پر نتیجہ خیز عملدرآمد کرنے کے لئے ہندوستان میں نوعمر امیدواروں کی تعداد میں اضافہ کر دینے کی ضرورت ہوگی تاکہ مقامی حکومت کو ابتداء ملازمت ہی کے وقت انتخاب کرنے کا موقع مل سکے اور آئندہ ترقیات کے واسطے اس اصول پر عمل کرنے کے واسطے ملازمت اور ترقی کی مدت مقرر کر دینی چاہئے ہماری رائے میں کسی اور تدبیر سے وہ اعلیٰ دماغی اوصاف نشو ونما نہیں پاسکیں گے جن کا ان سب لوگوں میں ہونا ضروری اور لازمی ہے۔ جو سلطنت ہند کے اعلیٰ عہدوں پر مقرر ہوتے ہیں یا مقرر ہونے کی توقع رکھتے ہیں ؛

آج کل ایک سویلین کی سب سے بڑی تمنا یہ ہوتی ہے کہ وہ مجلس اعلیٰ کا رکن بن جائے اور چونکہ ہر پانچ سال کے بعد اس میں رکنیت کی جگہ خالی ہوتی رہتی ہے اسلئے رکنیت کے خواستگار سویلین کے دل میں اس تمنا کے پورے ہونے کا اشتیاق اس کو نہایت شاداں اور فرحاں رکھتا ہے کوئی وجہ نہیں کہ ایوان تجارت، مجلس صیغۂ مال کے صدر اور صدر دیوانی ایک میعاد معینہ کے بعد کیوں نہ تبدیل ہوتے رہیں ؛[۱]

ان عہدوں کے لئے نامزدگی[۲] کا اختیار مقامی حکومتوں کو حاصل ہے وہ ایک رکن کو دوبارہ مقرر کر سکیں گی اگر اُس کی غیر معمولی قابلیت سے اس جگہ میں استثنا کی ضرورت پیش آئے گی اور اس استثنا سے مقابلے کی پرجوش اسپرٹ پیدا ہو کر اس نظام میں نئی جان پڑ جائے گی ؛

(۱۹۹) اس تجویز پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ رکن مجلس کو ۵ سال تک جو تنخواہ ملے گی اُس سے وہ اس قدر عیش کر سکے گا جو کسی دوسری ملازمت میں وہ نہیں کر سکتا ہے

۱؎ اگر اس قسم کی کوئی تبدیلی کی جائے تو انصاف اس کا مقتضی ہے کہ جو لوگ ان عہدوں پر مامور ہیں اگر وہ خواہش کریں تو پورے ۵ سال تک اُن کو اسی عہدے پر رہنے دیا جائے ؛

۲؎ اس اختیار کے ناجائز استعمال پر اعتراض ہو سکتے ہیں لیکن اس کا شافی جواب یہ ہے کہ مقامی حکومتوں نے مجلس کی رکنیت کے لئے اس وقت تک جن لوگوں کی سفارش کی ہے اُن کی فہرست ملاحظہ کر لی جائے ؛

باب ۱ اسے ۵ سال بعد عہدہ کو چھوڑنے پر مجبور کرنا سخت ظلم ہوگا لیکن اس اعتراض کا یہ جواب ہے کہ
سلطنت ہند جیسی حکومت کا یہ ایک ضروری اصول ہے کہ مفاد عامہ کے لحاظ سے
ملازمان کو ترقی اور انعامات دئے جائیں اور اس انتظام سے سلطنت کو جن فوائد کے
پہنچنے کی امید ہے اُن سے سلطنت کو محروم رکھنے کی بہ نسبت یہ بہتر ہے کہ ان عہدوں
پر جو لوگ مامور ہوں ان کے مشاہرہ میں اضافہ کر دیا جائے۔ ایسی تدابیر پر ضرور عمل
کرنا چاہئے جن سے کہ ہمارے قابل سویلین انگلستان اور ہندوستان میں ناموری
اور اعلیٰ عہدے حاصل کرنے کی توقع کر سکیں سول سروس میں داخل ہونے کے لئے
کثیر دولت پیدا کرنے کی جو امید کسی زمانے میں تھی وہ اب باقی نہیں رہی ہے۔ اب (۲۰۰)
سول سروس کے امیدوار صرف یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ وہ زیادہ عمر پر پہنچکر اوسط درجہ
کی حیثیت حاصل کرینگے آرام و آسائش کے ساتھ زندگی بسر کر سکینگے سلطنت انکو اس
سے زیادہ الاؤنس[1] نہیں دے سکتی جو اُن کو اب ملتا ہے اس لئے جو لوگ کہ اس
ملازمت میں داخل ہوتے ہیں اُن کو ابتداءً ملازمت میں دولت پیدا کرنے کا خیال
کرنا نہایت نامناسب ہے جو اگرچہ بدیانتی سے جدا ہے تاہم اس بلند خیالی کے بالکل منافی
ہے جس کا قائم رکھنا اس امر کے ثبوت کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس قبیح عادت
سے بالکل پاک و صاف ہیں اور اس کے سوائے کسی اور تدبیر صحیح کفایت شعاری سے
کام لینے کی طرف بھی توجہ نہ ہوگی جو خیالات اور اعمال کی آزادی کیلئے لازمی و لابدی شے ہے۔

خواہ کیسا ہی انتظام ہو اور کیسے ہی احکام کیوں نہ نافذ ہوں سرکاری
ملازمت کے اس شعبہ کی ترقی اور اس کے استحکام کی کامیابی کا انحصار
مقامی حکومت کے اعلیٰ افسران کی قابلیت اور کیرکٹر پر ہے ہندوستان کے محدود
نظم و نسق کا انحصار اُن کے علم و فضل۔ غیر جانبداری اور۔ غیر متزلزل استقلال عمل پر ہے (۲۰۱)

[1] اس محکمے نیز دیگر شعبوں کے سرکاری ملازمان کے متعلق یہ مسئلہ خاص توجہ کا مستحق ہے کہ انگلستان
کو روپیہ روانہ کرنے میں وہ سخت نقصان میں رہتے ہیں۔ اور اگر اس کا سلسلہ جاری رہا تو اسکے
اثرات ان کے بچوں کی تعلیم اور اُن کی خدمت سے علیحدگی پر پڑیں گے جو سرکاری ملازمان کو ہر طرح
اپنے وطن مالوف سے وابستہ رہنے کے اساسی اصول کے منافی ہے۔

باب ۱

ہم اپنی حکومت کے دیگر شعبوں کے معیار کو گھٹا کر انھیں ایک خاص حد تک غیر معمولی قابلیت کی ضرورت سے آزاد کر سکتے ہیں لیکن کونسل آف اسٹیٹ کی صدارت کیلئے ہمیں ہمیشہ مسلسل نہایت قابل حضرات کی ضرورت لاحق رہیگی جس پر اس کی عجیب نوعیت کے باعث اس کے حکام کے ذاتی کیرکٹر کا اثر اتنا ہی پڑتا ہے جتنا کہ ایک مطلق العنان بادشاہ کا اس کی سلطنت پر۔

ہندوستانی فوج

اگرچہ ہماری حکومت کی کامیابی کا زیادہ تر انحصار سول انتظام پر ہے لیکن جب تک کہ ہمارے پاس اعلیٰ درجے کی فوجی قوت موجود نہ ہو اس وقت تک اس کی ترقی کے لئے ہماری ساری کوششیں بے سود ثابت ہوں گی اور اس لحاظ سے اس ملک میں ہمارے فوجی محکمے کے متعلق ہر ایک مسئلہ نہایت اہم ہے کیونکہ فوجی قوت ہی کے بل بوتے پر ہم ہندوستان کو قبضے میں رکھ سکتے ہیں اور اگر فوجی انتظامات میں خرابی ہوگی تو یقیناً وہ ہماری تباہی کا موجب ہوگی۔ گزشتہ واقعات کی شہادت سے یہ بات پورے طور پر ثابت ہو چکی ہے اور اب اس کی تائید میں کوئی دلیل پیش کرنا محض فضول ہے بادشاہ سلامت کے جو رسالے ہندوستان میں مامور ہیں اُن میں کلیتاً یورپین ہیں اور ان میں اور برطانوی فوج میں کچھ بھی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ وہ برطانوی فوج کا ایک جز ہے لہذا فوج کے اس حصے کے متعلق کسی قسم کی رائے زنی کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

(۲۰۲) اس لئے ہم صرف کمپنی کی فوج کی تنظیم اور اس کے قوانین پر غور کریں گے۔ جو ڈھائی لاکھ سپاہ[۱] پر مشتمل ہے اولاً ہم اس کے عام انتظام کی خرابیوں کو رفع کرنے کے

۱؎ کمپنی کی فوج میں ۲۳۶۶ ۲ ۳ ہندوستانی افسر اور سپاہی ہیں بحوالہ مراسلہ منجانب لارڈ کارنوا لس

باب ۱

تجاویز پر ایک سرسری نظر ڈالیں گے جو پیش کی گئی ہیں اور پھر اُن تبدیلیوں پر غور کریں گے جو واقعات کے لحاظ سے ضروری معلوم ہوتی ہیں۔

مسٹر ڈنڈاز (Dundas) وزیر ہند نے لارڈ کارنوالس سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ ایک ایسی تدبیر بتائے جس سے کہ ہندوستانی فوج کو شاہی فوج بنا دیا جائے اور اپنی تجویز کی تائید میں حسب ذیل دلائل پیش کیے "سلطنت ہند کے تحفظ اور استحکام کے لئے اور اُس بے لطفی اور رشک وحسد کو رفع کرنے کے واسطے جو شاہی فوج اور کمپنی کے مختلف صوبوں کے رسالوں کے مابین اکثر ظاہر ہو چکا ہے"۔

لارڈ کارنوالس کے جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا یہ پختہ عقیدہ تھا کہ دونوں قسم کے ملازمان کے تشفی بخش اور منفعت بخش کوئی انتظام مستقل طور پر نہیں ہو سکتا ہے جس سے کہ ہندوستان کی دیسی اور یورپین فوج کو شاہی فوج میں تبدیل کر دیا جائے اور ترمیمیں کر کے اس کو آئندہ بالکل اُن قوانین کا محکوم اور پابند کر دیا جائے جو باشاہی فوج میں نافذ ہیں۔ (۲۰۳)

لارڈ کارنوالس نے اپنی یہ رائے ظاہر کی تھی کہ اگر ہندوستان کی فوج شاہی بنا دی جائے تو اس صورت میں بھی اُسے کمپنی کے بالکل ماتحت رہنا چاہئے اور جن اصحاب کے ہاتھ میں مقامی حکومت کی زمام حکومت رہے انھیں فوج کے ادنیٰ اور اعلیٰ افسران کو معطل کرنے اور انگلستان واپس بھیج دینے کا پورا اختیار حاصل ہو۔ البتہ حضور ملک معظم کو یہ حق حاصل ہے کہ اس طرح انگلستان بھیجے ہوئے افسر کے چال چلن کی وہ بعد میں تحقیقات فرمائیں اور اس صورت میں صرف مقامی حکومت ہی اس ناطق حکم دینے کی مجلس نظما کے روبرو جوابدہ ہوگی۔ لارڈ کارنوالس نے اپنے مرقومۂ بالا خط میں اس بات کو بطور ایک اصول کے بار بار ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے کہ ایسی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں جن سے ہر قسم کے یورپین افسران اور بالخصوص فوجی افسروں کو انگلستان واپس جانے کی ترغیب وتحریص پیدا ہو جائے وہ سفارش کرتا ہے کہ چند سال کی ملازمت

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ بنام مسٹر ڈنڈاز مورخہ ۷ نومبر ۱۷۹۴ء

باب۱ کے بعد ہر قسم کے یوروپین افسران کو رخصت اور ملازمت[۱] سے دست کشی اختیار کرلنے کی صورت میں پوری تنخواہ دی جائے۔ مدت ملازمت کے لحاظ سے ترقی دینی چاہئے اور چند شرائط کے ساتھ وہ کمیشن کے عہدے فروخت کرلنے کا بھی حامی ہے۔ اس کی رائے ہے کہ فوج کی دو شاخیں یوروپین اور ہندوستانی بالکل علیحدہ علیحدہ کردی جائیں اور آئندہ اُن کے باہمی تبادلے کی اجازت نہ دی جائے
(۲۰۴) کیونکہ اس سے سرپرستی کے غلط استعمال اور نالائق یوروپین افسران کی دیسی فوج میں آلنے کا دروازہ کھل جائیگا۔

اس لئے آخرالذکر کی حفاظت کرلنے کی ضرورت بہت زور کے ساتھ بیان کی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "جو افسران ایسے دور دراز مقام پر خدمات انجام دینے کے واسطے مستقل طور پر مامور کردئے گئے ہیں پھر اُن کے حقوق کی باضابطہ طور پر حفاظت کرنی چاہئے تاکہ کسی سپہ سالار فوج کی بے ضابطگی سے انھیں نقصان نہ پہنچ سکے کمپنی لنے جب ۱۸۱۱ء میں اپنے خاص حقوق کی تجدید کے لئے درخواست کی تو اُس وقت فوج کے منتقل ہو لنے کا مسئلہ پھر پیش ہوا۔ جن حضرات نے کہ اس کی حمایت کی تھی اُن کی خاص دلیل اُس رشک وحسد اور نااتفاقی کو ختم کردینے کی ناگزیر ضرورت پر مبنی تھی جو ہندوستان میں شاہی اور کمپنی کی فوج کے افسران کے مابین موجود تھی لیکن اُن کی منتقلی کے جو اصول کہ اب پیش کئے گئے وہ لارڈ کارنواس کے اصولوں سے چند خاص مسائل میں بالکل مختلف ہیں۔ سپہ سالار فوج کو خصوصاً اعلیٰ

---

[۱] لفٹننٹ کرنل کو ۲۶ سال کی ملازمت کے بعد میجر کو ۲۳ سال کی کپتان کو ۱۰ سال کی اور کلغی وجھنڈی بردار افسر کو ۷ سال کی ملازمت کے بعد انگلستان جانیکی اجازت دینی چاہئے۔

لارڈ کارنواس نے سفارش کی ہے کہ سپہ سالار فوج کو یہ اختیار حاصل ہونا چاہئے اور اگر وہ اس اختیار سے کام لینا پسند کرے تو ایک رجمنٹ میں کمیشن یافتہ افسر کی جگہ خالی ہو لنے پر دوسری رجمنٹ کے افسر کو اس جگہ کے خرید لنے کی اجازت دیدے لیکن اس اختیار سے وہ اس کا مجاز نہیں کہ کسی ایسے افسر کا اُس خالی جگہ پر تقرر کردے جن کی مدت ملازمت اس عہدے کے خریدار افسر سے زیادہ نہیں ہے۔"

باب۵ عہدہ داروں کے ہندوستان کی مقامی سروس کا شوق دلانے اور اس کا صلہ دینے کے
طور پر یہ تجویز کیا گیا کہ وہ کرنل کے درجہ تک پہنچنے پر دنیا کے ہر ایک حصہ میں ملازم
ہوسکیں گے اور اس تدبیر سے یہ امید کی گئی کہ اس سے نہ صرف اس شعبہ میں ملازمت
کرنے کا شوق پیدا ہو گا بلکہ ملک کی عام ملازمت کے واسطے قابل اور تجربہ کار اشخاص
بھی دستیاب ہوسکیں گے یہ تجویز بھی پیش کی گئی کہ فوج کی ان دونوں شاخوں میں باہمی
(۲۰۵) تبادلہ رائج کیا جائے البتہ چند ایسے قیود لگادئے جائیں جو مقامی سروس کی خوبیوں
کو برقرار رکھنے کے واسطے ناگزیر ہوں اور جو لوگ کہ ہندوستان کی فوجی ملازمت میں
داخل ہوں اُن کے واسطے ہندوستان کی زبان جاننا اور ایک معینہ میعاد تک
ہندوستان میں قیام کرنا لازمی قرار دیدیا جائے جو افسر کہ فوج کے ہندوستانی شعبہ
میں داخل ہوں اُن کو اپنی جگہ فروخت کرنے کی اجازت نہیں دینی چاہئے۔ البتہ
چند مقررہ سال تک ملازم رہنے کے بعد اُن کو خدمت سے علیحدگی اختیار کرنے
کی صورت میں پوری تنخواہ ملنے کا موجودہ استحقاق حاصل رہیگا۔ یہ بھی قرار پایا کہ
اس تبدیلی کے بعد مختلف صوبوں کی فوجوں کو ملاکر ایک فوج بنادی جائے۔
ہندوستانی فوج کی اصلاح کے اساسی اصول کی بنا پر اس بات کی بھی نہایت پُرزور
سفارش کی گئی کہ اُس رشک اور اشتعال کا بھی خاتمہ کردینا چاہیئے جو بنگال و مدراس
اور بمبئی کی فوجوں کی ترقی اور الاونس میں امتیاز کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔

کمپنی اور شاہی فوج کے افسراں کے باہمی تبادلے کی مخالفت میں یہ زبردست دلائل
پیش کئے گئے کہ دیسی فوج کا دستور العمل ایک خاص قسم کا ہے اور جو یورپین افسر
اُس میں ملازم ہیں انھیں ضروری تعلیم دی جاتی ہے اور گذشتہ تدابیر سے ملازمت کے
اس شعبے میں جو خوبیاں اور قوت پیدا ہوگئی ہے وہ اُس زمانے میں موجود نہ تھی
(۲۰۶) جب لارڈ کارنوالس نے افسران کے تبادلے کی تجویز پیش کی تھی اور یہ بھی بیان کیا
گیا کہ جو مقاصد اُس شریف النفس کے مدنظر تھے وہ سنہ ۱۷۹۶ء کے قواعد سے حاصل
ہوگئے اور جس حد تک کہ موجودہ فوج کی نوعیت اور تنظیم کے لحاظ سے کمپنی کی فوج
کے افسران کا درجہ اور رتبہ شاہی فوج کے افسران کی وجہ سے بڑھایا جاسکتا تھا
بڑھادیا گیا۔ ہندوستان کی فوج کو انگلستان کے اعلٰی فوجی افسر کے تحت کردینے سے فوج

باب ۱۱ کی قابلیت اور کیرکٹر کو جو خطرہ پیش آئیگا اس پر بڑے زور شور کے ساتھ بحث کی گئی اور یہ کہا گیا کہ اگر ان افسروں کے باہمی تبادلے کئے جائیں گے تو ہندوستان کے فوجی افسروں کی نہ کوئی قابلیت اور نہ استحقاق اور نہ اُن کی حفاظت کے قوانین کا خیال اُس اثر اور ہمدردی کا مقابلہ کر سکے گا جو ہمیشہ شاہی فوج کے افسران کے حق میں ہوگی۔

اور اس میان سب باتوں کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ مقامی فوج جب شاہی کر دی جائیگی تو وہ ادنے درجے کی ہو جائیگی اور اس سے ہم کو سخت اندیشہ ہے کہ یہ امر ہماری سلطنت ہند کے وجود کے حق میں نہایت مہلک ثابت ہوگا اکثر دستوری اعتراض یہ پیش کیا جاتا ہے کہ اس قدر عظیم الشان فوج کی کمان کو تاج برطانیہ کے سپرد کرنے سے اس کی سرپرستی کے اختیارات میں بہت زبردست اضافہ ہو جائے گا وہ اس وقت بھی دوہرایا گیا لیکن مجلس نظما کے صدر نے جو دلائل پیش کئے ہیں وہ زیادہ تر سیاسی وجوہ پر مبنی ہیں۔ ہم اُن ہی کے الفاظ میں اُن کے دلائل بیان کئے دیتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ابھی تک کمپنی کی رعایا اور غیر سلطنتیں کمپنی کی عزت کرتی ہیں کیونکہ اُس کے پاس ایک زبردست فوج موجود ہے وہی اس فوج کی تنظیم (۲۰۷) کرتی ہے۔ اس میں کمی بیشی اور اس کے لئے افسران کا تقرر کرتی ہے کارگذاری پر انعامات اور نالائقی پر سزا دیتی ہے۔ پورا لنے افسر اور سپاہیوں کے وظیفہ پر علحدہ ہونے پر ان کے آرام و آسایش کا بندوبست کرتی ہے المختصر اعلیٰ درجہ کی فوجی اسپرٹ رکھنے والے لوگوں کی ایک زبردست جماعت پر حکومت کرنے کے جملہ فرائض انجام دیتی ہے اور اُن کی فرماں برداری اور وفاداری سے کمپنی کو ہر طرح کی عزت اور فائدہ حاصل ہوتا ہے سول حکومت اور سول ملازمت کے ارکان کو دیکھئے کہ ان کے افسر بھی سویلین ہیں اور وہ بلطیب خاطر اپنے افسر کی اطاعت کرتے ہیں اور اس وجہ سے وہ اندرونی انتظام نہایت خوبی سے کر رہے ہیں اور اسی لئے اُن کی باہر بھی قدر ہے۔ چند شاہی رجمنٹوں کے لئے جانے سے یہی سمجھا گیا ہے کہ یہ کارروائی مفاد عامہ کی غرض سے کی گئی ہے لیکن اگر کمپنی اپنی ساری فوجی قوت سے محروم کر دی جائے گی اگر وہ کسی ایک رجمنٹ کی بھی مالک نہ رہیگی۔ نہ کسی سپاہی کو اُس کے

باب ا عہدے پر برقرار رکھ سکے گی نہ کسی ماتحت کو ترقی دیکر افسر بنا سکے گی اور اگر یہ زبردست
جماعت جو ہمیشہ کمپنی کی عنایت کی امید وار رہی ہے اُس سے علیحدہ کر دی جائیگی
تو رعایا بھی سمجھے گی کہ ہماری قوت کا خاتمہ ہوگیا اور ہمارا زوال بھی قریب آرہا ہے
لیکن اگر حسب معمول کمپنی کو فوج ہیں ملازم رکھنے سویلین مقرر کرنے اور ان سے نظم
(۲۰۸) ونسق کا کام لینے کا پورا استحقاق حاصل ہوگا تو رعایا کو بھی کوئی بے اطمینانی نہ ہوگی۔ یہ
ملازم جج۔ مجسٹریٹ اور کلکٹر کے فرائض انجام دینے میں رائے عامہ سے اس
احترام اور امداد کی توقع نہیں کر سکتے تھے اور نہ فوج کی وفاداری کی امید کر سکتے تھے
جو اس صورت میں حاصل ہوئی کہ سب اپنے حقوق کے تحفظ۔ ہمدردی اور صلے کے
واسطے ایک ہی حاکم کی چشم عنایت کے امید وار ہوتے ؎

سول حکومت سے فوج کو بالکل علیحدہ کر دینے۔ سارا نظام حکومت بدل
دینے اور فوج کو مقامی حکومت کی ماتحتی سے نکال لینے اور یہ جملہ اختیارات
سپہ سالار فوج کے ہاتھ میں دیدینے سے فوجی محکمہ کو نہایت خطرناک قوت حاصل
کرنے کے وسائل اور ترغیبات حاصل ہو جائیں گی کیونکہ ان اختیارات کے استعمال
میں سپہ سالار فوج ایک ایسی قوت کا ماتحت ہوگا جو نصف کرۂ ارض کے فاصلے
سے واقع ہوئی۔ مزید براں فوج والے راست بادشاہ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے سول
حکام کو نہایت حقیر اور ذلیل حاکم سمجھنے لگیں گے اور چونکہ یہ لوگ ایک کم حیثیت افسر
کے ماتحت ہوں گے اس لئے ان کی دادرسی میں بڑی دقت ہو جائے گی۔ اہل ہند
فوجی قوت اور فوجی قوت رکھنے والے کو عموماً واجب التعظیم سمجھتے ہیں اور آج کل
وہ بعض ایسے واقعات بھی دیکھتے ہیں جنمیں کہ فوجی قوت نے سول اور پولٹیکل انتظامات
میں امداد دینے کے بہانہ سے عملاً اُن پر حکومت کی ہے اس طرح کمپنی کی حکومت بہت
ذلیل ہو جائے گی اور دوسروں کی نگاہ میں گر جائے گی اور مجلس نظماء کے نزدیک اُسے
اس عظیم الشان سلطنت کے باحسن وجوہ نظم ونسق کے لئے ضروری اختیارات حاصل
(۲-۹۱) نہیں رہیں گے اور پھر یہ سوچنا ہوگا کہ اس خرابی کو دور کرنے کے لئے کیا اصلاح کیجائے۔

لے بحوالہ کارروائی بابتہ تجدید ترجیحی حقوق کمپنی صفحہ ۴۷

بابٹ

فوج کی منتقلی کو روکنے کے واسطے یہ دلائل کافی وزنی خیال کئے گئے۔ لیکن ممکن ہے کہ جب دوبارہ اس پر بحث کی جائے تو یہ پھر قابل توجہ تصور کئے جائیں۔ لہذا اس بات پر غور کرلنے کی اشد ضرورت ہے کہ اس انتظام کے نقائص کس طور پر دور ہو سکتے ہیں اور کس طرح ہمارے مشترکہ ملک کی ملازمت کے مختلف شعبوں کے مفاد کو مستحکم بنیاد پر قائم کیا جاسکتا ہے تاکہ اُس کی کارگذاری سلطنت کی قوت کا موجب ہو۔

جملہ دانشمند مدبرین اور قابل فوجی افسران کی یہی ایک رائے ہے کہ شاہی فوج اور کمپنی کے فوجی افسران کے مابین اور فوج کے مختلف شعبوں میں جو نفاق اور رشک وحسد[1] پیدا ہو گیا ہے اُس کو بالکل رفع دفع کر دینے کی سخت ضرورت ہے بعض (۲۱۰)
تنگ خیال حضرات کی یہ رائے ہے کہ اختلاف پیدا کرلنے ہی میں سلطنت کی عافیت ہے لیکن یہ حضرات غالباً اس کو بھول گئے ہیں کہ ان کے خوفزدہ ہولنے کے وجوہ جن دہشت ناک واقعات پر مبنی ہیں وہ ایسے حسد اور مخالفت کا نتیجہ ہیں جن پر افسوس کیا جاتا ہے انھیں اس کی بھی خبر نہیں کہ ایک وسیع دائرے اور بے شمار لوگوں میں کسی خراب اسپرٹ کے پھیلانے سے اسپرٹ کو معدودے چند حضرات میں پیدا کرنا زیادہ آسان ہے جو بعض مقامی واقعات سے متاثر ہو گئے ہیں۔ لیکن یہ خیالات تذکرہ کے قابل نہیں ہیں کیونکہ ہم اس بات کو بآسانی تسلیم کر سکتے ہیں کہ اگر ہماری کبھی یہ پالیسی ہو جائے کہ ہم اُن یورپین افسران میں اختلافات پیدا کرکے حکومت کریں جن پر کہ سلطنت ہند کی سلامتی کا ہم بھروسہ کرتے ہیں تو اس سلطنت میں بہت جلد زوال آجائے گا۔ اس فرقے کی قابلیت سرگرمی اور وفاداری ہی سے ہماری قوت بنتی ہے اور اُن ہی کے اتفاق سے اس قوت کو ترقی ہوگی اور ان میں حسد۔ نااتفاقی

---

[1] فوج کے اعلیٰ افسران کو اپنے ماتحت مختلف شعبوں میں اس طور پر تقررات کرنے کی جانب ہمیشہ توجہ کرنی چاہئے جن سے اُن میں اتحاد اور اپنے کام کو انجام دینے کی قابلیت پیدا ہو اور شاہی وکمپنی کے رسالوں اور مختلف شعبوں کی پلٹنوں میں علٰحدہ علٰحدہ بھرتی نہ کرنی چاہئے۔ جبکہ وہ ایک ہی خدمت پر مامور کئے جائیں کیونکہ اس سے بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور رشک وعناد میں اضافہ ہوتا ہے حالانکہ جو لوگ یکساں مصیبتیں اور خطرات برداشت کرتے ہیں اور وہ

باب ا اور مخالفت کو برقرار رکھنے سے ہماری قوت گھٹنے لگے گی کیونکہ یہ حضرات اگرچہ
مختلف محکموں میں مختلف خدمات انجام دیتے ہیں لیکن سب ایک ہی ملک کی خدمت کر رہے ہیں
اور اُن کی وفاکیشی دور دراز مقامات پر نوآبادیات قائم کرنے والے حضرات جیسی
نہیں ہے جو وہاں پر خود سکونت اختیار کر لیتے ہیں۔ ہندوستان میں ہماری عملداری
قائم ہونے کے وقت سے ہندوستانی فوج نے ملک کے مختلف حصوں میں اپنے فرائض
سے جو عارضی طور پر روگردانی کی ہے اُس سے اس حقیقت کی صداقت اور قوت (۲۱۱)
پورے طور پر آشکارہ ہوگئی ہے۔ کمپنی کی فوج کی اعانت اور سرفرازی کا مسئلہ جتنا
ضروری ہے اتنا ہی دشوار بھی ہے۔ یہ مسئلہ تاج برطانیہ کی ہمدردانہ رفاقت کے بغیر
ہرگز حل نہیں ہوسکتا ہے۔ ہر قسم کے احکام اور اعزاز میں اسے مساوی حصہ ملنا
چاہیئے اور حضور ملک معظم کی فوج کی طرح یہ بھی ان کی شفقت اور نوازش کی یکساں
مستحق ہے اعزاز۔ رتبہ۔ ترقی و امتیازات میں بھی اسے برابر کا حصہ ملنا چاہیئے اور
موجودہ حالات میں ہمت پست کرنے والے جو اثرات ان پر پڑ رہے ان کے تدارک
کے لئے ہر ممکن تدبیر اختیار کرنی چاہیئے۔ اگر سیاسی وجوہ سے اس کا جداگانہ نام
رہے تاہم خیالات انتظامات اور حقوق میں اس کو شامل رکھنا چاہیئے تاکہ دونوں
قسم کی ملازمتیں قریب تر ہو جائیں ؎

ان مقاصد کے حصول کے لئے حضور ملک معظم کی حکومت اور کمپنی دونوں کو
چند مراعات ضرور کرنی پڑیں گی۔ کمپنی کے اعلیٰ فوجی افسران کو دوسری ملازمتوں
میں خدمت حاصل کرنے کا حق دیدینا چاہیئے۔ اس سے ہندوستان کی ملازمت
کی وقعت بڑھ جائے گی اور بالآخر یہ ملک کے حق میں بھی سودمند ثابت ہوگی اور
اس سے پھر شاہی ملازمت کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچ سکے گا ؎

شاہی اور کمپنی کی فوج کے افسران کو سخت شرائط کے ساتھ باہمی تبادلہ[1] کی اجازت (۲۱۲)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ سب کامیابی اور ناکامی میں شریک ہیں تو ایسی صورتیں ان کے درمیان
اتحاد اور محبت پیدا ہونی چاہیئے ؎

[1] اس قسم کے تبادلوں میں اگر کوئی افسر ہندوستانی شاخ میں داخل ہونے کا خواہش مند

باب ۱ دینی چاہئے۔ یہ تبادلے گاہے ماہے وقوع میں آئیں گے لیکن یہ نہایت کارآمد ثابت ہوں گے کیونکہ اس سے ملازمت[۱] کی دونوں شاخوں میں اتحاد اور کمپنی کے فوجی افسران کے خیالات بلند ہو جائیں گے۔ شاہی فوج کے افسران کو یہ مستقل طور پر شکایت ہے کہ یہاں کے دستور کے مطابق وہ اکثر عزت اور منفعت کے عہدوں سے محروم رہتے ہیں کیونکہ ان عہدوں پر صرف کمپنی کے ملازم مامور ہوتے ہیں افراد کی بابت تو یہ شکایت درست ہے لیکن کل ملازمت کے متعلق یہ شکایت غلط ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہندوستان میں شاہی فوج کے مامور شدہ چند افسر ایسے ضرور ہوتے ہیں جو ان عہدوں پر مقرر ہونے کے لائق ہوتے ہیں اور یہ بھی درست ہے کہ ایسے بہت سے افسران نے ہندوستان میں اتنی مدت تک خدمات بھی انجام دی ہیں جس سے کہ وہ ان عہدوں کے پانے کے مستحق تھے لیکن اس قسم کے عام مسائل جن کا اثر بڑی جماعتوں کے حقوق پر پڑتا ہے صرف عام اصولوں ہی سے طے ہونے چاہئیں افسران کمپنی کو اس قسم کے جو فوائد حاصل ہیں انھیں وہ قدیم رواج کی وجہ سے اپنے قانونی حقوق تصور کرنے لگے ہیں اور جن حالات میں کہ وہ اب تک رہے انھیں پیش نظر رکھ کر وہ نہایت بجا طور پر ہر ایک ایسی مداخلت کو جس کا ان حقوق پر اثر پڑنے کا اندیشہ ہو حسد کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس سے گھبراتے ہیں کمپنی کے یہ فوجی افسران شاہی فوج کے معدودے چند قابل افسران سے تو کچھ اندیشہ نہیں کرتے اور اس سے بھی کسی کو انکار نہیں کہ اس قسم کے قابل افسران اسٹاف میں عہدے پانے کے مستحق بھی ہیں لیکن ان کا یہ اندیشہ درست ہے کہ اگر یہ راستہ کھل گیا تو پھر بہت سے ایسے لوگ آموجود ہوں گے جو مقامی ضروریات کے لحاظ (۲۱۲)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ ہوگا تو اس کے لئے ہندوستانی زبانوں کا اچھی طرح جاننا اور اپنے عہدے کے بموجب چند سال تک ہندوستان میں ملازمت کرنا لازمی شرط ہوگی۔

[۱] جن افسران کو ہندوستان کی آب و ہوا موافق نہیں یا جنھوں نے کچھ روپیہ پیدا کر لیا ہے مگر وہ فوجی ملازمت ہی میں رہنا چاہتے ہیں۔ ان کا تبادلہ شاہی فوج میں کر دیا جائے گا اور انکی جگہ پر ایسے افسر بھیجے جائیں گے جو خارجی ملازمت کے خواہاں ہیں اور غیر ملک میں زندگی بسر کر سکتے ہیں۔

باب سے نااہل مگر زیادہ اثر رکھنے والے ہوں گے اور اس طرح ان کی اُن تمام
امیدوں کا خاتمہ ہو جائے گا جن کے حصول کے بعد وہ اپنے وطن مالوف جانے
کی قوی امید کر سکتے تھے اگر ان دونوں ملازمتوں میں تبادلہ رائج ہو جائے تو پھر ایک ایسا
دروازہ کھل جائے گا جس سے شاہی ملازمت کے قابل افسر ان عہدوں پر مقرر
ہو سکیں گے جن سے وہ اس وقت تک محروم ہیں اس مقصد کے حصول کی کوئی
اور تدبیر نہیں ہو سکتی ہے جس سے کہ ناجائز فائدہ اٹھانے کا احتمال نہ ہو اور جن سے
کہ ہندوستانی فوج کے حقوق اور جذبات کو کسی قسم کا سخت نقصان نہ پہنچے کو
پندرہ سال ہوئے کہ تینوں صوبوں کی افواج کو ملا کر ایک فوج بنانے کی
سفارش لبطور مناسب تدبیر کے کی گئی تھی لیکن اس کے بعد سے جو واقعات رونما
ہوئے ہیں ان کی بدولت اب یہ امر ضروری ہو گیا ہے ہماری حکومت کے ممالک
محروسہ کی تقسیم بحر اعظم اور بر اعظم کے حساب سے نہیں ہے اگرچہ سارا ہندوستان
ہمارے قبضے میں نہیں ہے لیکن اس وسیع ملک کے ہر ایک صوبے میں ہمارا
فوجی قبضہ موجود ہے اور ان علاقوں میں بیس۲۰ ہزار سے تیس ہزار تک ہماری مستقل
فوج رہتی ہے جہاں تک کہ فوجی مقامات کے تعلق ہے وہ بنگال مدراس اور بمبئی
کے لئے یکساں طور پر اہم ثابت ہو چکے ہیں اور تا وقتیکہ اشتراک عمل کے لئے (۲۱۴)
ہم سارے صوبوں سے اپنی فوجیں نہ ہٹا لیں کوئی داخلی بغاوت یا بیرونی جنگ
وقوع میں نہیں آ سکتی ہے لیکن نبرد آزما فوج اور اس کے ملازموں تنخواہ اور
عہدوں کا نظام ایسا عجیب واقع ہوا ہے کہ ہم ان سب کو ایک جگہ جمع نہیں
کر سکتے کیونکہ اس سے اگر غدار کا نہیں تو سخت بے چینی پیدا ہونے کا خطرہ ہے اس
کے علل و معلول کی بحث کو طوالت دینا محض فضول ہے کیونکہ ایک معمولی شخص
کو بھی اس کی نوعیت اور نتائج صاف نظر آتے ہیں اور جو لوگ کہ اپنے ذاتی تجربے
سے اس مسئلہ کے متعلق بہتر رائے قائم کر سکتے ہیں انھیں اس مسئلے کو نامکمل چھوڑ
دیتے ہیں نہ صرف سخت مشکلات بلکہ خطرات نظر آتے ہیں۔ اس کا علاج
آسان ہے اور اس کے عملدرآمد کی صرف وہی حضرات مخالفت کر سکتے ہیں جن کے
دل ذاتی تعصبات سے آلودہ ہیں یا جو ایسے لوگوں میں اختلافات اور امتیاز پیدا

باب ۱ کرنے کے خواہاں ہیں جن کے اتحاد سے سلطنت کی حقیقی سلامتی وابستہ ہے ؛

چونکہ ہندوستانی افواج میں جو بہادر قومیں داخل ہیں اُن میں سے بیشتر کی زبان اور خصائل میں یکسانیت ہے اور اس فوج کی نوعیت ایسی ہے کہ اگر تین صوبوں کی فوجوں کو ملا کر ایک فوج کے تین حلقے کر دیئے جائیں تو اس میں کوئی دقت یا پریشانی لاحق نہ ہوگی ۔ ہر ایک حلقہ ایسا ہی رہیگا جیسا کہ اب ہے اور اُس کے افسران کے عہدوں کے لئے نوعمر امیدوار نامزد ہوں گے اور اُس کی جس رجمنٹ میں اسامیاں خالی ہونگی ان کا تقرر ہوگا ایسی تنظیم کی حالت میں افسران کے اُن پر میجر کے عہدہ تک پہنچنے سے جیسا کہ آجکل ہوتا ہے اپنی رجمنٹ سے لفٹنٹ کرنل تک کے عہدہ تک ترقی پانا بہتر ہوگا کیونکہ اصل نظام میں ایسی ترمیم کر دینے سے بجز اس صورت
(۲۱۵) کے کہ فوج میں اضافہ کیا جائے ہندوستان کے دور دراز مقامات سے اُن کا ہٹایا جانا بند ہو جائے گا اور پھر سینیر افسر کو اس کے درجہ کے اعتبار سے ترقی دی جائے گی اور کسی حلقے کے لحاظ سے ترقی نہ ملے گی ؛

مرقومۂ بالا تجویز سے موجودہ انتظام میں کچھ خرابی پیدا نہ ہوگی عملہ بدستور رہیگا البتہ اگر جنرل[۱] منتخب کرنے کی ضرورت لاحق ہو تو اس کا انتخاب اُس حلقے سے ہوگا جس میں کہ جگہ خالی ہوئی ہے بلکہ ساری فوج کے ملازمان میں سے اس کا انتخاب کیا جائے گا رجمنٹوں کے عہدے کمانڈنٹ کے امیدواروں کے نام ایک عام فہرست میں درج کر دئے جائیں گے اور اگر اس تجویز پر عملدرامد ہوا تو افسران اپنی مدت ملازمت کے لحاظ سے ترقی کر کے ہندوستانی فوج کی مختلف پلٹنوں کے کرنل ہو جائیں گے اور وہ اُس حلقے کے کرنل نہ ہونگے جس میں کہ وہ رجمنٹ کے افسر تھے ۔ اس تبدیلی کے وقوع میں آنے پر جنرل سے لے کر ادنیٰ افسر تک یعنی ہر ایک عہدہ کی تنخواہ اور الاونس مساوات اور انصاف کے صاف اور صریح اصولوں پر مقرر کرنی چاہیئے تاکہ فوج کے کسی حصے کو یہ شکایت کرنے کا موقع نہ رہے کہ اسی عہدے اور اسی کام کی حالت فلاں مقام پر ہماری حالت سے بہتر ہے ؛

[۱] اس انتخاب کا اختیار صرف سپہ سالار فوج کو دینا چاہیئے ؛

باب ۱

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہماری ہندوستانی فوج کے دستور العمل میں ان تبدیلیوں میں سے بعض پر عملدرآمد کرنے سے چند خفیف مشکلات پیش آئیں گی۔ جن اصحاب نے کہ گذشتہ دس۱۰ بارہ۱۲ سال سے فوج میں ملازمت نہیں کی ہے اُن کے دلمیں (۲۱۶) خاص خاص شبہات اور اعتراضات پیدا ہونگے کیونکہ وہ ان تبدیلیوں کی ضرورت ہی کو نہیں سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن جو حضرات کہ ہماری مقبوضہ فوجی چھاؤنیوں سے واقف ہیں اور اُن کو مختلف صوبوں کے مخلوط رسالوں کی ملازمت کے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے وہ ان امتیازات کا خاتمہ کر دینے کی شدید ضرورت کو بخوبی سمجھتے ہیں جنہوں نے سرکاری ملازمت کو پیچیدگی میں ڈالدیا ہے اور اگر اُن میں تبدیلیاں نہ پیدا کی جائینگی تو یہ پیچیدگیاں بڑھتی ہی جائیں گی۔ ممکن ہے ایک ایسی تدبیر کی دانائی پر لوگوں کے جذبات اور تعصبات ان کو شبہات اور شکوک کرنے پر مائل کریں جس کی رو سے بعض صورتوں میں ایک حلقے کے افسر دوسرے حلقے میں تبدیل کر دئیے جائیں گے۔ وہ یہ دلیل پیش کرسکتے ہیں کہ سپاہیوں کے اطوار و خصائل مختلف ہوتے ہیں جن کی وجہ سے ان کے ساتھ مختلف طرح کا برتاؤ کرنا پڑتا ہے علاوہ بریں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ کسی افسر کا ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے پر تبدیل کرنا بھی ایک طرح کی سختی ہوگی از انجملہ اول دلیل کی بابت یہ کہا جاسکتا ہے کہ زمانہ گذشتہ میں خواہ کچھ ہی حالت کیوں نہ ہو لیکن آجکل ہماری فوج کے ہندوستانی سواروں کے کیرکٹر۔ خصائل اور زبان میں چنداں اختلاف موجود نہیں قدیم رواج خواہ کچھ ہی ہو اس وقت ان سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنے کی ضرورت ہے البتہ یوروپین افسر کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ مقامی نہ ہو۔ اُس کی ملازمت میں جس قدر تبدیلیاں ہونگی اور سلطنت کے جتنے مختلف مقامات پر وہ کام کریگا اسی قدر اس کی معلومات اور اس کے تجربے میں اضافہ ہوگا اور ان اوصاف کے حاصل کرنے میں خواہ اُسے کیسی ہی دشواریاں اور سختیاں کیوں نہ پیش آئیں لیکن اس کا انجام اس کی ذات اور حکومت دونوں کے حق میں نہایت کارآمد ثابت ہوگا۔

ہندوستان کی مقامی فوجوں کو ملا کر ایک فوج بنا دینے سے بہت سے حقیقی (۲۱۷) فوائد حاصل ہوں گے۔ اس سے ان جملہ جھگڑوں کا خاتمہ ہو جائے گا جو تنخواہ اور

باب۱ الاونس کے فرق اور کسی ایک فرد کے مشاہرہ کی ترقی سے دوسرے کو فرضی یا حقیقی نقصان پہنچنے کے خیال سے پیدا ہوگئی ہیں پہلے یہ بات اس طرح محسوس نہ ہوتی تھی جیسے کہ اب محسوس کی جاتی ہے کیونکہ اب ہر ایک صوبے کے رسالے یکساں سہولت کے ساتھ کسی فوجی چھاونی میں منتقل کئے جاسکتے ہیں۔ جہاں کہیں کہ فوج میں اضافہ کرنیکی ضرورت ہوتی ہے تو اس کا فیصلہ گورنر جنرل بہادر کرلیتے ہیں کہ یہ زائد فوج کس فوج کے متعلق ہوگی اور فوج میں ذرا سی تبدیلی کرلنے سے اس قسم کی زائد فوج کو ایک صوبے سے دوسرے صوبے کو منتقل کردینے میں آسانی ہوجائیگی۔ گورنر جنرل بہادر خواہ اس کا فیصلہ کرلنے میں کیسے ہی انصاف۔ فراست اور بے لوثی سے کام لیں لیکن وہ ہرگز ایسا توازن نہیں قائم کرسکیں گے جس سے بے چینی رفع ہوجائے کیونکہ لوگوں کی جماعتیں ہمیشہ ان تدابیر کے خلاف شورش مچائیں گی۔ جن سے کہ اُن کی زندگی کی مستقل توقعات وابستہ ہیں اور چونکہ فیصلہ ایک بااختیار واحد شخص کا ہوگا اور اسکا ان پر اثر پڑیگا اسلئے اگر یہ فیصلہ اس کے حق میں مضر ہوا تو یہ لوگ اپنے کمزور دلائل سے گورنر جنرل کو یہ الزام دیں گے کہ انھوں لنے طرفداری کی اور اپنے گردوپیش کے افسران کے اثر سے لاچار ہوکر یہ فیصلہ کیا ہے۔ فوج کے موجودہ (۲۱۸)
نظام سے جذبات پیدا ہوسکتے ہیں ان کی نوعیت اور اثرات۔ وہ سب حضرات بخوبی سمجھ سکتے ہیں جو فوجوں کی ساخت اور اُن کی خصلت سے واقف ہیں اسلئے اس خرابی کے رفع کرلنے کی تدبیر کو معرض التوا میں نہ ڈالنا چاہئے اور اگر اس انتظام کا فوری عملدرآمد اور پلٹنوں میں عام طور پر اضافہ کرنا پسند نہ ہو تو کم از کم یہ طے کردینا چاہئے کہ آئندہ رجمنٹوں میں جو اضافہ ہوا ہے بنگال۔ مدراس اور بمبئی میں مساوی طور پر تقسیم کردیا جائے اور اس کارروائی کو اس صوبہ سے شروع کیا جائے جسکے افسران کو بہت کم ترقی ملی ہے۔ اس سے پیشتر جو کچھ بیان کردیا گیا ہے اُس سے ظاہر ہوگا کہ اس وجہ سے ذرا سی بھی دقت پیش نہ آئے گی کہ ایک صوبے میں دوسرے صوبہ سے زیادہ ترقیات دینے کی ضرورت ہے کیونکہ ایک مقام کے کاموں کو دوسرے ایسے مقام پر منتقل کردیا جائے گا جو اضافہ سے مستفید ہونے والے صوبے کے لئے بھی مناسب ہوگا۔ ہندوستان کی مقامی فوجوں کے ملادینے سے ایک اور فائدہ ابتدا ہی سے

باب ۱
پہنچنے لگے گا۔ جب یورپین افسر عام فہرست امیدواراں میں سے لیکر جدید فوجوں کے لئے نامزد کئے جائیں گے تو انھیں اس سے کوئی سروکار نہ ہوگا کہ وہ کس جگہ بھرتی ہوئے اور کہاں پر ان کا تقرر کیا گیا اور اس کا یہ نتیجہ برآمد ہوگا کہ ہماری ہندوستانی فوج ہماری سلطنت کے ہر ایک حصے میں کام کرنے کے واسطے آج کل سے کہیں زیادہ رضامند ہوگی۔ ایسے مواقع پیش آچکے ہیں اور آئندہ اور زیادہ پیش آنے والے ہیں جب کہ ہماری سلطنت کی عافیت اسی پر منحصر ہوگی کہ مدراس یا بمبئی کی
(۲۱۹) فوج میں بنگالی یا مدراسی اور بمبئی والے بنگال و شمالی ہند کی فوج میں ملازم کئے جائیں۔ داخلی پریشانیوں کو دیکھ کر جن سے ہمیں مفر حاصل ہونے کی امید نہیں ہے حکمت عملی کا کوئی ایسا اصول نظر نہیں آتا ہے جو اس سے زیادہ سلطنت کی سلامتی کا موجب ہو لیکن ہماری تجویز سے جو فائدہ مدنظر ہے اُس سے ہم بڑی حد تک محروم رہیں گے حتیٰ کہ کوئی ایسی تدبیر اختیار کی جائے جو یورپین افسران کے حقوق کے تفریق کا خاتمہ کر دے ؎

اس تجویز کا تیسرا فائدہ بھی اسی مقصد کے لئے کارآمد ہوگا کیونکہ بغیر کسی قسم کی ناراضی پیدا کئے ہوئے جو بعض اوقات بغاوت کی حد تک جا پہنچ سکتی ہے ہم ہندوستان کے ہر حصے میں اس فوج کو منتقل کر کے اور دوسروں کے ساتھ ملا کر کام لے سکیں گے لیکن یہ صرف ایسی صورت میں ممکن ہے کہ ہندوستانی فوج کے افسروں اور سپاہیوں کی تنخواہ اور الاونس میں ہمارے مجوزہ اصولوں پر یکجہتی پیدا کر دی جائے اور تنخواہ و الونس چند خاص اصولوں پر مقرر کیا جائے اور یہ اس بات پر منحصر نہ ہو کہ فلاں سپاہی کا فوج کے کس شعبہ سے تعلق ہے ؎

(۲۲۰) مختلف صوبوں کے فوجی ساز و سامان اور فوجی شعبوں[1] کو یکساں اصولوں پر قایم کرنا چاہیئے اور مقامی حالات کے لحاظ سے اُن میں بہت کم فرق ہونا چاہیئے ورنہ ہماری

---

[1] اس سے ہمارا منشا محکمہ کمسریٹ سے ہے جو فوجی شعبوں میں سب سے زیادہ اہم ہے۔ بنگال۔ مدراس اور بمبئی کے اصولوں میں اس درجہ فرق ہے کہ ان سب کی فوج سے زیادہ روز تک جنگ میں کام لینا تقریباً ناممکن ہے ؎

باب ۸

ہندوستانی افواج میں وہ قابلیت اور قوت پیدا نہ ہو گی جو متحدہ محاربے کے لئے ان میں ضرور ہونی چاہئے۔

ہندوستان کی دیسی فوج میں یورپین افسران کو انکی ملازمت کی قدامت کے لحاظ سے ترقی ملنی چاہئے تاکہ جن لوگوں نے سرکاری ملازمت کے اس محکمے میں تجربہ حاصل کیا ہے انھیں اعلیٰ عہدہ پر پہنچنے میں آسانی پیدا ہو جائے۔ ترقی کو بار بار روک دینے کی تلافی بعض مناسب تدابیر سے ہو گئی جس سے کہ وقتی سرگرمی پیدا ہو گئی لیکن اس کا نتیجہ ترقی معکوس برآمد ہوا جس سے لوگوں کی حالت پہلے سے بھی بدتر ہو گئی ہندوستان کی مقامی فوج کی ترقی روکنے کے نتائج کا اندازہ انگلستان میں تنخواہ روکنے کے نتائج کو مدنظر رکھ کر نہیں کرنا چاہئے کیونکہ دونوں میں کسی قسم کی مماثلت و مشابہت نہیں ہے مثلاً دوسری پلٹن میں تبادلہ کرا لینے کا اختیار۔ ملازمت کی خرید فروخت کا استحقاق و اپنے اعزا واحباب کے ساتھ رہنے کا حق انھیں حاصل ہے۔ اپنے ملک میں روزی پیدا کرنے کے مختلف دروازے اُن کے لئے کھُلے ہوئے موجود ہیں اس لئے اُن کی حالت یہاں والوں سے بالکل مختلف ہے جو ایک غیر ملک کو اس طور پر جلاوطن کر دیئے گئے ہیں جہاں پر وہ اپنے جملہ خاندانی رشتوں اور تعلقات سے علٰحدہ ہیں
اور جن کی آئندہ فلاح صرف اُس ملازمت تک محدود ہے جس پر ابتدا سے وہ (۲۲۱)
موجود ہیں کیونکہ ان کی معاش کا صرف یہی واحد ذریعہ ہے برخلاف اس کے اگر شاہی فوج کے افسران اگر اپنی ملازمت سے نالاں اور بے زار ہوتے ہیں تو ان کو بھاگ جانے کے موقعے مل جاتے ہیں اور اگر اس حرکت سے ان کی حالت زبوں ہو جائے اور ان کی فریاد بھی نہ سنی جائے تو اس کا کوئی اثر دوسروں پر نہیں پڑتا ہے کیونکہ ان کی جگہ پر سمجھدار نوجوان مقرر ہو جاتے ہیں اور اس تبدیلی سے حکومت کو بھی کچھ نقصان نہیں پہنچتا ہے کیونکہ وہاں کی فوج کا نظام ترتیبی اس طرح کا ہے کہ ادنیٰ افسر کی جگہ کے لئے کسی ایسی قابلیت کی شرط نہیں جو بآسانی حاصل نہ ہو سکے لیکن جو لوگ کہ کمپنی کی ملازمت میں داخل ہوتے ہیں اُن کی حالت اس سے بہت مختلف ہے۔ اُن کا شباب قابلیت حاصل کرنے میں صرف ہو جاتا ہے کیونکہ اس کے بغیر انھیں کسی پلٹن میں ادنیٰ عہدہ بھی نہیں مل سکتا ہے وہ عمر بھر اپنے اس مقدر پر شاکر رہتے ہیں۔ ناراضی اور مایوسی

سے نہ صرف اُن ہی کی طبیعت افسردہ ہو جاتی ہے بلکہ اس کا دوسروں پر نہایت مہلک اثر پڑتا ہے اور جب وہ قدرے ترقی کر لیتے ہیں تو ان کی جگہ پر کسی غیر شخص کا تقرر چند خاص اوصاف کی شرط کے باعث بآسانی نہیں ہو سکتا ہے اور یہ اوصاف ایک خاص مدت میں اور مطالعہ ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں اور جو اُن کی جانشینی کیلئے لازمی ہیں۔ ان سب واقعات سے ظاہر ہوتا ہے (اسی قسم کے اور بہت سے واقعات پیش کئے جا سکتے ہیں) کہ ہندوستانی فوج کی اصلاح کے مسئلہ پر اسی کے دلائل سے غور کرنا چاہئے اور اس مسئلے کو کسی دوسری فوج کی حالت اور اس کے حقوق کا مقابلہ کرکے نہیں دیکھنا چاہئے جس کا نظام ترکیبی اس سے بالکل جداگانہ ہے؛

ہندوستان کی مقامی فوج کے افسران کو نام و نمود حاصل کرنے کا موقع دینے (۲۲۲)
کے واسطے (جس کے بغیر کوئی فوجی جماعت کیرکٹر حاصل نہیں کر سکتی اور بالخصوص وہ جماعت جس کا مقابلہ اُسی قوم کے دوسرے سواروں سے کیا جائے جو دیگر اصولوں پر کام کرتے ہیں) اعلیٰ افسران کو مقامی کمیشن دیئے جائیں لیکن یہ عہدے صرف اُن لوگوں کو دینے چاہئیں جو اس عہدہ کے فرائض کو اچھی طرح انجام دے سکتے ہیں۔ جس طرح امن یورپ کے باعث انگلستان میں کمیشن (جس سے عہدہ بڑھ جاتا ہے لیکن تنخواہ میں اضافہ نہیں ہوتا) کو آہستہ آہستہ ترقی دینے سے سرکاری ملازمت کو کچھ نفع نہیں پہنچتا ہے اسی طرح ہندوستانی فوج میں ذوق و شوق پیدا کرنیکے لئے جنرل افسران کو اسٹاف میں نامزد کرنا محض بے سود ثابت ہوگا ہندوستانی فوج کا ہر ایک جنرل یہ عہدہ ملنے سے پیشتر ہی بوڑھا ہو جائے گا۔ ہندوستانی فوج کے کرنل کو اسٹاف میں کام کرنے کے لئے اس قسم کا کمیشن دینے میں کچھ ہرج نہیں ہے اور پھر یہ استحقاق شاہی فوج کو بھی دینا چاہئے اس تجویز پر عملدرآمد ہونے سے افسروں کو اپنی پلٹن کے ساتھ ہندوستان جانے کی اجازت نہ ملے گی جن کا درجہ جنرل اسٹاف میں منتخب ہونے والے افسران سے بلند ہوگا لیکن اس تدبیر سے فوجی ملازمت کو کچھ نقصان نہ پہنچنا چاہئے اور بڑا فائدہ حاصل کرنے کے لئے یہ ایک قسم کی ادنیٰ قربانی ہوگی؛

انگریزی فوج اور ہندوستانی فوج کی لوکل شاخوں کے درمیان باہمی تبادلے

باب۱۲

اور کمیشن کی فروخت اُن قواعد کے ماتحت نہایت کارآمد ثابت ہوگی جن سے مقامی شاخ میں اعلیٰ قابلیت برقرار رکھی جاتی ہے کیونکہ ان تدابیر سے عمدہ اور ذی اثر افسر داخل ہوجائیں گے اور مقامی فوج کو جلد جلد ترقیاں ملنے لگیں گی اور اس کے لئے اس سے بہتر کوئی تدبیر مناسب نہیں کہ ایک اسٹاف کور بنائی جائے جس سے کہ پلٹن کے خالی عہدوں کو پر کرنے کے وسائل پیدا ہوجائیں جو اُن کے افسران کو اور کاموں پر لگادینے سے خالی ہوتے رہیں گے۔ ہندوستانی فوجیں اس وقت بھی نہایت عمدہ حالت میں تھیں جبکہ اُن میں صرف ۲-۳ یورپین افسر ہوتے تھے لیکن اُس زمانہ میں ان کا فوجی افسر ہی اُن کا سردار تھا اور وہ سب اس کے مطیع و فرمانبردار تھے جن جذبات اور تعلقات کے ساتھ یورپین اور ہندوستانی دونوں کام کرتے تھے وہ آجکل کے جذبات اور تعلقات سے بالکل مختلف تھے اور آجکل یوروپین افسران کی قلت بڑی خرابی سمجھی جاتی ہے اور یہ خرابی اس وقت تک بدستور موجود رہے گی جب تک کہ فوج کا باقاعدہ اسٹاف اور ضروری عملہ اس فہرست سے جدا نہ کیا جائے جس کو رجمنٹ کی خدمات انجام دینے کیلئے مکمل رکھنے کی ضرورت ہے اگر[۱] یہ تجویز تسلیم کرلی جائے تو پھر اس پر عملدرآمد کرنے کے لئے نقشہ تیار کرنا چنداں دشوار نہ ہوگا لیکن اس کی بہت احتیاط رکھی جائے

[۱] اس کو عملی صورت میں لانے کے واسطے مختلف طریقے تجویز کئے گئے ہیں ازانجملہ یہ طریقہ بہت زیادہ قابل عملدرآمد معلوم ہوتا ہے کہ صرف افسروں کے کور بنا دئے جائیں جن میں سپاہی نہ ہوں اور جب اسٹاف پر تقررات ہونیسے جگہہ خالی ہوں تو ان پر یہ لوگ مقرر کردئے جائیں اور پھر یہ لوگ اسٹاف میں بھی لئے جا سکتے ہیں اور جس کسی کور میں ضرورت ہوگی اُسی میں یہ افسر کام کرنے لگیں گے الغرض ان افسران سے ہر طرح پر کام لیا جاسکے گا لیکن ان کی ترقیات غیر متعلق کور میں ہوں گی۔ اس تجویز پر بہت کم اعتراض ہو سکتے ہیں کیونکہ اس کی وجہ سے دوسرے باقاعدہ کور کی ترقی میں کچھ دقتیں نہ حائل ہونگی اور نہ ترقیات میں کمی بیشی واقع ہوگی جو ان افسران کی آسامیاں پُر کرنے سے پیدا ہوتی ہے جنکا رجمنٹ سے اسٹاف میں تقرر ہوا ہے شروع میں یہ غیر متعلق کور بطور زائد کور کے بنائے جائیں گے۔

باب ۱

کہ ملازمان اور پبلک دونوں کے حقوق کا یکساں لحاظ رہے ۔
جن وجوہ نے کہ ہندوستانی فوج کو شاہی فوج بنالنے سے باز رکھا جبکہ (۲۲۴)
کمپنی کے حقوق کی تجدید ہوئی تھی اگر وہی وجوہ اب بھی برقرار رہیں پھر کوئی وجہ نہیں
کہ ہندوستانی فوج کے یوروپین افسروں کی اصلاح کے لئے جو تجاویز پیش کئے گئے ہیں
اُن پر کیوں نہ عمل کیا جائے ۔ انھیں پورے طور پر عملی صورت میں لانے کے لئے
انگلستان کے مختلف حکام میں صرف ہمدردانہ اور فیاضانہ اشتراک عمل کی اسپرٹ
درکار ہے ۔ اس مسئلے کو قومی مسئلہ کی مانند ضروری اور اہم تصور کرنا چاہیئے ۔ اور
اس خیال سے اُسے نہ دیکھنا چاہیئے گویا چند افراد کے ذاتی حقوق کا فیصلہ کرنا ہے ۔
ہندوستان کے تحفظ کے لئے ہمیں اپنی ہندوستانی فوج کی وفاداری اور قابلیت
پر بھروسہ کرنا چاہیئے ۔ یوروپین افسران اس کی وفاداری اور شہرت کو برقرار رکھنے
کی درمیانی کڑی ہیں ۔ اُن کی حالت ہماری نوازش و اعانت کی مستحق ہے اور اس
بات کو تسلیم کرنے میں کچھ مبالغہ نہیں ہے کہ اگر کسی صلے سے اس جماعت کو مایوس
کردیا جائیگا اور اس وقت تک جو صلہ کہ صرف اسی جماعت کو ملتا رہا ہے اگر یہ
صلہ دینے کے لئے ان کے مقابلے میں کسی غیر کے حقوق پیش کردئے جائیں گے تو
سلطنت ہند کو اپنے قبضے میں رکھنے کی بہترین توقعات کے حق میں ہماری یہ (۲۲۵)
کارروائی سخت مہلک ثابت ہوگی ۔ اس اہم مسئلے پر جب سرگرم بحث شروع ہوگی
اور اس وقت جس باضابطہ رشک وحسد سے کام لیا جائیگا اُس کو موجودہ سپہ
سالار اعظم افواج برطانیہ کے شخصی اثر اور اُس کے اعلیٰ کیرکٹر کے خیال سے نظر انداز
نہ کرنا چاہیئے کیونکہ یہ زبردست شخص جس وقت تک کہ اس اعلیٰ عہدہ پر مامور رہے
اس وقت تک ہندوستانی فوج کی مقامی شاخ کو فیاضانہ اور منصفانہ سلوک ہونے
کی پوری امید رکھنی چاہیئے ۔

دیسی فوج

ہندوستان میں سلطنت برطانیہ کے آئندہ استحکام اور فلاح پر جن سیاسی

باب ۸ وجوہ کا اثر پڑ سکتا ہے اُن سب سے زیادہ اہم ہماری فوج کے ہندوستانی ملازمان کی وفاداری ہے۔ ہندوستان کے باشندے زیادہ تر امن پسند پیشوں میں مصروف رہتے ہیں اس لئے اگر وہ چاہیں تب بھی وہ سلطنت کی حفاظت نہیں کر سکتے اگرچہ وہ اس کو سمجھ سکتے ہیں کہ سلطنت کی حفاظت کرنے سے اُن کو کیا فائدہ حاصل ہوگا۔ ہمارے قوانین اور مختلف محکموں کی غرض یہ ہے کہ ہمارے زیر حکومت جو جنگجو قبائل ہیں اُن کی بعض خصائل کو اگر ہم بالکل دور نہ کر سکیں تو کم از کم ان میں کمی ضرور پیدا کر دیں لیکن رفتہ رفتہ ایسی تبدیلی پیدا کرنا مناسب ہوگا ورنہ اس سے جو خطرات اور بد امنی پیدا ہوگی اس سے ہم ہرگز نہ بچ سکیں گے لیکن جب تک
(۲۲۶) کہ ہم اپنی ہندوستانی فوج کی وفاداری پر بھروسہ کر سکتے ہیں اس وقت تک ہم اندرونی خطرات سے مامون و محفوظ ہیں لیکن اگر ہماری فوج بدظن ہو جائے تو ہر ایک شورش نہایت خطرناک صورت اختیار کر سکتی ہے اور یورپین فوج کے استعمال سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ صرف ذرا ہی دیر کے لئے حفاظت ہو جائے گی اور اصل خرابی بہت بڑھ جائے گی۔"

(اس کے وجوہ بعد کو بیان کئے جائیں گے) ہماری اس کارروائی سے ہماری ہندوستانی فوج کی وفاداری اور اس کی قابلیت میں کمی آ جائے گی جس کی بہادری اور وفاداری ہی کی بدولت ہم ہندوستان کو اپنے قبضہ میں رکھ سکتے ہیں غالباً ان خیالات کی صداقت میں کسی کو کلام نہ ہوگا اس لئے بہترین تدابیر صرف وہی ہو سکتی ہیں جو ہماری ہندوستانی فوج کی اطاعت کیشی اور وفاداری کے جذبات کو ترقی دیں سول حکومت کے خاص اشکال اور کفایت شعاری کے سخت قواعد کی پابندی کا خیال ہمیں اپنی سلطنت اور قوت کے اس سرچشمے کے مقابلے میں ترک کر دینا چاہیئے ورنہ بڑی بڑی محنتوں سے بنائی ہوئی یہ عمارت باد مخالف کے ایک جھونکے سے گر پڑے گی۔"

ابتدا سے لے کر اس وقت تک ہماری ہندوستانی فوج میں بہت سی

۱؎ بنگال، مدراس اور بمبئی کی ہندوستانی فوج کی ترقیات کے صحیح حالات کوارٹرلی ریویو جلد ۸ صفحہ ۳۰۵ میں مل سکتے ہیں۔

باب

تبدیلیاں واقع ہو چکی ہیں ؛

ہندوستان میں انگریزی حکومت قائم ہونے کے ابتدائی زمانے میں یورپ کے فنون سپہ گری اس قدر ترقی یافتہ نہ تھے جس قدر کہ اب ہیں اس لئے ان منتھی بھر یورپینوں نے جو ہندوستانیوں کو غیر ممالک میں اپنے ساتھ لڑنے کے لئے آمادہ کر رہے (۲۲۷)
تھے یورپ کے فنون سپہ گری کے ایسے حصہ کو بھی ہندوستانی فوج میں رائج نہیں کر سکے جو اہل ہند کے تعصبات خصائل اور مذہب میں مخل ہو سکے ایک جاکٹ کی بجائے انگریزی کپڑے کا کرتا پہنا کر۔ فوجی قواعد اور فوجی نقل و حرکت کے طریقے سکھا کر ہندوستانی کو سپاہی بنا دیا گیا اور اُس کو انگریزی ہتھیار دیدیئے گئے اور ان اوصاف کے باعث وہ دیگر ہندوستانیوں سے افضل ہو گیا کیونکہ وہ تنظیم کے ابتدائی اصولوں سے بھی ناواقف تھے (جن کی رو سے لوگ ملکر کام کرتے ہیں) اور خواہ ان کی تعداد کیسی بڑی کیوں نہ ہو وہ اپنے ہی بھائیوں کی مختصر سی فوج سے بآسانی شکست کھا جاتے تھے کیونکہ ان کے یوروپین افسروں نے اپنے ہنر۔ دانائی اور سرگرمی سے ان کو ضابطہ کا پابند اور مسلح کیا تھا اور وہی جنگ میں ان کو احکام دیتے تھے ؛

چونکہ ابتدائی زمانے کے سپاہی کو اپنے برادران وطن پر تنظیم میں فضیلت حاصل تھی اس لئے اُس کا فخر کرنا ایک قدرتی امر تھا اور کمپنی کی فوج کے ہندوستانی اس بات سے بہت خوش اور مطمئن تھے کہ ان کو نہ صرف جنگی قابلیت حاصل کرنے کا موقع ملا بلکہ ان کی مالی حالت بھی بہتر ہو گئی ہے ابتدا میں ہندوستانی سپاہیوں کے بٹالینوں میں معدودے چند یوروپین افسر تھے۔ اور ہر ایک کمپنی میں صرف ایک کپتان ایک ایڈجوٹنٹ اور ایک سارجنٹ رہتا تھا۔ اکثر (۲۲۸)
فوج کی کمان صوبہ داروں اور جمعداروں کو دی جاتی تھی اور تنظیم کی کمزوری اور اس زمانے کی عام بدویانتی کے باعث صوبہ دار سے لے کر سپاہی تک ساری ہندوستانی فوج کو اپنی خدمات[1] کی نوعیت سے مالی فائدہ حاصل کرنے کا

---

[1] اکثر ان کو چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں تقسیم کر کے ملک کے مختلف مقامات پر بھیجدیا جاتا تھا جہاں کی رعایا سے مختلف بہانے کر کے وہ روپیہ وصول کر لیتے تھے ؛

باب۸ موقع ملجاتا تھا جن پر کہ وہ اکثر مامور کئے جاتے تھے اس فائدہ نے کمپنی کی فوجی ملازمت کو پسندیدہ اور منفعت بخش بنا دیا تھا اور یورپین افسروں کے کریمانہ اور مشفقانہ برتاؤ نے اس میں اور زیادہ کشش پیدا کر دی تھی چونکہ ہر ایک بٹالین میں یورپین افسروں کی تعداد بہت کم تھی اس لئے اگر عمداً نہیں تو ضرورتاً وہ نہایت دلجوئی سے کام لیتے تھے اور وہ ڈرانے دھمکانے کے ساتھ شفقت و عنایت سے بھی اپنی کور پر حکومت کرتے تھے ان کے اثر و اقتدار کا انحصار خوف و رعب سے زیادہ شفقت و مہربانی پر تھا وہ اپنے دیسی افسروں کا خاص لحاظ کرتے اور ان کے عہدہ کی ذمہ داری کے اعتبار سے ان کے ساتھ شفقت اور عزت کا برتاؤ کرتے تھے۔ ہندوستانی کمانڈنٹ کا اپنی کور پر تقریباً وہی اثر تھا جو یورپین کمانڈر کا تھا اس کا بدیہی ثبوت یہ ہے کہ مدراس کی بعض قدیم ہندوستانی بٹالین ابھی تک اپنے ہندوستانی کمانڈنٹ کے نام سے موسوم ہیں؛

اس تنظیم میں بیشک بہت سے نقائص تھے لیکن اسی کے ساتھ اس میں بہت سی خوبیاں بھی موجود تھیں کیونکہ اگرچہ یورپین کمانڈنگ افسر بلا روک ٹوک نہایت عظیم الشان خدمات انجام دیتا تھا لیکن عموماً اس کی کور مالی فائدہ (۲۲۹) کا وسیلہ ہوتی تھی اور اس میں ہندوستانی کمانڈنٹ سے اسے بڑی مدد ملتی کیونکہ اس مال غنیمت میں اُس کو بھی حصہ دیا جاتا تھا لیکن وہ دونوں اپنی کور کے کام اور چال چلن کی درستی میں بہت دلچسپی لیتے تھے اور سپاہیوں کے ساتھ وہ ہمیشہ نہایت فیاضانہ اور مشفقانہ برتاؤ کرتے تھے؛

یورپین افسران کی تعداد بڑھانے۔ لباس میں عظیم الشان تغیر کرنے اور تنظیم کی اصلاح سے ہندوستانی افواج کے دستور العمل میں بہت سی اہم تبدیلیاں واقع ہوگئیں اور متعدد وجوہ کی بنا پر یہ تبدیلیاں عمل میں لائی گئی تھیں ہندوستانی والیان ملک نے اپنے یہاں کی افواج کو یورپین فنون جنگ سکھا دئے تھے اس لئے ان پر فضیلت حاصل کرنے کے لئے یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ کمپنی کی ہندوستانی فوج فن جنگ میں مزید ترقی کرے اور چونکہ یورپ میں اس فن نے بہت کچھ ترقیات حاصل کرلی تھیں اور جو شاہی فوج ہندوستان آئی تھی وہ

اُن کے روبرو لبطور نمونے کے موجود تھی علاوہ بریں بہت سے شریف اور اعلیٰ باب ۱۱
تعلیم یافتہ یورپین افسران ترقی کے مواقع کی وجہ سے یہاں کی فوج میں ملازم ہوگئے
تھے چنانچہ بہت سے افسران کی یہ رائے تھی کہ ان اسباب کی بنا پر سپاہی اپنے
افسروں کے پہلے سے بہت زیادہ مطیع و فرماں بردار ہوگئے ہیں اور ان میں
جو تنظیم اور فوجی قابلیت اب پائی جاتی ہے اس کی نظیر پہلے نہیں ملتی ؛
اُن کور کی کمان کے لئے کپتان منتخب ہوتے تھے اور چونکہ فوج میں یہ ایک (۲۲۰
اعلیٰ درجہ تھا اور ذمہ داری کا کام تھا اس لئے اس کا حاصل کرنا افسروں کیلئے
کافی ترغیب اور تحریص کا موجب تھا ؛
اس عہدہ کے لئے صرف اُن ہی افسران کا انتخاب ہوتا تھا جو سپاہی
افسر مشہور ہوتے تھے یعنی یہ ایسے افسر تھے جن میں حلیہ سپاہیانہ اوصاف موجود
تھے اور جن سپاہیوں کی کمان ان کے سپرد تھی اُن کے تعصبات۔ عادات
و اطوار سے بھی وہ بخوبی واقف تھے۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ اس انتظام
سے فوجوں کا لباس اور ان کی تنظیم تکمیل کے اعلیٰ درجہ کو پہنچ گئی اور ایسی ایک
بھی مثال نہیں ملے گی جس میں سپاہیوں کو ناراض کرکے ان کی اصلاح کی گئی ہو
بلکہ اس کے برعکس صرف وہی فوجیں اپنی کارکردگی و تنظیم کے واسطے بہت زیادہ
مشہور تھیں جو اپنی کمان کے افسروں کی بہت زیادہ مطیع و فرماں بردار تھیں
اور یہ افسر بھی اپنے سپاہیوں کی ضروریات اور ان کے جذبات کا بہت لحاظ
رکھتے تھے اور ہمیشہ یہی کوشش کرتے رہتے تھے کہ ہماری فوج کی ظاہری حالت
اور ان کا ڈسپلین دوسری فوجوں سے بہتر ہو کیونکہ اسی پر اُن کی شہرت اور ترقی (۲۳۱
کا دار و مدار تھا۔

لہ یہ انتخاب انگریزی رجمنٹوں کے کپتانوں میں سے ہوتا تھا جو کمپنی کے ملازم تھے۔ اور
یہ بات اکثر دیکھنے میں آئی ہے کہ جن افسران نے ہندوستان کی زبان نہیں سیکھی یا جو اپنی تیز
مزاجی کے باعث ہندوستانی فوج کی کمان کرنے کے لائق نہیں سمجھے گئے وہ اسوقت تک انگریزی
فوج میں ماتحت افسر رہے جب تک کہ ترقی کرکے وہ فیلڈ آفیسر نہ ہوگئے اس انتظام کی رو سے ہر بٹالین میں دس

باب ۱ اس انتظام میں ہندوستانی افسروں کی بہت کچھ قدر و منزلت ہوتی تھی اور اس کا باعث کمان افسر ہوتا تھا جس کو اپنے عہدہ اور معقول تنخواہ[1] کے باعث اتنا اثر اور رعب و داب حاصل تھا کہ وہ مہربانی کر کے سپاہیوں کی عزت افزائی کرتا تھا اور اپنی فوج کے نوعمر افسران کی نگرانی رکھتا تھا اور انھیں نصیحت بھی کرتا تھا کہ ہندوستانیوں کے ساتھ ہمیشہ اچھا برتاؤ کرنا اور جو سپاہی کہ پرانے ملازم تھے یا جنھوں نے اپنی بہادری کا ثبوت دیا تھا اور اس لئے وہ عزت اور عنایت کے مستحق تھے ان کے ساتھ کمان افسر نہایت عمدہ سلوک کرتا تھا اور حکمت عملی اور فیاضی کے اصول کے مطابق یہ امر نہایت ضروری بھی تھا۔

۱۷۹۶ء میں ہندوستان کی فوجی ملازمت میں ایک اور زبردست تبدیلی واقع ہوئی جب کہ اس میں نئے قوانین جاری کئے گئے کیونکہ کمپنی کے فوجی افسران اور شاہی فوج کے افسران متعینۂ ہندوستان کے رتبہ کی کمی و بیشی کے متعلق بہت سے واقعات رونما ہونے سے ان قوانین کا جاری کرنا نہایت ضروری ہوگیا تھا ان قوانین کی رو سے ہندوستانی دو پلٹنوں کی ایک رجمنٹ بنا دی گئی جس میں شاہی رجمنٹ کے مساوی افسر رکھنے کی اجازت دیدی گئی اور رجمنٹ میں میجر کے درجہ تک ترقی قرار دی گئی جس سے یہ توقع کی گئی تھی کہ افسران اور سپاہیوں کے مابین ارتباط اور اعتماد پیدا ہو جائے گا اور یورپین افسران کی تعداد زیادہ ہو جانے سے ہندوستانی فوج کی حالت اور درست ہو جائے گی کیونکہ جب (۲۴۳) ہر ایک چھوٹی جماعت پر ایک انگریز افسر ہوگا تو اس کی معلومات اور تجربہ سے یہ جماعت مستفید ہوگی۔ ان قوانین کا نہایت خراب اثر یہ ہوا کہ کمان افسران کی حالت میں بہت کچھ تغیر پیدا ہو گیا کیونکہ ان قوانین کے نفاذ سے اُن کا برائے نام رعب و داب باقی رہ گیا اور فی الحقیقت مثل سابق کے عزت افزائی کا موجب نہیں رہا اس میں بیشمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور کسی قسم کا اثر

[1] اس کو اپنی کور کا بھتہ چھاؤنی کی کمان کی تنخواہ اور دیگر معاوضے ملتے تھے۔

باب ۱۰

اور وقار نہ تھا اس لئے فوجی ملازمت سے دلچسپی لینے والے افسر جو قدرے
شہرت بھی حاصل کر لیتے تھے حتی الامکان ان عہدوں سے گریز اور پرہیز کرتے
تھے اور وہ اسی کوشش اور فکر میں رہتے تھے کہ انھیں گورنمنٹ کمان یا جنرل
اسٹاف میں کوئی عہدہ مل جائے۔ ہندوستانی فوج کے نظام ترکیبی کے اس حصہ
کے نہایت بُرے نتائج کو سب نے محسوس اور تسلیم کر لیا ہے ان خرابیوں کی کسی
قدر اصلاح بھی ہوئی ہے لیکن فوجی محکمہ کی اس ضروری شاخ کی اس وقت تک پورے
طور پر اصلاح نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس عہدہ کو اس قدر باوقعت اور منفعت بخش
نہ بنا دیا جائے کہ ہندوستانی رجمنٹ کے معزز اور شریف افسران بجبر کسی
شعبہ کا افسر ہونے کے عام طور پر اسٹاف میں عہدہ حاصل کرنے سے اس عہدہ (۲۳۳)
پر پہنچنا زیادہ معزز نہ سمجھنے لگیں۔

حکومت ہند نے سپاہی کور کے افسران کی حالت پر بہت کچھ توجہ مبذول فرمائی ہے اُسکے الاونس میں اگرچہ
قدرے اضافہ ہو گیا ہے لیکن ایسی تدابیر عمل میں نہیں آئی ہیں جن سے سپاہیوں
کے دل میں وفاداری اور اطاعت کیشی کا جذبہ پیدا ہو۔ دو لاکھ چالیس ہزار
ہندوستانی سپاہیوں کی فوج میں صوبہ دار کی تنخواہ زیادہ سے زیادہ ۸۰ روپے
ماہوار ہوتی ہے۔ ۳۰ - ۴۰ سال کی ملازمت کے بعد وہ اس عہدے پر پہنچتا
ہے لیکن اس عہدے پر پہنچکر اُس کی اس قدر بھی وقعت نہیں ہوتی ہے
کہ اسکا افسر جو اکثر ایک نوعمر لڑکا بھی ہو سکتا ہے اس کے ساتھ درشتی سے پیش
نہ آئے۔ بارکوں اور کیمپ میں اُسے کوئی علٰحدہ مکان تک نہیں ملتا وہ سپاہیوں
کے ساتھ رہتا ہے اور معذور ہو کر فوج سے کنارہ کش ہو جانے کی صورت میں

۱؎ ابھی حال ہی میں یہ مفید تدبیر اختیار کی گئی ہے کہ ہر ایک کور میں ایک صوبیدار میجر
مقرر کر دیا گیا ہے۔

۲؎ گذشتہ نقشہ میں ہندوستانی فوج کے افسر اور سپاہیوں کی مجموعی تعداد ۲۳۳۳۶۶ دکھائی گئی ہے۔

۳؎ مدراس میں رسالہ کے صوبیدار کی بھی یہی تنخواہ ہے لیکن بنگال میں رسالہ کے صوبیدار
کو ۱۵۰ ماہوار ملتے ہیں۔

اگرچہ اسے تنخواہ ملتی ہے جس سے وہ بسر اوقات کر سکے لیکن وہ اپنے اہل و عیال کی پرورش کا کوئی بند و بست نہیں کر سکتا ہے وہ اپنے بال بچوں کو اپنے ساتھ فوج میں اس خوف سے نہیں رکھتا ہے کہ اپنے عادات و اطوار کے باعث ان کو جسمانی سزا نہ ملے (۲۳۴) اُس کی اولاد زندگی میں اس کے لئے وبال جان اور اس کے مرنے پر لاوارث اور مفلس قلاش رہجاتی ہے بیشک بعض ایسی مثالیں بھی فوج میں ملیں گی کہ کسی ہندوستانی افسر کو تھوڑا سا وظیفہ بھی دیا گیا ہو اور چند خاص صورتوں میں اُس کے ورثا کو بھی اس کے وظیفے کا کچھ حصہ دیا گیا ہے لیکن ایسی مثالیں شاذ ہیں اور یہ سلوک صرف اُن افسران کے ورثا کے ساتھ کیا گیا ہے جنھوں نے فوج میں کوئی غیر معمولی نمایاں خدمت انجام دی ہے لیکن با ایں ہمہ اس کے جملہ بالا دست افسران کو جن کی ماتحتی میں اس نے کام کیا تھا اس رعایت کے حاصل کرنے میں اپنے پورے اثر سے کام لینا پڑا ہے۔ لیکن اس طرح پر چند انعامات دینے کا کوئی عام اثر ہماری ہندوستانی فوج پر نہیں پڑ سکتا ہے۔ ایسی حالت میں یہ کوئی استعجاب کا مقام نہیں کہ سخت آزمائش اور خصوصاً غدر کے موقع پر ہماری ہندوستانی فوج نے بہت کم سرگرمی اور جوش کا اظہار کیا۔ ایسی صورت میں اُن کی حالت مشتبہ رہی اور وہ چند اعلیٰ بے تعلق سے رہے کیونکہ اُس پر وہ ذوق و شوق کی کمی تھی جس کی اس موقع پر سپاہیوں کو مدد دینے کے لئے ضرورت تھی ؛ (۲۳۵)

ان کو اپنے افسران کی اعانت کرنی پڑتی تھی اور چونکہ باغیوں کے ساتھ ان کے قومی اور عزیزانہ تعلقات تھے اس لئے ان کو نہایت مشکل اور خطرناک خدمت انجام دینی ہوتی تھی اور اگر وہ اس خدمت کے انجام دینے میں ناکام رہے تو یہ نقص ہمارے انتظام کا ہے اُن کا کچھ قصور نہیں لیکن اگر ہم اپنے انتظام میں جان ڈالدیں اور ان کے دل میں ذوق و شوق کا جذبہ پیدا کر دیں تو

ے ہمارے ہندوستانی افسران کی حالت سنہ ۱۸۰۶ء میں بمقام ویلور اور پھر بغاوت بارکپور میں یکساں رہی اُن کا طرز عمل کچھ اس قسم کا رہا کہ وہ اپنی ملازمت ترک کرنا تو پسند نہ کرتے تھے لیکن اسی کے ساتھ اپنے مشکل اور خطرناک فرض منصبی کو بطیب خاطر ادا کرنے پر بھی آمادہ نہ تھے۔

بانبل پھر وہ جان لڑا کر اور پوری کوشش کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیں گے اور اپنے مستقبل کے لیئے ان کو مایوسی نہ ہوگی بلکہ کچھ فلاح و بہبود کی امید ہوگی ۔ اگر ہندوستان میں ہماری قوت کی نوعیت کے لحاظ سے ہندوستانی افسران کے ہاتھ میں فوجوں کی کمان دی جا سکتی جیسا کہ ظاہر ہے اس طرح ان کے اعزاز کا یہ دروازہ بند کر دیا جائے تو اُن کی حوصلہ افزائی اور عزت افزائی کے دوسرے دروازے کھول دیئے جائیں۔ جن اصولوں پر ہندوستانی فوجیں قائم ہیں ان کی پوری پابندی کرنے کے بعد ہمارے لئے مناسب ہے کہ ہم اپنے ہندوستانی سپاہیوں کے دلوں میں یہ بات پیدا کریں کہ پسندیدہ خدمات انجام دینے کے بعد وہ اپنی زندگی آرام اور اعزاز کے ساتھ بسر کر سکتے ہیں اور اپنی قوم میں عزت حاصل کرنے کی توقع کر سکتے ہیں اور جو مراعات ان کے ساتھ کی گئی ہیں ان کا کچھ حصہ چند قواعد کے تحت ان کی اولاد کو بھی حاصل ہو سکتا ہے تو پھر اُن میں ایسی وفاداری (۲۳۶) کا جذبہ پیدا ہو جائے گا جس میں کوئی خرابی نہ آ سکے گی ایسی تدابیر اختیار کرنے سے ہندوستانی فوج کی ملازمت معزز اور ہر دل عزیز ہو جائے گی اور پھر اعلیٰ ترین خاندان کے ہندوستانی اس کے حاصل کرنے کی خواہشمند ہونے لگیں گے اور اس طرح چند سال کے عرصہ ہی میں ہماری رعایا کی وفاداری میں ترقی ہوگی اور وہ نہایت سرگرم اطاعت کیش بن جائے گی۔ فوج کے پنشن یافتہ حضرات اور اُن کی اولاد رعایا میں حکومت کی وفاداری کے جذبات پھیلائے گی کیونکہ اسے یہ احساس ہوگا کہ جو کچھ عزت انھیں نصیب ہوئی وہ اُس حکومت کی بدولت ہے جس کی خدمات انھوں نے کامل وفاداری اور اطاعت شعاری کے ساتھ انجام دی ہیں ۔

جو ہندوستانی کمپنی کی فوج میں ملازم ہیں وہ سب نہایت شائستہ ہیں اور ان کا ذاتی چال چلن نہایت عمدہ ہے ان میں مے نوشی عام طور پر نہیں پائی جاتی اور بد چلنی کی بھی شاذ و نادر مثالیں ملتی ہیں اور ان میں نہایت پسندیدہ خوبیاں اور خوبیاں موجود ہیں لیکن وہ کسی نیکی کی خوبی یا کسی بدی کے بموجب کسی خیال سے نہیں بلکہ اپنے سخت مذہبی احکام کے خیال سے وہ اپنے اصول اداروں

باب ۸ کی خلاف ورزی کرنے سے ڈرتے ہیں۔ اکثر صورتوں میں یہ لوگ اپنے کو آزاد نہیں تصور کرتے ہیں وہ رسم و رواج کے قانون اپنے مذہبی پیشوا یا گرو کے حکم اور اپنے بزرگ اور بلند مرتبہ لوگوں کے اثر پر اپنی ذاتی رائے کو قربان کر دیتے ہیں اور ان وجوہ سے اکثر اوقات دفعتاً ان کے نرم اور اثر پذیر دل میں ضد ہٹ دھرمی اور وحشیانہ سختی پیدا ہو جاتی ہے ہندوستان کے جملہ باشندے اور
(۲۳۷) بالخصوص بہادر اقوام نام و نمود کی بہت شائق ہیں اور وہ قوت کی ظاہری شکل کی اس قدر توقیر کرتے ہیں جس قدر کہ حقیقی قوت کی ہو سکتی ہے اور فی الحقیقت ہمیں یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوتی ہے کہ وہ ظاہری اعزاز کی ہر ایک علامت کو نہایت اہم تصور کرتی ہیں بالخصوص ایسی حالت میں کہ وہ اعزاز ان کے اکابر نے مرحمت کیا ہو لہذا کمپنی کے ہندوستانی سپاہی میں بھی اپنے ہموطنوں کی خصوصیات موجود ہیں۔ چونکہ وہ ذہین۔ زود فہم خود پسند اور اپنی بڑائی کا متمنی ہوتا ہے اس لئے وہ دوسروں کے مقابلے میں توجہ اور عدم توجہ سے بہت جلد متاثر ہوتا ہے اور اگرچہ یہاں کی آب و ہوا اُسے کاہل بنا دیتی ہے اور اس کا جُثہ بھی کچھ زیادہ قوی نہیں ہوتا لیکن شاباش دیکر اس سے غیر معمولی محنت لی جا سکتی ہے لیکن اگر سختی اور درشتی کی جائے اور وہ اظہار ناراضی نہ کرے تو وہ پست ہمت اور پہلے سے بھی زیادہ کاہل ہو جاتا ہے ؛

ہمارا یہ بیان کافی تجربہ پر مبنی ہے کہ ہندوستان کے دیسی سپاہیوں کی کارگذاری کا دارومدار ان کے افسران کے برتاؤ پر ہے۔ اگر افسران اُن کے ساتھ عزت و توقیر اور ان کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرتے ہیں اور اُن کے رسم و رواج کا لحاظ رکھتے ہیں تو وہ نہایت مطیع اور فرماں بردار بن جاتے ہیں اور پھر ہر ایک موقع پر وہ عدیم النظیر سرگرمی اور شجاعت کے جوہر دکھاتے ہیں لیکن اگر کپتان افسران کے ساتھ معمولی برتاؤ کریں یا اُن کو ناقابل اعتبار سمجھتے ہیں یا اپنے کسی
(۲۳۸) فعل سے اُن کے رسم و رواج یا مذہب کی تذلیل کرتے ہیں تو وہ نہایت بزدل اور غیر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اُن کی حالت کا یہ قدرتی نتیجہ ہے کیونکہ جس قوم کی وہ اجرت پر خدمت کرتے ہیں اس سے ان کے اور کسی قسم کے تعلقات نہیں ہیں لہذا

وہ اپنے قریبی افسران کے اثر کی بدولت معمولی طریقے پر اپنے فرائض انجام دیتے رہتے ہیں لیکن جو افسران اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اپنے ماتحت سپاہیوں میں کس طرح اپنی جیسی اسپرٹ پیدا کی جاسکتی ہے اور جو اثرات کہ وہ اپنے سپاہیوں کے دل نشین کرنا چاہتے ہیں وہ کس طرح اُن کے دل نشین کرائے جاسکتے ہیں اُن کو چنداں وقت پیش نہیں آتی ہے کیونکہ ان لوگوں کی تربیت اور اُن کے خیالات انھیں ناموری اور شجاعت کے کارنامے دکھانے پر مائل کردیتے ہیں ؎

ایک فوج جس کی اس قسم کی تنظیم ہو اور جس میں ایسے مزاج کے سپاہی ہوں بہت جلد خراب ہوسکتی ہے اور یہ فوج اُس قوت کی تباہی اور بربادی کا موجب ہوسکتی ہے جس کی حفاظت کے واسطے وہ ملازم رکھی گئی ہے لیکن اس بات کا کوئی اندیشہ نہیں تاوقتیکہ ہم اپنی حقیقی قوت کا غلط اندازہ کرکے صرف یورپین فوج پر بھروسہ نہ کریں اور ہندوستانی فوج کو بہ نظر حقارت نہ دیکھیں اور اگر خدانخواستہ ہم کبھی اس فاش غلطی کے مرتکب ہوں تو وہی دن ہماری مشرقی سلطنت کے زوال کی ابتدا کا ہوگا۔ یورپین فوج کی افزائش سے نہ صرف ہماری سلطنت کو مالی نقصان پہنچے گا بلکہ ہماری ہندوستانی فوج کی ہوا ایسی بدل جائے گی کہ حکومت میں اس کی کچھ عزت و توقیر ہے اور ساری ہندوستانی فوج پست ہمت ہوجائیگی جس سے ہماری فوجی طاقت کو اس درجہ نقصان پہنچے گا جس کی تلافی ہمارے ۲۳۹ ر
اعلیٰ درجہ کی یورپین افواج کی آمد سے نہ ہوسکے گی خواہ وہ کبھی تعداد میں کیوں نہ طلب کی جائے۔ یورپین افسراں کی ماتحتی میں ہندوستانی فوج کا ملازم رکھنا نہایت غور طلب مسئلہ ہے۔ ہمارے نہایت قابل کمان افسر جنھوں نے ہندوستانی فوج سے کام لیکر فتوحات حاصل کی ہیں۔ اگرچہ وہ گورہ فوج کے جوش اور مردانگی کو افضل سمجھتے ہیں لیکن انھوں نے اپنے کسی فعل سے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ انھیں ہندوستانی فوج پر اعتبار نہیں اور نہ کبھی ہندوستانی فوج کو یہ سمجھنے کا موقع دیا کہ وہ دوسری نظر سے دیکھی جاتی ہے۔ انگریزی اور ہندوستانی فوجوں کو ہر ایک معرکہ میں شریک کرکے انھوں نے ہندوستانی فوج کے دل میں

باب۱۱ (۲۴۰) نہ صرف فخر اور ترغیب و تحریص کا مادہ پیدا کیا جس سے کہ اُن کی فوجی قابلیت میں بہت کچھ اضافہ ہوگیا بلکہ اُن میں وفاداری اور محبت کا ایسا جذبہ پیدا کر دیا جس سے سلطنت کے عمومی فوائد پہنچنے کے علاوہ اُن معرکوں میں فوری کامیابی حاصل ہوئی۔

اس بیان سے ہندوستانی فوج کی عجیب و غریب خصلت معلوم کرنے میں بہت کچھ مدد ملے گی اور اُن جملہ انتظامات کے نتیجے اور ہماری قوت کے اس شعبہ کی قابلیت اور وفاداری کا انحصار ہر درجہ کے اُن یورپین افسران کے مزاج علم اور قابلیت پر اور کارکردگی پر ہے جو دیسی افواج کے کمان افسر ہیں اس

لے ہندوستانی فوج کے دل میں اس طرح کے جذبات پیدا کرنے والے کمان افسران میں سے حسب ذیل اصحاب خصوصیت کے ساتھ قابل تذکرہ ہیں مثلاً لارڈ کلائیو۔ سر آئر کوٹ۔ لارڈ کارنواِلس اور ڈیوک آف ویلنگٹن۔

ریویو کے رسالے کے جس مضمون کا اس سے پیشتر ہم حوالہ دے چکے ہیں (جلد ۸ صفحہ ۳۹۲) اُس میں جنرل سر جان فلائیڈ مرحوم کی اُس توجہ کی بہت کچھ داد دی گئی ہے جو مرحوم کو اس مسئلہ کے متعلق تھی چنانچہ تبصرہ نویس لکھتا ہے کہ بہادر انگریزی پلٹن ۱۹ کے شہرۂ آفاق کمان افسر نے اس پلٹن کے یوم ورود سے ہندوستانی اور انگریزی فوج میں ارتباط اور باہمی محبت کے تعلقات پیدا کرنے کی بجد کوشش کی۔ اسے اپنے مقصد میں پوری کامیابی حاصل ہوئی اور دونوں قسم کی فوجوں کی متفقہ کوششوں سے اس کے ہندوستان میں قیام کرنے کے زمانے میں اُس کی ذاتی شہرت کو اور چار چاند لگے اور جو دوستانہ تعلقات اس نے پیدا کر دیئے تھے وہ اُس کی روانگی کے بعد بھی قایم رہے اور آسائی کے میدان جنگ میں یہ دوستانہ تعلقات درجۂ کمال کو پہنچ گئے تھے۔
”ڈیوک ویلنگٹن نے جس قدر لڑائیاں لڑی ہیں ان میں جنگ آسائی نہایت سخت تھی اور اس جنگ کے ایک نہایت نازک موقع پر جب بہادر انگریزی سپاہ انتہائی جد و جہد کر رہی تھی اس نے دیکھا کہ اُس کے ہندوستانی ساتھی ان کے قدم بہ قدم چلتے اور یکساں شجاعت سے نبرد آزمائی کر رہے ہیں“، ہندوستانی فوج کو اس سے بھی زیادہ ایک سخت مرحلہ یہ پیش آیا کہ

باب

مسئلہ کو اس نظر سے دیکھنے پر موجودہ نظام کے نقائص رفع کرنے کی فوری ضرورت محسوس ہوتی ہے لیکن نقائص دور کرنے کے لئے ایسی تدابیر پر عمل کرنا چاہئے جو فیاضانہ پالیسی کے معقول اصولوں پر مبنی ہوں اور جو ہندوستانی فوج کے خصائل۔ (۲۴۱)
اُس کی ہیئت ترکیبی اور سپاہیوں کی حقیقی حالت کے مناسب حال ہوں لیکن اگر ایسی تدابیر اختیار کرنے میں عرصہ تک غفلت برتی جائے گی تو اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ پھر مختلف صوبوں کی مقامی حکومتیں جزوی اور مقامی خرابیاں رفع کرنے کے لئے ضروری کارروائی کریں گی لیکن اس کارروائی سے عام بے چینی اور خطرہ پیدا ہونے کی بنا پڑ جائے گی مطالبے کو رد کرنے والی دانشمندانہ دوراندیشی اور مراعات دیگر مطالبہ پورا کرنے والی کمزوری میں نہایت زبردست فرق ہے۔ اول الذکر ترقی کرنے والی حکومت کی اور آخرالذکر زوال پذیر حکومت کی خاص علامت ہے ؎

ہندوستانی فوج کی وفاداری کو تسلیم کرنے اور اُن میں جوش اور سرگرمی پیدا کرنیکی تدبیر کی بابت مفصل بحث کرنا موجب طوالت ہے لیکن اگر اس مسئلہ کی اہمیت تسلیم کر لیجائے تو پھر اس کی تدابیر کی اختراع میں کچھ دقت نہ ہوگی۔

اسکے متعلق ہم جو کچھ تدابیر اختیار کریں اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ مستحق دیسی افسران کے مناسب حال ہم چند انعامات ضرور مقرر کریں اور یہ انعامات اس طرح کے ہوں جن کے حصول کے لئے نہ صرف چند افسروں کے دل میں شوق پیدا ہو بلکہ ان انعامات کے حاصل کرنے کی ان لوگوں کو بھی توقع رہے جو اُسی طرح کی عزت اور وہی درجہ حاصل کرنے کے لئے ساعی ہوں۔ ہم نے ہندوستان میں مجبوراً بہت کچھ ضائع کیا ہے اور ہم نے جن لوگوں کو اپنی قوم میں معزز اور سربلند پایا تھا ہماری

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ جو ہندوستانی پیدل فوج قلعہ ویلور کی حفاظت پر متعین تھی اُس نے مشتعل ہو کر اپنی فوج کے انگریز افسروں کو قتل کرنا شروع کر دیا لیکن اتنی سخت آزمائش میں ہندوستانی سوارہ فوج کی وفاداری میں شمہ بھر بھی تزلزل واقع نہ ہوا اور قلعہ کا دروازہ کھل جانے پر اس نے مثل گورہ فوج کے اپنے گمراہ اور مجرم اہل وطن کو بے دریغ قتل کر ڈالا ؎

باب۱ مساوات حکومت میں بالکل تباہ و برباد ہو گئے۔ دانشمندانہ اور فیاضانہ پالیسی اس امر کی مقتضی ہے کہ ہم اپنی رعایا میں ایک اعلیٰ طبقہ پیدا کریں اور اسے برقرار رکھیں
(۲۴۲) اور اس مقصد کے حاصل کرنے کی نہایت موثر تدبیر یہ ہے کہ جس شخص نے فوج میں نمایاں کارگذاری دکھائی ہو ہم اسکے وطن میں اُس کو کچھ عزت دیں اور اس کا رتبہ بڑھائیں تاکہ اس کے ابنائے وطن اس کی عزت کریں اور انھیں یہ خیال پیدا ہو کہ پہلی حالت خواہ کیسی ہی کیوں نہ ہو لیکن سرکاری خدمات کا انجام دینا عزت افزائی کا موجب ہوتا ہے۔ انعام یا صلہ دینے کا یہ طریقہ تمام ایشیائی سلطنتوں کے دستور کے عین مطابق ہے اور اگر ہم اس تدبیر کو عمل میں لائیں گے تو یہ تدبیر اہل ہند کے خیالات اور ان کی مرضی کے موافق ہوگی ؟

ممتاز ہندوستانی افسران کو جو کچھ بھی صلہ دیا جائے وہ اُن کی خدمات اور حقوق کے موافق ہونا چاہیئے اور وہ صلہ ان کی اولاد کو بھی دینا چاہیئے اور اُن کے لڑکوں کو فوج میں بھرتی ہو کر مختلف مدارج طے کرنے کی ترغیب دی جائے اور ہر ایک عہدہ پر انھیں مقررہ تنخواہ سے کسی قدر زیادہ تنخواہ دینی چاہیئے اور جسمانی سزا سے مستثنیٰ کر دینا چاہیئے۔ ہمارا فوجی نظام رضاکار بھرتی کرنے اور ہندوستانی کیڈٹ مقرر کرنے کی اجازت نہ دیگا لیکن جو شخص بھی کہ فوج میں بھرتی ہو اُسے خود ایسی کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ ترقی کر کے صوبیدار کے عہدہ تک پہنچ جائے اور فوجی سپاہی بیحد خوش ہونگے کہ ان کے افسر ونکے لڑکے اُن کے ساتھ کام کر رہے ہیں لیکن ساتھ ہی ان کی عزت اس عہدہ کی مانند ہوتی ہے جس تک پہنچنے کے وہ سب ساعی اور خواہاں ہیں۔ ہندوستانی کمیشن یافتہ افسران جب اسٹاف میں لئے جائیں جیسا کہ اکثر ہوتا ہے تو انھیں ایک مقررہ الاؤنس ملنا چاہیئے اور آجکل کی طرح اُن کو آئندہ انعامات ملنے کے واسطے صرف اُن افسروں کے رحم و کرم پر نہ
(۲۴۳) چھوڑنا چاہیئے جن کے تحت انھوں نے اعلیٰ خدمات انجام دی ہوں۔ اگر دانائی کے ساتھ اُن سے یہ کام لیا جائے تو وہ نہایت قابل قدر خدمات انجام دیتے ہیں اور اس کام میں کوئی یورپین افسران کا مقابلہ نہیں کر سکتا انھیں اکثر شعبوں کا نگراں کار اور بعض مرتبہ سپہ دار بھی بنانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس قسم کے

باب ۱۱

تقررات اسٹاف والوں میں سے کرنے چاہئیں اگر ان عہدوں کے لئے اُن کا انتخاب ہوگا تو اُن کے خدمات کا انھیں صلہ بھی مل جائیگا اور اس عہدے کے حاصل کرنے کے لئے ان کو تحریص و ترغیب بھی پیدا ہوگی؛

مرقومۂ بالا تدابیر نہایت سود مند ثابت ہوں گی اور ان کے عملدرآمد میں کچھ زیادہ صرف بھی نہ ہوگا لیکن ان کا نفاذ صرف اعلیٰ عہدوں تک محدود ہوگا اور ان کے ساتھ جو عنایت و نوازش کیجائیگی اُس کا دوسروں پر بھی اثر پڑیگا۔ لیکن سلطنت اور سلطنت کی حفاظت کرنے والی فوج کے حقوق کو باہم شیر و شکر کرنے کے لئے کچھ اور بھی کرنا ہوگا۔ اس کو موثر بنانے کا یہ طریقہ ہے کہ فوجی سپاہی کے ذہن نشین کر دیا جائے کہ اگر فوج میں وہ قابل قدر خدمات انجام دے گا تو پھر اپنے صوبہ میں اُسے سول ملازمت ملنے کا استحقاق حاصل ہو جائے گا۔ جو اسپئہ دار کہ شجاعانہ خصائل کے مناسب حال عہدوں کے خواہاں ہوں ان کے لئے باقاعدہ فوج میں چند سال تک ملازمت کرنے کی شرط لگا دی جائے اور جن لوگوں نے کہ فوج میں ملازمت کی ہے وہ پولیس کا کام اگر بہتر نہیں تو کم از کم دوسرے طبقوں کی طرح بڑی خوبی سے انجام دے سکتے ہیں؛

(۲۴۴)

پولیس کے سپاہیوں کے ساتھ یہ رعایت کی جاسکتی ہے کہ اگر وہ خواہش کریں اور کاشت کرنے کے وسائل اُن کے پاس موجود ہوں تو ان کی تنخواہ کا ایک حصہ وضع کر کے اُن کو بنجر اراضی دیدی جائے؛

اس رعایت کو عام طور پر رائج کر دیا جائے تو اس سے بیحد فوائد حاصل ہونگے کیونکہ اس کا عمدہ طور پر انتظام کر دیا جائے تو نئے ملازمان کو ترغیب و تحریص ہوگی ان کے خدمات کا انھیں یہ صلہ مل جائیگا اور پھر اس کی بدولت ملک کے اندرونی امن و سکون اور مرفہ الحالی کو ترقی حاصل ہوگی اس تجویز کے لئے یہ کوئی معمولی سفارش نہیں ہے کہ اس طرح ملازمان کو ان کے عمدہ خدمات کا صلہ دینے کے ہمیں ذرائع حاصل ہو جائیں گے ہماری فوج کی اطاعت کیشی اور وفاداری میں بیحد ترقی ہو جائے گی اور ساتھ ہی اس تدبیر سے مصارف میں کچھ بیشی نہ ہوگی بلکہ اور کفایت ہو جائے گی۔ اسے کامیابی کے ساتھ درجۂ تکمیل تک پہنچانے میں جو دقت حائل ہوگی اُسے ہم نے

یانب پیشتر ہی بیان کر دیا ہے لہٰذا اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ مجسٹریٹ اور سپرنٹنڈنٹ
پولیس اس جماعت میں سے لئے جائیں جو فوجی سپاہ ہوں پر حکومت کرنیکی عادی ہوں تا کہ
"حکومت" کے کسی نظم میں فوری تبدیلی پیدا کرنا دانشمندی کے خلاف
ہے لیکن اگر یہ تجویز پسند ہو تو بتدریج اس کا نفاذ ہونا لازمی قرار دیدیا جائے مقامی
حالات کے لحاظ سے ذیلی امور میں ترمیم ہو سکتی ہے لیکن اس کے اساسی اصولوں
سے روگردانی نہ کرنی چاہیئے۔ یہ سیاسی امور ہیں اور ہندوستان میں ہمارے وجود
سے ان کا خاص تعلق ہے ہندوستان میں ہماری فوجی حکومت ہے لیکن اپنے ممالک
محروسہ کو اپنے قبضہ میں رکھنے اور ان کو ترقی دینے کا وسیلہ ہمارا سول انتظام ہے
جس کی خوبی کا انحصار فوجی طاقت کو دانائی اور ہوشیاری سے کام میں لانے پر
ہے۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے لیکن اس کی صداقت حکومت ہند کے اعلیٰ افسروں
(۲۴۵) کے ذہن نشین کرانی نہایت ضروری ہے کیونکہ ایسے تجاویز پیش کرنا محض فضول ہیں
جن کے عملدرآمد میں جزوی اور مقامی خیالات۔ ذاتی اثر[1] اور قوت یا مقررہ
تنظیم کی حمایت سے ہر قسم کی رکاوٹیں پیدا ہوتی رہیں اور جن کے ناکام ثابت
کرنے کی ہر ممکنہ کوشش کی جائے ؎

---

[1] محکمۂ پولیس میں ہندوستانیوں کے تقرر کو مجسٹریٹ یا جج قابل التفات نہیں سمجھتے کیونکہ جن لوگوں
کا تقرر ہوتا ہے اُن سے مجسٹریٹ یا جج کا کوئی تعلق ہی نہیں لیکن ان کے ماتحت پولیس کی ملازمت
کو قابل قدر سمجھتے ہیں لہٰذا وہ اپنے افسرانِ بالادست کے اثر سے اپنی امکانی کوشش کرینگے
کہ موجودہ انتظام میں کچھ تبدیلی نہ ہونے پائے ؎

گیارھواں باب

ہندوستان میں رہنے والے انگریز اور اینگلو انڈین صاحبان کی حالت پر تبصرہ عیسائیت کی تبلیغ۔ اخبارات اور مطابع کی حالت

انگریزی جماعت

اگر اُس انگریزی جماعت کا کچھ تذکرہ نہ کیا جائے جو کمپنی کی ملازم تو ہے نہیں لیکن وہ ہندوستان میں اس کی زیر سیادت رہتی ہے تو یہ کتاب نامکمل رہے گی۔ یہ جماعت گذشتہ چند سال میں بہت بڑھ گئی ہے[۱] اور غالباً ان اصحاب کی تعداد میں ابھی اور بہت زیادہ اضافہ ہونے والا ہے اور اس وجہ سے ان مسائل پر بہت کچھ توجہ کرنی ہوگی جن کا تعلق ان کے حقوق و مراعات سے ہوگا۔

کلکتے بمبئی اور مدراس میں عدالت العالیہ قائم کر دینے سے جملہ انگریزی رعایا

---

[۱] جو انگریز کہ ہندوستان میں ملازم نہیں بلکہ مقیم ہیں انکی تعداد تین ہزار ہے از انجملہ دو ہزار بنگال میں پانچ سو مدراس میں اور پانچ سو بمبئی میں رہتے ہیں۔ یہ تخمینہ غالباً اصلی تعداد سے زیادہ ہے اگر اس میں جہازراں[۲] بھی شامل کر لئے جائیں تب بھی اتنی تعداد نہ ہوگی دفعہ ۱۰۴۔ قانون ۵۳ جارج سوم باب ۱۵۵۔

باب ۱۱ کی جو ان عدالتوں کے دائرۂ حکومت میں رہتی ہے مقامی حکومت کے غیر معمولی
اختیارات کے خلاف قانونی حفاظت ہوگئی ہے البتہ چند صورتوں میں قانون نے
حکومت مذکور کو یہ اختیار دیدیا ہے کہ وہ بغیر اجازت نامہ کے ہندوستان میں رہنے
(۲۴۷) والے انگریزوں کو انگلستان واپس بھیجدے۔[۱]

جب عدالت العالیہ بنگال میں اول مرتبہ جج مقرر ہوئے تو ان کو کمپنی کے
جملہ صوبجات کی رعایا کے مقدمات فیصل کرنے کا اختیار حاصل تھا لیکن صرف
چند روز کی آزمائش سے معلوم ہوگیا کہ یہ انتظام چل نہیں سکتا اور پھر تجربہ سے یہ بھی
ثابت ہوگیا کہ ان کے محدود دائرہ میں بھی مقامی حکام سے سخت تصادم ہوجانے
کا قوی احتمال ہے اس لئے اس خرابی کو جو اندرونی کمزوری اور نااتفاقی سے پیدا
ہوسکتی ہے رفع کرنے کی یہ تدبیر ہے کہ اس عہدۂ جلیلہ پر نہایت احتیاط اور غور و
خوض سے ایسے اصحاب کا تقرر کیا جائے جو نہ صرف اعلیٰ درجہ کے قانون داں ہوں
بلکہ ٹھنڈے دل سے کام کرنے والے بھی ہوں قوت فیصلہ زبردست ہو اور اُن
کو اپنے حلقے کے متعلق جہاں انھیں کام کرنا ہے پوری واقفیت حاصل ہو اور تاوقتیکہ
ایسے اوصاف رکھنے والے اصحاب عدالت العالیہ کے مقتدر عہدۂ ججی پر مامور
نہ ہوں گے اس وقت تک یہ اندیشہ لگا رہے گا کہ حکومتوں کے ان مرکزوں کی
روزافزوں آبادی کے ساتھ شرقی سلطنت کے نظم و نسق کے اس نازک اور اشد ضروری
شعبہ کے چلانے میں سخت پریشانیوں اور دقتوں کا سامنا ہوگا۔

ان سب عدالتوں کا دائرہ دارالسلطنت سے صرف چند میل آگے تک
(۲۴۸) ہے جہاں پر کہ وہ قائم ہوئی ہیں اور ابھی ان کے لئے بہت زمانہ درکار ہے اور اہم
تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ جب اس کے حلقہ کو وسعت دیجائے گی انگریزی قانون

---

۱ اکثر یہ تجویز پیش ہوئی کہ ہندوستان میں ملک معظم کی عدالتوں کے حلقہ کو وسعت دیدیجائے
لیکن اس کو باور کرنا دشوار ہے کہ جو شخص انگریزی قانون کی تاریخ اور موجودہ حالت سے آگاہ
ہے اور جس نے کسی مشرقی یا غیر ملک کی بغور تفتیش کی ہو وہ کسی ایک ملک میں دوسری
جگہ کا قانون نافذ کرنے کی سفارش کرے گا سب انگریز اپنے یہاں کے قانون کے اس اصول

باب ۱۱

جن لوگوں کی حفاظت کرتا ہے اُن کی حالت ہماری ہندوستانی رعایا کی حالت سے
بالکل مختلف ہے کلکتہ۔ مدراس اور بمبئی میں انگریز۔ اینگلو انڈین اور ایسے ہندوستانی
آباد ہیں جن کے تعلقات حقوق اور کاروبار انگریزی قانون اور انگریزی رسم ورواج
سے وابستہ ہیں اور جن میں سے اکثر انگریزی قانون کے زیر اثر پیدا ہوئے اور (۲۴۶)
تعلیم پائی اور اس وجہ سے یہ لوگ اپنے عادات وخصائل خیالات وجذبات
کے لحاظ سے ایک جداگانہ قوم بن گئے ہیں جو ان صدر مقامات سے ۲۰ میل
کے فاصلہ پر قصبات اور دیہات میں رہنے والوں سے بالکل مختلف ہیں۔ دنیا
کے پردے پر تبدیلی سے خوف زدہ ہونے والی ہندوستانی جیسی کوئی اور قوم
نہیں ہے۔ انگریزی قانون کا اثر اس قدر کم ہے کہ وہ اب تک ہمارے خاص خاص
مقبوضات کی چہار دیواری سے آگے نہیں پہنچا ہے اس سے ہم اندازہ لگا سکتے
ہیں کہ ہندوستانی رعایا کو مہذب بنانے کی کوششوں کو پورے طور سے بارآور
ہونے میں کس قدر مدت درکار ہوگی جن باتوں کو ہم تہذیب کی برکات تصور کرتے
ہیں انھیں وہ لوگ جنھیں ہم ان کے اختیار کرنے پر آمادہ کرنا چاہتے ہیں جدت اور
تغیر اور اپنی پرانی عادتوں اور اپنے اسلاف کے مذہب پر ایک قسم کا حملہ
تصور کرتے ہیں۔

ہمارے صدر مقامات اور وہاں کے مضافاتی اضلاع میں صرف اسقدر فرق ہے کہ صدر مقامات عرصہ
سے ہمارے قبضہ میں ہیں اور وہ اضلاع ابھی حال ہی میں ہم کو ملے ہیں جہاں تک کہ ہماری
حکومت کے اصولوں۔ ہمارے کیرکٹر اور ہمارے اداروں کے علم کا تعلق ہے
ہمارے مختلف صوبوں کا مقابلہ جن پر کہ ہماری وسیع سلطنت مشتمل ہے بجا طور پر

۱؎ بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ کے پجاری ہیں کہ جان و مال کی حفاظت کی جائے اور اس
اصول پر انگریزی قانون مبنی ہے لیکن انگریزی قانون کی کارروائی باضابطہ اس اصول
کا لازمی جزو نہیں ہے اور بجز انگلستان کے جہاں پر کہ اتفاقیہ یا خاص واقعات کے باعث اس
ضابطہ کو ترقی ہوئی ہے یہ ضابطہ بڑی خرابی اور پریشانیوں کا موجب ہے اور انگریزی قانون
ہندوستان میں تو اہل ہند کے سب سے قدیم رسم ورواج کے منافی ثابت ہوگا۔

باب ۱۱ ایک ایسے خاندان سے کیا جا سکتا ہے جس میں سمجھدار بچوں سے لیکر شیرخوار بچے تک موجود ہوں۔ دیرینہ واقفیت کے باعث جن امور کا ایک کو علم ہے وہی دوسرے کے لئے پریشان کن ہیں۔ جس غذا سے کہ جوان العمر کی نشو ونما ہوتی ہے وہی غذا ایک بچہ کے لئے سم قاتل ہو سکتی ہے ان واقعات کو پیش نظر رکھ کر ہمیں نہایت احتیاط کے ساتھ گامزن ہونا چاہئے ورنہ ہم ایسی مشکلات میں پھنس کر رہ جائیں گے جن سے عہدہ برا ہونا سخت ممکن نہ ہوگا ایک غیر محدود اختیارات رکھنے والی (۲۱۰۰) حکومت نہایت محفوظ طور پر تجربات کر سکتی ہے وہ ایسے حق کو واپس لے سکتی ہے (جس سے کسی فائدہ کی امید نہ ہو وہ آج اُن حقوق کو منسوخ کر سکتی ہے جو اُس نے کل ہی عطا کئے تھے لیکن ہندوستان میں انگریزی حکومت کی یہ حالت نہیں ہے کیونکہ رعایا کے حقوق سے جن نوازشات اور مراعات کا تعلق ہے وہ ہرگز واپس نہیں لی جا سکتی ہیں کیونکہ ایسا فعل حقیقی یا ظاہری طور پر دستور انگلستان کی آزادانہ اسپرٹ کے منافی ہوگا۔ علاوہ بریں ان کی واپسی سے حکومت پر اہل ہند کے اعتماد میں کمی آ جانے کا اندیشہ ہے جس پر کہ آئندہ کی مستقل ترقی کی جملہ توقعات مبنی ہیں اس لئے اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ ایسی تدابیر اختیار نہ کی جائیں جن سے اس قسم کے حقوق پیدا ہوتے ہوں تاوقتیکہ ہم کو یقین کامل نہ ہو جائے کہ ہم ان تدابیر کو مستقل طور پر برقرار رکھ سکیں گے اور ان سے ہماری ہندوستانی رعایا کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچے گا اور ہماری سلطنت کو اس سے عام طور پر فائدہ حاصل ہوگا۔

ہندوستان میں رہنے والے انگریزوں کے متعلق سب سے اول یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کو ہندوستان میں آباد ہونے کی اجازت دینا کس حد تک محفوظ اور قرین دانشمندی ہے اور زرعی وتجارتی ترقیات کی شاہراہ ان کے واسطے کس حد تک کھولنی چاہئے اس مسئلہ کا یہ جز نہایت اہم ہے کیونکہ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ بڑے پیمانے پر نوآبادی صرف اسی صورت میں قائم ہو سکتی ہے کہ جو لوگ آباد ہوں وہ صاحب جائداد ہوں ان کے پاس اراضی ہو اور اس کی پیداوار کے وہ مالک ہوں۔ ہندوستان میں انگریزوں کو زراعت کرنے کی اجازت دینے کو خطرناک اور خلاف مصلحت بنانے کے لئے جو دلائل کہ پیش کئے جاتے ہیں

ان کا زیادہ تر موجب ہمارے مشرقی مقبوضات کی خاص نوعیت ہے (جس کو باب ۱۱ (۲۵۱)
بار بار دہرانے کی ضرورت نہیں) ہندوستان کو نوآبادی نہ شمار کرنا چاہیئے بلکہ
وہ ہماری ماتحت سلطنت ہے جس کو ہم نے وہ جملہ حقوق دینے کا وعدہ کیا ہے
جو بادشاہ اپنی رعایا کو دیا کرتے ہیں کہ اس کی املاک۔ قوانین۔ رسم ورواج اور
مذہب برقرار رکھا جائے گا۔ ہم ایسی اصلاحات عمل میں لاسکتے ہیں جن سے ملک
کی عام مرفہ الحالی اور رعایا کی سود و بہبود کو ترقی حاصل ہو۔
(اگر ہم نے کوئی وعدہ نہ کیا ہوتا تب بھی یہ بات ہماری پالیسی کا لازمی جزو
تھی) ہم پر از روئے ایمان و انصاف اس امر کی پابندی عائد ہے کہ اپنی ترقی کیلئے
کوئی ایسی تدبیر ہرگز اختیار نہ کریں جس سے رعایا کے حقوق میں مداخلت ہو یا جن سے
اُن کے تعصبات برانگیختہ ہوں یا جو اُن کے قدیمانہ خصائل اور جذبات کے
منافی ہوں۔

جو شخص بھی کہ یہاں کی زمینداری کی نوعیت اور رعایا کی حالت سے
واقف ہے اس کو اس میں شبہہ کرنے کی گنجائش نہیں ہوسکتی کہ اس ملک میں
کسی بڑے پیمانے پر انگریزوں کی نوآبادی قائم کرنے کا مرتومۂ بالا نتیجہ برآمد ہوگا۔
ہندوستان کی مزروعہ اراضی کے ہر ایک کھیت میں لوگوں کو مختلف قسم کے
جس قدر حقوق حاصل ہیں وہ خاص طور پر معلوم کرلئے گئے ہیں اور جن اصحاب نے
اس مسئلہ کا پورے طور پر مطالعہ کیا ہے وہ اس بات کو تسلیم کریں گے کہ ہمارے
اکثر صوبوں میں انگریزوں کو زمینداری خریدنے کی مطلق گنجائش نہیں ہے البتہ
وہ ایسے مقامات پر اراضی خرید سکتے ہیں جہاں پر کہ ہمارے قوانین کی رو سے وہ
فروخت ہوسکتی ہے اور اس کے بعد وہ بڑے بڑے شہروں کے گرد و نواح میں
آباد ہوسکتے ہیں جہاں پر ارضی جائداد کی نوعیت ایک خاص حد تک چند اسباب
(۲۵۲) کی بناء پر جن کا ذکر ہوچکا ہے تبدیل ہوگئی ہے۔ ہمارے ممالک محروسہ میں بہت
سے بنجر ہیں لیکن ان کے دعویدار ہوسکتے ہیں جو اپنی ملکیت کے زبردست استحقاق
پیش کرسکتے ہیں۔ یہی حالت جنگلات کی ہے۔ جن میں مویشی چرانے وہاں سے
لکڑی اور گھاس کاٹنے کے حقوق قریبی دیہات کے باشندوں کو حاصل ہیں علاوہ ازیں

جیسا کہ بیشتر بیان کیا گیا ہے کہ ملک میں امن اور مرفہ الحالی ہو جانے پر کاشتکاروں کی آبادی بڑھ جائے گی اور پھر فکر معاش لاحق ہونے پر وہ اپنے اسلاف کے دستور اور رواج کے بموجب اُفتادہ اراضیات میں جاکر آباد ہونے پر مجبور ہوں گے اور وہاں کی پیداوار میں وہ اپنا آبائی استحقاق بتاکر حصہ پانے کے دعویدار ہوں گے ایسی افتادہ اراضیات کو آباد کرنے کے لئے حکومت جو کچھ مالی امداد دیتی ہے تو مالگزاری میں اضافہ ہونے کی شکل میں اس کو اپنا دیا ہوا روپیہ واپس مل جاتا ہے اور جب بعض افراد کو نفع رسانی کے خیال سے حکومت اپنے مالکانہ حقوق سے جزواً یا کلیتاً دست بردار ہو جاتی ہے اور جیسا کہ کسی دوسری جگہ بیان کر دیا گیا ہے ہماری رعایا میں ایسی جماعتیں موجود ہیں جو سب سے پہلے حکومت کے ان عطیات سے مستفید ہونے کے لئے اپنے حقوق مشروط النفاذ پیش کر دیتی ہیں ؎

اگر مرقومۂ بالا واقعات صحیح ہیں تو کاشتکاروں اور اُن سے اعلیٰ طبقہ والوں کے حقوق زمینداری میں بلا کسی مداخلت کے ہم صرف قلیل تعداد میں انگریزوں کو ہندوستان میں آباد ہونے کی اجازت دے سکتے ہیں۔ ہماری غرض خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو لیکن ہم ایسی تدابیر پر عمل نہیں کر سکتے ہیں جن سے ہندوستان میں آباد ہونے والے انگریزوں کو ایسی ترقی حاصل ہو جس سے کہ وہ ہماری قوم کا ایک (۲۵۳)
کار آمد اور مطمئن جز بن جائیں کیونکہ ایسی کارروائی سے ہماری ہندوستانی رعایا کو ہماری طرف سے مایوسی اور بد دلی پیدا ہوگی ؎

انگریزی کاشتکاروں کو ہندوستان میں آباد کرنا اہل ہند کے تعصبات رسم و رواج اور مذہب کے سخت خلاف ہوگا اور یہ اس قسم کا خطرہ ہوگا جو انگریزوں کے افعال سے پیدا نہ ہوگا بلکہ ہندوستانیوں کے وہم و گمان سے پیدا ہوگا کیونکہ انگریز کاشتکاروں کو آباد کرنے کی بابتہ وہ خیال قائم کریں گے کہ سوسائٹی کی موجودہ تنظیم کے خاتمہ کی یہ ابتدا ہے وہ ان انگریزوں کو اپنے حقوق کا غاصب تصور کریں گے انگریزوں کے سرمایہ اور اُن کے اعلیٰ طریقۂ کاشت اور محنت سے وہ کسی قسم کا فائدہ نہیں اٹھائیں گے البتہ صرف ادنیٰ قسم کے مزدوروں

باب ۱۱ کو قدرے فائدہ پہنچ جائیگا باقی لوگ انگریز کاشت کاروں سے مقابلہ کرنے سے خائف رہیں گے کیونکہ ان کو وہ حکومت کی محبوب جماعت تصور کریں گے اور اپنے دل میں اُن سے بغض وکینہ رکھیں گے جن کا اظہار خواہ کسی صورت میں بھی ہو بہرحال مفاد عامہ کے حق میں سخت مضرت رساں ثابت ہوگا۔

انگریز کاشتکاروں کی دماغی اور جسمانی حالت چند پشت کے بعد رو بہ تنزل ہو جائیگی اور اس تنزل کو روکنے کے لئے خواہ کیسی ہی تدابیر کیوں نہ کی جائیں لیکن آب وہوا کے اثر اور جاہل و رذیل عورتوں سے تعلقات ہونے کے باعث اُن کی حالت ضرور بدتر ہو جائے گی کیونکہ واقعات مجبور کریں گے کہ وہ ۲۵ ان رذیل عورتوں سے ارتباط پیدا کریں اور ان کے گرد و پیش جو جاہل اور ادنیٰ قسم کے لوگ ہوں گے ان کی خراب عادتیں اور رذیل خیالات کا ان پر ضرور اثر پڑیگا۔ اور جب کبھی بھی یہ تبدیلی واقع ہوگی تو اس کی بدولت وہ قوم بدنام ہوگی جس سے برائے نام اُن کا تعلق رہیگا اور اپنی قوم کی قوت میں کسی قسم کا اضافہ کرنے کی بجائے وہ اپنی قوم کی قوت کو کمزور بنانے کا وسیلہ ثابت ہونگے بحالت موجودہ ہم لوگ معدودے چند ہیں لیکن ہندوستان میں ہماری حکومت کا وجود صرف اس امر پر ہے کہ ہندوستانی ہمارے کیرکٹر کی فضیلت کو تسلیم اور محسوس کرتے ہیں۔ اس لئے ہم کو ہمیشہ اس کی احتیاط اور لحاظ رکھنا چاہیئے کہ ہم کوئی ایسی حرکت نہ کریں جس سے کہ اپنے حکمرانوں کے متعلق رعایا کی رائے میں فرق آجائے۔ اور جو شخص کہ اس ملک اور یہاں کے باشندوں کی حالت سے واقف ہے اُس کو اس میں شک وشبہہ نہیں ہوسکتا ہے کہ انگریزوں کے مختلف صوبوں میں چند غیر معروف انگریزوں کے خاندان آباد کر دینے سے مرتو مہ بالا نتیجہ ضرور برآمد ہوگا۔

۱ے حکومت کا کوئی ایسا قانون نہیں ہے جس نے سمجھدار ہندوستانیوں کے دل پر ہماری نیک نیتی کا اس قدر گہرا اثر ڈالا ہو جس قدر ہمارے اس قانون نے کیا ہے جس کی رو سے یورپین صاحبان کو ہندوستان میں ارضی جائداد خریدنے کی ممانعت ہے اس مسئلہ کے متعلق کرنل ٹکس

باب ۱۱ (۲۵۵)

تجارت اور صنعت و حرفت سے نفع اُٹھانے کے واسطے بہت سے انگریز ہندوستان میں آئے ہیں اور جو تبدیلیاں کہ واقع ہو چکی ہیں اور واقع ہو رہی ہیں ان کے باعث غالباً ان انگریزوں کی تعداد میں ابھی اور اضافہ ہوگا ہمارے تاجروں کے کاروبار سے ہماری سلطنت کو بہت کچھ نفع پہنچا ہے اور آئندہ بھی پہنچتا رہے گا کیونکہ انھوں نے ہندوستان میں اپنا روپیہ پھیلا دیا ہے صنعت و حرفت کی ترغیب و تحریص کی ہے اور ملک کی عام مرفہ الحالی کو ترقی دی ہے اور اپنے وسائل آمدنی کو بڑھا کر حکومت کی قوت کو امداد پہنچائی ہے۔ انگریز دستکار بھی ایک مختصر سے حلقے میں نہایت کارآمد ثابت ہوئے ہیں اور اہل ہند کے حقوق میں کسی قسم کی دست اندازی نہ کرنے کے باعث اُن کا کسی عنوان سے بھی ہندوستانیوں کے ساتھ تصادم نہیں ہوا بلکہ اس کے برعکس وہ اہل ہند کے محسن ثابت ہوئے ہیں کیونکہ انھوں نے اہل ہند کے روبرو اپنی مثال پیش کر کے ان کو بتا دیا ہے کہ تجارت کے وہ اعلیٰ اصول کیا ہیں جن پر عمل کرنے سے افراد اور قومیں کثیر دولت پیدا کر لیتی ہیں انھوں نے اہل ہند کو زندگی کے کارآمد اور زریں اصول سکھائے ہیں اور ان ہی اصحاب سے ہم کو یہ توقع ہے کہ اہل ہند کے روبرو یہی حضرات شائستہ اور مہذب سوسائٹی کی ہر طرح کی ترقی کی مثال پیش کریں گے گورنمنٹ کے سول اور فوجی افسران اپنے عہدے کے لحاظ سے رعایا سے الگ تھلگ رہتے ہیں اور رعایا ان کی تقلید نہیں کر سکتی ہے لیکن انگریز سوداگروں جن سے وہ بیوپار کرتے ہیں اور انگریز دستکار جن کے پیچھے وہ کام کرتے ہیں یا جن سے ان کا مقابلہ ہوتا ہے ان سب سے ان کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ سے نے اپنے مراسلہ میں تحریر کیا ہے کہ اگرچہ نپولین بوناپارٹ انگریزوں کے کسی فعل کی تعریف کرنے میں بڑا محتاط تھا لیکن اس قانون کی بابت اس نے کہا کہ میں نے تو کبھی اس قسم کے قانون کا تذکرہ سنا نہیں کرنل کی بات کا یقین کرنے میں تامل کیا لیکن جب کرنل نے اُسے یقین دلایا کہ یہ قانون نہ صرف نافذ ہے بلکہ اس پر بڑی سختی کے ساتھ عملدرآمد ہوتا ہے تو یہ سن کر نپولین نے بے ساختہ ہمارے اس قانون کی تعریف کی اور داد دی ؏

باب ۱۱

بہت قریبی تعلقات ہوتے ہیں اور اگرچہ رات دن کے خصائل و عادات مختلف ہوتے ہیں لیکن بہت سے ہندوستانی غیر محسوس طریقہ میں اُن رسم رواج کے مقلد بنجاتے ہیں جو کچھ عرصہ گذرنے پر اپنے یہاں کے رسم و رواج سے ان کو بہتر اور افضل معلوم ہونے لگتے ہیں (۲۵۶)

ان وجوہ سے ہماری قوم کے تاجروں اور صناعوں کو بڑی اہمیت حاصل ہوگئی ہے اور ان کی تعداد میں اضافہ ہونے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے بشرطیکہ ان شرائط اور قواعد کی نہایت سختی کے ساتھ پابندی کی جائے جو اُن کے واسطے مقرر کئے گئے ہیں انگریزی حکومت ہندوستان میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے ان قیود میں کمی نہیں کرسکتی ہے۔ اس کے بعض اختیارات بالخصوص رعایا برطانیہ کو ہندوستان سے جلاوطن کر کے انگلستان کو بھیجدینے کا اختیار ہمارے آزادانہ دستور کے ہر ایک اصول اور انگریزوں کے جذبات کے بالکل منافی ہے لیکن ہماری سلطنت ہند کے دستورالعمل کے خلاف نہیں ہے اور یہ اختیار اُن شرائط کے عین مطابق ہے جو انگریزوں کو یہاں آنے اور پھر مختلف پیشے اختیار کرنے کی اجازت دینے سے بیشتر کرلی جاتی ہیں لیکن انگریزی سوسائٹی کی نوعیت سے ہم سمجھتے ہیں کہ جب کبھی کوئی کیسی ہی ضروری خود مختارانہ کارروائی کی جائے گی تو حکومت اور ہندوستان کے صدر مقامات کی رعایا کے اس طبقہ سے ضرور جھگڑا پیدا ہوگا اور اس صورت میں انگلستان میں اس طبقہ کے ساتھ ہمدردی کی جائے گی اور اس وقت حکومت ہند کو کمزور اور ذلیل کرنے کے لئے جو کوششیں ہوں گی ان کا مقابلہ کرنے کے لئے انگلستان اور ہندوستان کے حکام کو بڑے استقلال اور دانائی سے کام لینے کی ضرورت ہوگی؛

ان تاجروں اور صناعوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے جن کو صوبجات سے کچھ فاصلہ پر سکونت اختیار کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ ان میں بعض لوگ (۲۵۷)

لہ تاوقتیکہ چیف سکرٹری کا دستخطی سارٹیفکٹ حاصل نہ کرلیا جائے کسی برطانی رعایا کو پریسیڈنسی سے ۱۰ میل سے زیادہ فاصلہ پر رہنے کی اجازت نہیں۔ اس سارٹیفکٹ میں جائے سکونت اور قیام کی مدت درج کردی جاتی تھی (بحوالہ دفعہ ۱۰۸- باب ۱۵۵ جارج سوم قانون ۱۵۳)

توسول اور فوجی مقامات پر رہتے ہیں اور چند انگریزوں نے اپنے کارخانے[1] قائم کر لئے ہیں اور وہ ایسے صوبوں میں رہتے ہیں جو بہت مدت سے ہمارے زیر حکومت ہیں۔ ان لوگوں کی تعداد بہت کم ہے اور بہت سے وجوہ سے ان کی تعداد میں اضافہ کرنا نامناسب ہے۔ لیکن اگر ہم ان کی تعداد میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں تو ہم کو اس قانون میں ترمیم کر دینی چاہیئے جو ان کے واسطے مدون کیا گیا ہے۔ بجز سنگین جرائم کے ان کے معاملات مقامی عدالتوں میں پیش ہونے چاہئیں اور جج صاحبان اور مجسٹریٹوں کے اختیارات میں اس قدر اضافہ کر دینا چاہیئے کہ وہ اپنے ضلع[2] کے یورپینوں کی زیادتیوں کا انسداد کر سکیں ان کے حکم کا مرافعہ ہو سکتا ہے لیکن اس قاعدہ کو اس طرح مکمل کر دینا چاہیئے جس سے کہ ہندوستانیوں کے ساتھ ناانصافی نہ ہونے پائے چونکہ آج کل اگر کوئی ہندوستانی کسی انگریز تاجر یا دستکار پر دعوے کرتا ہے تو اس کے مقدمے میں انصاف سے کام نہیں لیا جاتا ہے۔ (۲۵۸)

جو یورپین کہ سرکاری ملازمت میں نہیں ہیں ان کو صرف ایسے شہروں میں سکونت کرنے کی اجازت دینی چاہیئے جو ہمارے قبضے میں عرصہ دراز سے ہیں اور جو ہماری حکومت سے آگاہ ہیں اور اگر اس سے خراب نتائج برآمد نہ ہوں تو پھر اس کو رفتہ رفتہ وسعت دیدینی چاہیئے۔ ہم اپنے قدیم اور جدید مقبوضات کی حالت کا فرق بیان کر چکے ہیں کہ مثلاً جدید مقبوضات کی رعایا اپنی جہالت کے باعث ہر ایک

۱؎ یہ کارخانے عموماً نیل اور شکر سازی کے ہیں۔

۲؎ جملہ یورپین بجز برطانوی رعایا کے پراونشیل فوجداری عدالتوں میں پیش ہو سکتے ہیں لیکن برطانوی رعایا پر فوجداری کا مقدمہ صرف پریسیڈنسی کی شاہی عدالت میں چل سکتا ہے اور اس کو ۵۰۰ روپیہ جرمانہ اور عدم ادائی کی صورت میں ۲ ماہ کی سزا دینے کا اختیار حاصل ہے اس سے زیادہ سزا دینے کے لئے اسے پیشتر سے منظوری حاصل کرنا ہوگی لیکن یہ کاروائی ان ہندوستانیوں کے حق میں بڑی سختی ہے جو ان کے خلاف استغاثہ دائر کرنا چاہتے ہیں لیکن مصارف اور طویل فاصلہ کے باعث استغاثہ نہیں دائر کر سکتے ہیں (جلد دوم)

باب ۱۱

یورپین کو حکومت کا آدمی تصور کرتی ہے۔ ہماری سوسائٹی کے فرق سمجھنے کے واسطے ابھی انھیں مدت مدید درکار ہوگی اور جب تک کہ اُن کو اس قسم کی معلومات حاصل ہوں اُن کے امن وسکون اور ہمارے طرزِ حکومت پر ہندوستان میں آنے والے ہر ایک انگریز کے افعال و اقوال کا اس درجہ اثر پڑے گا جس کا ہم بمشکل اندازہ کر سکتے ہیں۔ یہ توہمات اور اندیشے مزید واقفیت حاصل ہونے پر مناسب وقت پر خود بخود رفع ہو جائیں گے لیکن جب تک یہ بدگمانیاں دور نہ ہو جائیں اور ہماری عادات واطوار اور ہمارے عمدہ طرزِ حکومت سے وہ واقف نہ ہو جائیں اس وقت تک بجز فوجی اور سول ملازموں کے جن پر سخت قیود اور پابندیاں عائد ہیں کسی اور یوروپین کو ہندوستان میں رہنے کی اجازت دینا نہایت مخدوش ثابت ہوگا۔

(۲۷۹) اگرچہ ایک زمانہ میں کمپنی کی حکومت اپنے رعایتی تجارتی حقوق کے تحفظ کے باعث یورپینوں کے ہندوستان میں آنے کی سخت مخالف تھی لیکن آجکل مجلس نظما پر یہ الزام لگانا بالکل پوچ اور لچر ہے کہ اُس نے اپنی تنگ خیالی سے انگریزوں کو ہندوستان میں سکونت اختیار کرنے کی ممانعت کر دی ہے۔ اور قیود عاید کر دیئے ہیں۔ برخلاف اس کے جس حد تک کہ یہاں آباد ہونے والوں کی حفاظت ہندوستانی رعایا کے مفاد اور سلطنت کی فلاح اور امن کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کا آباد ہونا ممکن تھا انھیں اجازت دی گئی ہے۔ جن اصولوں پر کہ کمپنی کی حکومت نے عمل کیا وہ سلطنت کی حفاظت اور رعایا کی فلاح کے لئے ضروری تھے کیونکہ بہت سے حضرات اپنی تنگ خیالی کے باعث اہل ہند کے متعلق نہایت غلط رائیں قائم کر لیتے تھے لیکن ان غلط رایوں کی بنا پر جو شور وغوغا مچایا جاتا ہے اس سے متاثر ہو کر ہرگز اُس احتیاط سے چشم پوشی نہ کرنی چاہیئے جو اس وقت تک ہماری رہبر اور محافظ رہی ہے خیالی پلاؤ پکانے والے حضرات جن مراعات کے متوقع ہیں وہ یقیناً موہوم ثابت ہوں گی یہ حرکات ہندوستان میں رہنے والے انگریزوں کے مابین افتراق پیدا کر دیں گی اور اگر ہم ان سے مرعوب ہو گئے تو ہم اپنے ملک کو کسی قسم کا نفع پہنچائے بغیر جس سے کہ ایسی تدبیر کے خراب نتائج کی کچھ تلافی ہو سکے

(۲۶۰) اپنی ہندوستانی رعایا کو ناقابل تلافی نقصانات پہنچائیں گے

اینگلو انڈین صاحبان

یورپین صاحبان کے جو بچے ہندوستانی بیویوں سے ہوتے ہیں وہ دوغلے یا اینگلو انڈین کہلاتے ہیں۔ اگرچہ وہ انگریزی جماعت کا جز نہیں ہوتے لیکن اُن سے بہت کچھ مشابہ ہوتے ہیں صلبی تعلقات کے علاوہ ان کی زبان تعلیم، عادات وخصائل اور مذہب کی یکسانیت ایسے تعلقات ہیں جن کے باعث ان کا خاص تعلق انگریزوں سے رہنا چاہئے لیکن رنگ اور حیثیت کا فرق بہت سے اینگلو انڈین صاحبان کو انگریزوں کی جماعت سے بالکل علیحدہ کر دیتا ہے اور چونکہ وہ ہماری ہندوستانی رعایا سے مابہ الامتیاز ہیں اس لئے اُن کی خود ایک علیحدہ جماعت بن گئی ہے۔ سلطنت ہند اور سلطنت انگلستان نے گذشتہ چند سال سے اس فرقہ کی جانب خاص طور پر توجہ کی ہے اور ایسی تدابیر اختیار کرنے کی فکر دامن گیر ہے جن سے کہ ان کی مذبذب حالت کو ترقی دے کر اس فرقہ کو معزز اور کار آمد بنا دیا جائے۔

اگرچہ اس جماعت کے افراد کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے لیکن ان کی حالت کو جلد درست کرنے میں بہت سے موانعات حائل ہیں۔ ان میں زیادہ تر ولد الحرام ہیں اور ان کے پاس معقول جائداد بھی نہیں اس لئے وہ اپنی اولاد کی بمشکل پرورش کر سکتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ اولاد کی جلد شادی بھی نہیں کر سکتے ہیں۔

(۲۶۱) شاذ و نادر ہی کسی اینگلو انڈین کی شادی یورپین لیڈی سے ہوتی ہے اور چونکہ وہ اپنی جماعت میں یا ہندوستانی عورتوں سے شادی کرتے ہیں اس لئے اُن کی اولاد ان سے بھی زیادہ سیاہ فام ہوتی ہے اور اگر والدین غریب ہوتے ہیں تو پھر ادنیٰ درجہ کے دیسی عیسائیوں کی لڑکیوں سے شادی ہو جاتی ہے جس کا

لہ رعایا کے اس فرقہ کی صحیح مردم شماری نہیں کی گئی ہے۔
لہ یہ لوگ پرتگالیوں اور نو عیسائیوں کی اولاد ہیں۔

باب ۱۱

یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ دوسری نسل میں یورپین نسل کی جملہ جسمانی علامات زائل ہوجاتے ہیں لیکن اس کے برعکس اس فرقہ کی عورتیں یورپین اصحاب سے شادی کرلیتی ہیں ان کے بچے صاف رنگ کے ہوتے ہیں اور چونکہ ان کا تعلق دوسری سوسائٹی سے ہوتا ہے اس لئے دو ایک پشت کے بعد وہ اپنی ننہال والوں سے بالکل علیحدہ ہوجاتے ہیں۔

سعد و دے چند اینگلو انڈین صاحبان نے فوجی کارنامے دکھلانے کی بدولت کچھ شہرت اور دولت حاصل کی ہے باقی زیادہ تر یہ حضرات صوبجات کے مستقر اور خاص خاص فوجی اور سول مقامات پر رہتے ہیں اور عام طور پہ یہ لوگ سرکاری دفاتر اور یورپین سوداگروں کے یہاں کلرک اور محاسب ہیں یہ لوگ عموماً انگریزی اور اس صوبہ کی مقامی زبان بولتے ہیں جس میں کہ وہ پیدا ہوئے ہیں۔ چند اصحاب کے علاوہ ان کا کوئی سیاسی اثر ہندوستانیوں پر نہیں ہے اور نہ اس قسم کا اثر پیدا کرنے کی انھوں نے کبھی کوشش کی اور اگر وہ اس کے حاصل کرنے کے درپے ہونگے تو ان کے راستہ میں سخت مشکلات حائل ہوں گی۔ (۲۶۲)

انگریزوں کی وقعت اہل ہند کی نظر میں اس وجہ سے بہت زیادہ ہے کہ وہ اپنی گورنمنٹ کے بہت وفادار ہیں۔ لیکن وہ کسی ایسے شخص کی عزت نہیں کرسکتے جو قابلیت میں تقریباً اُن کے مساوی ہے اور جس کے حقوق جداگانہ ہیں اور جو کسی ایسی معزز قوم کا فرد بھی نہیں جو ہندوستان میں شریف اور معزز سمجھی جاتی ہے۔ ان کے پسندیدہ خصائل اور قابلیت کے باعث ممکن ہے کہ ان کے تعلقات ہندوستانیوں کے ساتھ ہو جائیں لیکن ہمارے تصور میں کوئی ایسا زمانہ نہیں آتا ہے جب اینگلو انڈین اصحاب کی جماعت ہندو یا مسلمانوں کے ساتھ کسی قسم کے خطرناک تعلقات قائم کرلے گی۔ ان کی تعداد میں معقول بیشی ہونے کو زمانۂ دراز درکار ہے لیکن یہ لوگ عموماً تعلیم یافتہ ہیں اور اس وجہ سے اپنی تعداد کے لحاظ سے بہت زیادہ وقعت ان حضرات نے حاصل کرلی ہے۔ انگریزوں کی جماعت کے ایک حصہ سے ان کا میل جول رہتا ہے اور ان کے سیاسی تعلقات دیسی عیسائیوں سے ہوتے ہیں اور اس وجہ سے ان کو بآسانی

باب ۱۱ سیاسی اہمیت حاصل ہو سکتی ہے لیکن ہم امید کرتے ہیں کہ ہماری فیاض اور انصاف پسند حکومت تنگ خیالی سے اس اصول پر عمل نہیں کرے گی کہ حقوق ومراعات رعایا کی اسی جماعت ہی کو عطا کی جائیں جن میں ان کے حاصل کرنے کی قوت موجود ہو اور نہ محض اس وجہ سے ان کو مناسب حقوق سے محروم کرے گی کہ ان کے مطالبہ کا لہجہ زیادہ خوشامدانہ نہیں ہے۔ حکومت کو چاہیئے کہ وہ مختلف اصولوں پر عمل کرے اور اس جماعت نیز اپنی رعایا کے ہر ایک فرقہ کو اس کی حالت کے لحاظ سے مناسب حقوق عطا کرے تاکہ رعایا کی مناسب
توقعات پوری ہو جائیں البتہ اتنا خیال ضرور رہے کہ سلطنت کا کسی قسم کا نقصان (۲۶۳)
نہ ہونے پائے ؛

اگرچہ اس جماعت کی طرف سے لاپروائی کی جاتی ہے لیکن اس نے زندگی کے ہر ایک شعبہ میں اپنے کو کارآمد اور معزز ثابت کر دکھایا ہے۔ اس لئے ہم ان کی مذہبی اور اخلاقی حالت درست کرتے رہیں اور ان کی تعلیم کے لئے بڑے پیمانے پر ہم درسگاہیں قائم کر دیں اور پھر ان کی قابلیت اور حالت کے اعتبار سے ہم ان کے لئے وسائل معاش پیدا کر دیں اگر ہماری یہ تجویز اصولاً تسلیم کر لی جائے تو پھر اس پر عملدرآمد ہونے میں کچھ دقت پیش نہ آئیگی کیونکہ ہندوستان کی سول اور فوجی ملازمت کے واسطے جو سخت شرائط اور قیود ہیں ان میں تبدیلی کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی اس پر عمل پیرا ہونے سے ہماری موجودہ قوت میں کچھ کمی نہ ہوگی بلکہ اپنی رعایا کے ایک اولوالعزم۔ وفاکیش اور کارآمد طبقہ کی حوصلہ افزائی کرنے سے آئندہ ہماری قوت میں مزید اضافہ ہو جائیگا اپنی جماعت اور ہندوستانیوں کی نظر میں اینگلو انڈین صاحبان کا وقار محض اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے اپنے کو یورپین جماعت سے ملا رکھا ہے۔ وہ اپنی اصلی نسل سے وابستہ رہنا چاہتے ہیں کیونکہ اس سے ان کا رتبہ بلند ہوتا ہے اور صرف اس صورت میں کہ ان کی اہانت اور ذلت کی جائے وہ انگریزوں سے علیحدہ ہو کر کارروائی کرتے ہیں اور اپنے حقوق انگریزوں سے جداگانہ اور مختلف قسم کے
تصور کرنے لگتے ہیں۔ چونکہ وہ یورپین جماعت میں اپنے کو شامل کرنا باعث فخر (۲۶۴)

سمجھتے ہیں اور ان کی عجیب و غریب حیثیت کی وجہ جو ذلت انھیں کبھی کبھی برداشت کرنی پڑتی ہے اسے وہ محسوس کرتے ہیں اور اس سے جلد متاثر بھی ہوتے ہیں اسلئے انھیں کار آمد حلیف بنانے کے ذرائع موجود ہیں ان حضرات نے اپنی حقیقی حالت کا صحیح اندازہ کرکے نہایت مناسب طرز عمل اختیار کیا ہے اس کے ساتھ ہی ہم دانشمند و فیاض حکمراں کی مانند ان کے ساتھ شفقت اور عنایت کا برتاؤ کر رہے ہیں اس جماعت کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی پالیسی میں معقول ترقی ہوگئی ہے اور ہم نے ابھی حال ہی میں ان کو اراضیات خرید نے اور جوری کا ممبر ہونے کا حق عطا کیا ہے۔ اس قسم کے حقوق دینے سے بتدریج ان کی وقعت بڑھ جائے گی (۲۶۵) اور اگر انگریزوں کی جماعت میں بھی ان کا وقار قائم رہا تو ان کی حالت درست ہو جائے گی اور پھر سلطنت کے ساتھ ان کی اطاعت کیشی اور وفاداری کو مزید ترقی اور تقویت حاصل ہوگی ؎

لہ اینگلو انڈین حضرات کو ہندوستان میں اراضیات خرید نے کا حق دینے پر نہایت زبردست اعتراضات کئے جاتے ہیں کہا جاتا ہے کہ اُن کی نوآبادی قائم کرنے کی یہ راہ نکالی گئی ہے کیونکہ فی الحقیقت یہ لوگ اراضیات کے مالک ہوگئے اگرچہ انھوں نے اپنی حرامی اولاد کے نام سے اراضی خریدی ہو اور پھر شادی بیاہ کے سلسلہ سے نوآبادی کے قائم کرنے والے یہی لوگ ہوں گے جو یورپین لوگوں کے مشابہ ہیں ان اعتراضات کا یہ جواب ہے کہ چونکہ ہم نے اس جماعت کو اُن ہی قواعد و قوانین کا پابند کیا ہے جو ہندوستانیوں کے لئے ہیں اس لئے ہم اراضیات خرید نے کے استحقاق سے ان کو محروم نہیں رکھ سکتے ہیں کیونکہ انھوں نے اپنی محنت و مشقت سے روپیہ پیدا کیا ہے اور اب اس روپے سے وہ اراضیات خرید نے کے خواہاں ہیں۔ اس حق کے عطا کرنے میں خود حکومت کا بھی فائدہ ہے۔ چونکہ یہ جماعت گورنمنٹ کی بیحد وفادار ہے اگرچہ ان کی مادری زبان۔ طرز معاشرت اور مذہب اپنے یورپین اجداد جیسا ہے لیکن اپنے رنگ اور بعض خصائل کے باعث چونکہ وہ سول اور فوجی ملازمت سے محروم رہتے ہیں اس لئے ایلِ ہند ان کے متعلق اس قدر خائف نہیں ہو سکتے جس قدر کہ وہ یورپین نوآبادکاروں سے ہو سکتے ہیں اور

باب ۱۱

ہندوستان میں مذہب عیسوی کی اشاعت و تبلیغ

ہماری مملکت ہند میں مذہب عیسوی کی اشاعت و تبلیغ کی پالسی کو برقرار رکھنے کے مسئلے کا نہایت قریبی تعلق یورپین نوآبادی قائم کرلنے اور یورپین اصحاب کی اولاد کی جانب خصوصیت کے ساتھ توجہ کرلنے کے مسائل سے ہے جن پر کہ ہم گذشتہ باب میں تفصیلی بحث کرچکے ہیں۔ اگرچہ یہ حکومت کے فرائض میں سے ہے لیکن حکومت کے نام اور اس کے اقتدار کو ہرگز اس سے وابستہ نہ کرنا چاہیئے۔ بحیثیت عیسائی قوم اور فرماں روائے ہندوستان ہمارا یہ فرض منصبی ہے کہ نہایت اعلیٰ پیمانے پر ہم ہندوستان میں اپنے کلیساؤں کو قائم کریں اور اپنی عیسائی رعایا کے لئے مذہبی تعلیم کے وسائل فراہم کرنا بھی ہمارے فرائض میں داخل ہے (۲۶۶) اور دینوی معنی کے لحاظ سے بھی ان کے مذہبی معلومات اور پھر عملاً مذہبی پابندی کو ترقی دینے کی بھی اشد ضرورت ہے مذہب کے پاکیزہ احکام کی پابندی اور خاص توجہ کے ساتھ عبادت کرلنے سے ہماری رعایا کے اس طبقے کے عادات واطوار درست ہوجائیں گے۔ عوام کی نظر میں ان کی وقعت بڑھ جائے گی اور ان کی مثال ہندوستان کو عیسائی بنانے میں غالباً دیگر جملہ وسائل سے کہیں زیادہ موثر ثابت ہوگی۔

لیکن رعایا میں اپنے مذہب کی تبلیغ واشاعت کے لئے اگر ہم اس سے باہر قدم رکھنے کی اجازت دیں جو اپنے آبا واجداد کے مذاہب پر قائم ہے خواہ وہ کیسے ہی چھوٹے کیوں نہ ہوں اور اپنے مذہب کا وہ اس لئے بہت زیادہ احترام کرتی ہے کہ تمدنی اور اخلاقی فرائض کے زبردست اصول کا تعلق اُس کے مذہب سے ہے تو اس حالت میں ہم کو گذشتہ زمانے کے تجربے ۔حال

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ اس حقیقت کے باعث ہندوستان میں علم اور دیگر ترقیات بتدریج نافذ کرنے کا یہ لوگ وسیلہ بن سکتے ہیں۔

باب ۱۱

کی معلومات اور اس حزم و احتیاط سے کام لینا چاہئے جس سے سلطنت کی سلامتی بھی ہو اور رعایا ہند کو روشن خیال بنانے کے لئے ہماری توقعات بھی پوری ہو جائیں ؎

ہندوستان میں سب سے اول قیام کرنے والے یوروپین اہل پرتگال تھے ان کے اس قدر جلد تنزل کی وجہ اُن کا تعصب تھا[1] جس سے کام لیکر انھوں نے اپنا مذہب ہندوستان میں پھیلانے کی کوشش کی تھی۔ اپنی نوآبادیوں اور شہروں میں وہ دیسی عیسائیوں سے گھل مل گئے۔ اور اپنی اس حرکت سے (۲۶۷) اُنھوں نے اپنے ساتھ رہنے والے ہندوستانیوں اور دیگر رعایا کے مابین ایک حد فاصل قائم کردی اور اس وجہ سے پرتگالی مذہب کے دائرے سے باہر رہنے والے ان سے بیحد خائف ہونے لگے۔ اس طور سے حصول آزادی کے اصول پر نہیں بلکہ مذہبی اصول پر بھی ان کی قوت کو بڑھنے سے روکنے کی کوشش کی گئی۔ اہل فرانس اگرچہ پرتگالیوں جیسے متعصب اور اوہام پرست نہیں تھے لیکن اس معاملے میں انھوں نے بھی ان کی طرح احمقانہ پالیسی پر عمل کیا۔ ان کی نوآبادیوں کی رعایا اور ان کی سلطنت کے جملہ قابل بھروسہ حکام کلیتًہ عیسائی تھے۔ ڈوپلے اور لیلی کے زمانے میں جبکہ ان کے اقبال کا ستارہ اوج پر تھا ان کے متعلق یہ رائے ظاہر کی گئی تھی کہ احتیاط اور ہوشیاری سے ہندو اور مسلمانوں کے مذہبی جذبات اور تعصبات کا احترام کرنے کی بجائے انھوں نے دونوں کے نہایت مقدس رسم و رواج کی اکثر اوقات توہین اور بے حرمتی کی لیکن ہندوستان میں برطانیہ کے طرز عمل کو دیکھ کر ہر شخص صرف یہی نتیجہ نکالے گا کہ اپنی ترقی کی ہر ایک منزل میں اپنے پیشرووں کی غلطیوں سے بچنے ہی میں اُس نے اپنی کامیابی دیکھی ہے۔ ہندوستانیوں کا مذہب بدلنے کی کوشش میں حکومت اور اس کے ملازمان کسی قسم کی

---

[1] یورپ میں پرتگالیوں کی طاقت کا زوال ہندوستان میں اُن کے تنزل کا خاص سبب بن گیا لیکن اس میں شبہہ نہیں کہ اس تنزل میں تعجیل اُن کے تعصب کے باعث ہوئی ؎

باب ۱۱ ذاتی اور سرکاری امداد نہیں دیتے ہیں۔ اس طرز عمل کے اثرات کے نتائج تحسین کی نگاہ سے اس وقت تک نہیں دیکھے جائیں گے جب تک کہ وہ جادو جس کے زور سے یہ عظیم الشان سلطنت قایم ہے نہیں ٹوٹے گا۔

(۲۶۸) ہم نے عدالتی نظام ان ہی کے قوانین پر قایم کیا ہے جو اُن کے مذہبی رسم ورواج و اوہام پرستی سے متعلق ہیں گویا اس طرح ہم نے تبدیلی مذہب کے معاملہ میں حکومت کے اثر کو علحدہ رکھنے کی نہایت زبردست اور صریح ضمانت دے دی ہے۔ اگر کبھی مذہبی جوش میں آکر ہم اس شرط کی خلاف ورزی کریں گے تو عظیم الشان خطرہ پیدا ہو جائے گا جس کا نتیجہ ہماری سلطنت کے واسطے نہایت مہلک ہوگا اور پھر ایک نیک عیسائی کو یہ دیکھ کر سخت افسوس ہوگا کہ اشاعت مذہب کے لئے اس طور پر کوشش کی گئی جس کی نوعیت احکام الٰہی کے برخلاف تھی اور پھر وہ ایسے اثر کو کام میں لانے سے ہمیشہ گریز کرے گا جس کی بابتہ رعایا کو کوشش کر کے یہ یقین دلا دیا گیا ہے کہ وہ کبھی استعمال نہ ہوگا۔

ہم نے نہایت اعلیٰ اور واجب الاحترام پیمانے پر ہندوستان میں اپنے گرجے قائم کئے ہیں اور ان کی طرف ہمیں پورے طور پر توجہ رکھنی چاہئیے۔ ان گرجوں کے لئے نہایت نمایاں قابلیت اور اعلیٰ چال چلن کے پادری بھیجے جائیں اور ان پادریوں کی اس قدر تعداد ہو کہ وہ ہندوستان میں رہنے والے جملہ یوربین صاحبان کو مذہبی علم وعمل کے وسائل فراہم کر سکیں لیکن جو پادری کہ سرکاری ملازمت میں دینی خدمات پر مامور ہوں یا کالجوں میں پروفیسر ہوں انھیں کسی کا مذہب تبدیل کرنے کی ہرگز اجازت نہ دی جائے اور یہ کام

(۲۶۹) بحیثیت مبلغوں کے متعلق رہے جیسا کہ اس وقت تک ہوتا رہا ہے جن کے پسندیدہ خصائل اور مذہبی جوش اشاعت مذہب میں زیادہ کامیابی کا موجب

سلہ مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کے قوانین کلیتاً اُن کے مذہب سے تعلق رکھتے ہیں چنانچہ مسلمانوں کا قاضی اور ہندوؤں کا پنڈت ان کا مذہبی اور قانونی شارح سمجھا جاتا ہے اور یہ دونوں احکام ربانی تصور کئے جاتے ہیں۔

ہوسکتا ہے اور جن کی خوش جدوجہد بہت کم خوف واندیشہ پیدا کرے گی کیونکہ باب ۱۱
ان کا کوئی تعلق نہ سرکاری امداد اور دست گیری سے نہ ہوگا۔ ہماری سلطنت
کی توسیع کے ساتھ ساتھ بہت سے ہندوستانیوں کی یہ بدگمانی بھی بڑھتی جاتی ہے
کہ ہم اُن کے مذہب میں مداخلت کریں گے۔ مقامی حکومت چونکہ رعایا کے اس
اندیشے سے واقف ہے اس لئے ہر ایک موقع پر وہ اس کے رفع کرنے کی کوشش
کرتی ہے اور رعایا کو بجنسہ یہ یقین دلاتی رہتی ہے کہ ہم ہمیشہ اُن اصولوں کی
پابندی کریں گے جن پر اس وقت تک ہم کاربند رہے ہیں اور ہر ایک ایسی کارروائی
سے وہ ہمیشہ گریز کرتی ہے جس کے متعلق یہ شبہہ ہو سکے کہ حکومت رعایا کے
مذہب یا رسم ورواج میں مداخلت کرتی ہے یا اپنے زیردستوں کی مداخلت پر
چشم پوشی کرتی ہے"۔

(۲۷۰) فورٹ ولیم کالج کے سالانہ امتحان بابتہ سنہ ۱۹۰۴ء میں ایک سوال یہ دیا گیا
تھا کہ ایک مضمون تحریر کر کے بیان کرو کہ ہندوستانیوں اور عیسائیوں کی مذہبی
کتابوں کا دیسی زبان میں ترجمہ کرنے سے اہل ہند کو کیا کیا فوائد پہنچیں گے"۔
اس پر چند مقتدر اور تعلیم یافتہ مسلمانوں نے اس خیال سے کہ اس قسم
کی بحث سے مسلمانوں کے مذہبی احساسات کو صدمہ پہنچنے کا احتمال ہے

لہ تبدیلی مذہب کی کوشش میں امداد دینے کے ثبوت میں مشہور آفاق سوارٹز
(Swartz) کی مثال پیش کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس مشنری کو سرکاری امداد
کے ملنے سے رعایا کے اعتبار کو اور ترقی ہوئی تھی لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ اس مقدس
اور قابل شخص کا کیرکٹر غیر معمولی قسم کا تھا اور خاص قسم کے واقعات کے دوران میں اس
نے تبلیغ کا کام انجام دیا تھا اپنے ذاتی طرز عمل کی بدولت اُس کا کسان سے لیکر بادشاہ
تک پر بعید اثر تھا علاوہ بریں سوارٹز کو جس قدر امداد حکومت سے ملی تھی اُس سے کہیں
زیادہ مدد اُس نے خود حکومت کو دی تھی علاوہ بریں آجکل اور اس زمانہ کی حالت میں
بھی بے انتہا فرق ہے اور اس کو اپنی غیر معمولی قابلیت اور پاکیزہ خصائل کی بدولت
اس کام میں کامیابی حاصل ہوئی تھی لیکن اب حالات اس قدر بدل گئے ہیں کہ اگر ہم

باب ۱۱ لارڈ ویلزلی کی خدمت میں ایک عرضداشت پیش کی جس میں درج تھا کہ ہم نہایت شکر گزاری کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں کہ حکومت نے رعایا کو اپنے مذہبی فرائض انجام دینے کی پوری آزادی عطا کی ہے لیکن اس رواداری سے روگردانی کرنے کی ہم نہایت سخت مخالفت کرتے ہیں اس کے جواب میں گورنر جنرل کے نام اور دستخط سے یہ اعلان شائع ہوا کہ حکومت اپنا اولین اصول سمجھکر اس پر سختی کے ساتھ کاربند ہے کہ مسلمانوں یا ہندوؤں کے مذہبی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت نہ کی جائے اور عرضداشت پیش کرنے والوں کو ہم یقین دلاتے ہیں کہ ہماری رائے میں اس قسم کے مسائل پر بحث کرنا کالج کے قوانین کے منافی ہے جس کا تعلق مذہب سے ہو یا جس سے ہندوستان کے مذاہب کی توہین ہوتی ہو اور ہمارے نزدیک اگرچہ اس قسم کا مضمون لکھنا قابل اعتراض نہیں ہے لیکن جملہ شبہات رفع کرلنے کے لئے گورنمنٹ انتہائی درجے کی رواداری سے ہمیشہ
۲۷۱ کام لیتی ہے اس لئے جس وقت ہمیں اس واقعہ کی خبر ملی ہم نے فوراً ممانعت کردی کہ ایسے مسائل پر کالج میں ہرگز بحث نہ کی جائے گورنر جنرل کے اس اعلان کی متعدد کاپیاں ہر ایک بڑے شہر اور ہندوستان کی دوسری حکومتوں کے درباروں کو بھیجدی گئیں ؛

مذکورۂ بالا واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک معمولی واقعہ سے بھی جس کا ہماری ہندوستانی رعایا کے مذہب سے تعلق ہو کس قدر زیادہ خوف پیدا ہوجاتا ہے اور ہماری ہوشیار اور دانشمند حکومت نے اس معاملے میں جو ظاہری طور پر نہایت خفیف معلوم ہوتا تھا اپنے اصول اور خیالات ظاہر کرلنے کی جو کوشش کی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس قسم کے مسائل کے متعلق ذراسی غلط فہمی کے پھیلنے میں بھی وہ کس قدر خطرہ سمجھتی تھی ؛

ویلور کے غدر اور بغاوت کے اگرچہ بہت سے اسباب تھے لیکن اسکی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ - یہ بھی فرض کرلیں کہ اس قسم کی غیر معمولی قابلیت اور صفات کی ہستی دوبارہ اس میدان میں آسکتی ہے تب بھی ہم ان تبدیل شدہ حالات میں اس قسم کی کامیابی کی ہرگز توقع نہیں کرسکتے ہیں :

باب ۱۱

خاص وجہ یہ ہوئی کہ غیر مطمئن اور چالاک اشخاص نے جاہل سپاہیوں کو یہ باور کرادیا تھا کہ حکومت تمہارا مذہب بدلنے کی فکر میں لگی ہوئی ہے جن دلائل پر اُن کا یہ الزام مبنی تھا وہ بالکل لغو اور فرضی تھے لیکن وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ صرف ایسی بات کا سپاہیوں کے دل پر اس قدر زبردست اثر پڑ سکتا ہے کہ وہ متفق ہو کر اپنے افسران کو مار ڈالیں گے جنکے وہ ماتحت ہیں اور حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیں گے جن کے وہ ملازم ہیں۔

جس خیال سے انھوں نے یہ خوفناک حرکتیں کیں وہ دیگر مقامات ۲۷۲ پر بھی پہنچ گیا لیکن اس کی مزید توسیع کو حکومت کی دانشمندانہ کارروائیوں نے روک دیا اور ایک عام اعلان شائع کر دیا گیا جس میں نہایت واضح طور پر ان تمام باتوں کی تردید کی گئی جو بد اشخاص نے حکومت پر محمول کی تھیں اور اس بات کا اظہار کیا گیا کہ ہندوستانیوں کے مذہب اور رسم و رواج میں دست اندازی کرنے کا قطعی کوئی خیال نہیں ہے۔

۱۸۰۶ء

اے گورنر جنرل باجلاس کونسل نے مجلس رازداری کے نام اپنے مراسلہ مورخہ ۔ دسمبر میں یہ تحریر کیا تھا کہ ویلور کی بغاوت اور اُس کے مابعد واقعات کا جو عملی اثر ہوا ہے اُس سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی ہے اگرچہ مسٹر بکانن (Mr. Bucchanan) نے ساحل کے باشندوں سے مراسلت کرنے کے بعد یہ رائے قائم کی ہے کہ بغاوت ویلور کا کوئی بالواسطہ یا بلاواسطہ اور کسی نہج سے بھی خفیف سا تعلق بھی مذہب عیسوی سے نہیں تھا لیکن اس افسوسناک واقعہ کے متعلق گورنمنٹ کو جو مستند شہادت اور معلومات حاصل ہوئی ہے اس کی بنا پر ہم نے اس کے خلاف رائے قائم کی ہے اور ہم کو بخوبی معلوم ہو گیا کہ ویلور کے سپاہی جو اس طرح ورغلا کر قتل و غارتگری پر آمادہ کئے گئے تھے اور جنھوں نے بعد میں سرکشی کی ان میں سے اکثر کے یہی ذہن نشین کرایا گیا تھا کہ حکومت ایک ایسی تدبیر میں مصروف ہے جس سے کہ اہل ہند عیسائی بنائے جائیں گے اور اس خوفناک مصیبت کا سب سے بڑا سبب یہی تھا۔

گورنمنٹ کی اس رائے سے وہ سب لوگ متفق تھے جنھوں نے اپنے فرض منصبی

باب ۱۱ (سنہ ۱۸۵۷ء)

سنہ ۱۸۰۷ء

مجلس نظما نے اس کارروائی کی سماعت کرکے اپنے مراسلہ مورخہ ۲۹ مئی کے ایک فقرہ میں یہ تحریر کیا کہ "ہندوستان کے نظم ونسق کی بابت ہمارا شروع سے یہ مسلمہ اصول ہے کہ وہاں کے مختلف مذاہب کو ہم نے کامل آزادی عطا کی ہے اور ہم اس بات کے ضامن ہیں کہ ہر ایک مذہب کے پیرو اپنے مذہبی خیالات اور عبادات کو پوری آزادی اور اطمینان کے ساتھ ادا کریں اور نہ تو ہم کبھی اس میں مداخلت کرینگے اور نہ کسی دوسرے کو اجازت دیں گے کہ وہ کسی مذہب کی کسی عنوان سے بھی توہین کرے"۔

"ہم نے جب عیسائی مبلغین کو وقتاً فوقتاً ہندوستان میں اپنے مذہب کی تبلیغ واشاعت کے واسطے یہاں آنے کی اجازت دی اس وقت یہ بات ہمارے وہم وگمان ہی میں نہ تھی کہ اُن کی تبلیغی کوشش میں ہم کسی قسم کی سرکاری امداد دیں گے یا اپنا اثر استعمال کریں گے کیونکہ ہم کو اس کا یقین کامل تھا کہ ہمارے مذہب کے اصولوں کو تسلیم کرلینے اور ہمارے مبلغین کی پاکیزہ مثال ہی سے رفتہ رفتہ تبدیلی مذہب میں حقیقی کامیابی حاصل ہوگی اور یہ کہ کسی نامناسب اثر یا سرکاری اعانت سے ہرگز کام نہ چلے گا اور نہ ان معاملات میں اس قسم کے اثرات کا دخل ہونا چاہیے"۔

اسی زمانے میں لارڈ منٹو گورنر جنرل کو عیسائی مبلغین کے عام وعظوں اور چند مطبوعات کی طرف توجہ دلائی گئی جو بنگالی زبان میں سیرام پور پریس سے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ کے لحاظ سے اس حادثے کے اسباب کے متعلق تحقیقات کی تھی۔ جن لوگوں نے سپاہیوں کو غدر کرنے اور اپنے افسران کو قتل کرنے پر آمادہ کیا ان کے ہاتھ ان اسباب کے علاوہ جن کی وجہ سے یہ حادثہ رونما ہوا اور کوئی دلائل ایسے نہیں آسکتے تھے جو ان وفادار آدمیوں کو اس قسم کے مظالم پر آمادہ کرنے کے محرک بن سکتے لیکن سپاہیوں کو بہکانے میں اس وجہ سے کامیابی حاصل ہوگئی کہ اُن کو سمجھایا گیا کہ تمہارا مذہب خطرہ میں ہے اور اسکے ثبوت میں یہ دلیل پیش کی گئی کہ قومیت کی علامتیں دور کردی گئی ہیں لباس میں ترمیم ہوگئی ہے اور اپنے غلط الزامات کے ثبوت میں انھوں نے اسی طرح کی شہادتیں پیش کردیں اور اس کی اشاعت دیگر مقامات کی ساری فوج میں مستعمل ہوگئی"۔

باب ۱۱ (۲۷۴)

شائع ہوئی تھیں کہ ان مطبوعات کے مضامین[1] اہل ہند کے مذہبی احساسات کو سخت تکلیف پہنچانے والے ہیں ؛

اعلیٰ حکومت نے اس کارروائی کو ملاحظہ فرماکر یہ حکم دیا کہ مطبع سیرام پور سے کلکتہ کو منتقل کر دیا جائے۔ یہ مطبع اگرچہ اہل ڈنمارک کی نو آبادی میں قائم ہوا تھا لیکن عیسائی مبلغین اور وہاں کا گورنر فی الحقیقت اس کو انگریزی دل کے ماتحت سمجھتے تھے لیکن پادری مسٹر کارے کے عاجزانہ معروضہ پر مطبع منتقل کئے جانے کا حکم منسوخ ہو گیا کیونکہ پادری موصوف اور دیگر عیسائی مبلغین نے یہ وعدہ کرلیا کہ ممالک محروسہ برطانیہ میں اشاعت کے واسطے اس مطبع میں جو کتابیں چھاپی جائینگی وہ اشاعت سے پیشتر سرکاری حکام کے معائنہ کے واسطے ارسال کی جائیں گی ؛

(۲۷۵) گورنر جنرل باجلاس کونسل نے مجلس نظماء کی رازدار کمیٹی کی خدمت میں اس کارروائی کو بھیجدیا اور سیرام پور کے عیسائی مبلغین کی عرضداشت کا حوالہ دے کر اپنی یہ رائے ظاہر کی کہ اس عرضداشت کے معتدل اور مودبانہ لہجہ کو ہم نہایت مسرت کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں اور مذہب عیسوی کے مقدس مسائل کی اشاعت و تبلیغ کی بابتہ عیسائی مبلغین کی سرگرمی۔ نیت اور مقاصد کے متعلق ان کے بیان کی صداقت

---

[1] عیسائی مبلغین نے یہ بیان دیا تھا کہ ایک بنگالی رسالہ کو فارسی میں ترجمہ کرنے پر ایک نو عیسائی مامور کیا گیا تھا اس نے مذہبی جوش میں آکر قابل اعتراض جملے اپنی طرف سے بڑھا دیئے تھے اور ترجمہ بلا معائنہ کے شائع ہو گیا ؛

[2] پروٹسٹنٹ مبلغین کی سہولت کے واسطے سیرام پور میں مطبع قائم کیا گیا تھا۔ اس چھوٹے سے قصبہ میں مطبع کو کچھ کام نہ ملتا البتہ بقول گورنر یہ مطبع اس لئے کارآمد تھا کہ اس میں سرکاری اور پرائیویٹ اشتہارات چھاپ دئے جاتے تھے اُس کی جملہ مطبوعہ کتابیں انگریزی ممالک میں تقسیم کرنے کے واسطے ہوتی تھیں۔ مقدس اور واجب الاحترام مبلغین انگریزی رعایا تھے اس سوسائٹی کا خاص ممبر مسٹر کرے فورٹ ولیم کالج میں سنسکرت اور بنگالی کا پروفیسر تھا اور اس مطبع کو کالج سے بہت کچھ مالی امداد ملتی تھی۔

[3] بحوالہ مراسلہ لارڈ منٹو مورخہ ۲ نومبر ۱۸۰۷ء۔

باب ۱۱ کو مانتے ہیں لیکن امن عامہ کا محافظ ہونے کا فرض منصبی اور مذہب عیسوی کے برکات کی اشاعت کی فکر ہم کو یہ رائے ظاہر کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ اس قابل ستایش مذہبی سرگرمی کے اثرات کو انہی حدود کے اندر رکھنا چاہیئے اور اگر اس حد سے باہر قدم رکھا جائے گا تو پھر اس کی بابتہ ہماری قطعی رائے یہ ہے کہ اس حرکت سے نہ صرف امن عامہ میں رخنہ اندازی ہوگی بلکہ اصل مقصد کو بھی کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا اور یہ امر نہ صرف ہمارے سیاسی مفاد کے خلاف ہے بلکہ ہماری رعایا کے اس اعتماد اور عقیدہ کے بھی خلاف ہوگا جو اس کو ہماری بابتہ ہے کہ اپنے ممالک محروسہ میں ہم اپنی رعایا کے ہر ایک مذہبی فرقہ کے ساتھ پوری رواداری کا برتاؤ کرتے ہیں؛

مبلغین نے اس قسم کی سالہا سال کی محنت اور کوششوں کی کامیابی اور نتائج کا ذکر کرکے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ان کی سرگرمی اور پرجوش کوشش سے وہ خطرات رونما نہیں ہوئے جن کا ہمیں اندیشہ ہے اور نہ ان کی مطبوعات جن پر ہم نے اعتراض کیا ہے اور نہ ان کے عام پند و وعظ سے کچھ خرابی پیدا ہونے کا
(۲۷۶) احتمال ہے لیکن دو زبردست واقعات جو پیش آچکے ہیں اور جو مبلغین سے نظر انداز ہوگئے ہیں وہ بدیہی طور پر ان کے نتائج باطل کردیتے ہیں؛

اس وقت ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت ادنیٰ درجہ کی تھی اس لئے اہل ہند کو عیسائی بنانے کے لئے عیسائی مبلغین جو جد وجہد کر رہے تھے اس کے یہ معنی نہیں سمجھے جاسکتے تھے کہ انگریزی حکومت اپنی قوت کا اس طرح پر مظاہرہ کر رہی ہے یا ہندوستانکے موجودہ مذہبی نظام کے استحکام کو درہم برہم کرنا چاہتی ہے کیونکہ انگریزی حکومت نے ایسے صاف قوانین بنا دیئے تھے جن کی رو سے ہر ایک فرد کو اپنے مذہبی فرائض انجام دینے کے لئے کامل آزادی حاصل ہے اس وجہ سے اہل ہند عیسائی مبلغین کی اس کوشش کو انگریزی حکومت کی تحریک نہیں بتا سکتے تھے اور اس طرح حکومت کے بے تعلقی کی وجہ سے عیسائی مبلغین کی ذاتی محنت کا جو ثمرہ مذہب تبدیل کرلنے کی بابتہ برآمد ہوا وہ مذہبی رشک وحسد کے عام جذبات برانگیختہ کرلنے کے واسطے بالکل ناکانی تھا اور اس کی

باب ۱۱ خاص وجہ یہ ہوئی کہ عیسائی مبلغین نے اپنے مذہب کی تبلیغ صرف ہندوؤں میں کی جنہیں مسلمانوں
جیسا مذہبی تعصب اور مذہبی جنون نہیں ہے ور لیکن اب چونکہ انگریزی عملداری کی توسیع ہوگئی ہے
اس لئے ممکن ہے کہ اہل ہند یہ اندیشہ کرنے لگیں کہ عیسائی مبلغین کی زبردست
کوششیں حکومت کے زیر سیادت سرانجام پاتی ہیں جو انھیں ہر طرح کی اعانت
۲۷۷ اور تقویت دیتی ہے اور اب رعایا کے ذہن نشین یہ بات کی جاسکتی ہے کہ چونکہ
برطانیہ کو براعظم ہندوستان کے بڑے حصّے پر اب لاثانی قوت حاصل ہوگئی ہے اور ہندوستان کی دیسی
ریاستیں بھی اسی کے زیر اثر ہیں اسلئے اب اسکو یہ موقع حاصل ہے کہ وہ اپنے اس مقصد کی تکمیل کرے کہ
رفتہ رفتہ رعایا کے اصل مذہب کو تبدیل کر کے اپنا مذہب جاری کردے چونکہ حکومت برطانیہ
اپنی قوت اور اثر کی کمزوری کے باعث اس وقت تک اپنے اس مقصد
کی تکمیل کے ارادہ سے باز رہی ہے اس لئے ان واقعات کے باعث عیسائی
مبلغین کی کوششوں سے رعایا کے دل میں اب بہت کچھ خوف و اندیشہ پیدا
ہوسکتا ہے جو اس سے قبل کسی زمانے میں نہیں پیدا ہوا تھا
حکومت اعلیٰ اپنے اسی قابلانہ مراسلہ کے دوسرے حصہ میں تحریر فرماتی
ہے کہ وہ ہماری حکومت کے سابق اور موجودہ حکام کے ذہن میں بھول کر بھی کبھی
یہ بات نہیں آئی کہ ہم عیسائی مبلغین کی مذہبی جدوجہد سے کوئی واسطہ رکھیں یا
اُن کے کام میں مخل اور دست انداز ہوں اگر وہ اپنے کام کو عقلمندی سے اور
مجلس نظما کے احکام کے مطابق انجام دیتے رہے جو اس معاملہ میں بالکل واضح
ہیں لیکن جب کبھی ان کی مذہبی سرگرمی ان حدود سے تجاوز کرگئی اور جو امن عامہ
کے تحفظ اور گمراہ ہندوستانیوں میں عیسائی مذہب کی اشاعت کے واسطے نہایت
دور اندیشی اور دانشمندی کے ساتھ مقرر کی گئی ہیں اور جب اس امر کا اندیشہ
پیدا ہوا کہ اُن کی تصانیف اور پند و وعظ سے اہل ہند کے دلوں کو تسلی اور تشفی
حاصل ہونے کی بجائے انتشار اور پریشانی لاحق ہوگی اور جب ان باتوں کی
اطلاع حکومت کو ملی تو اس نے اس معاملے میں مداخلت ضروری سمجھی تاکہ اس
۲۷۸ خطرناک اور غیر منفعت بخش کارروائی کے خطرناک اثرات کو رفع کردیا جائے ہم
نے اس کارروائی کو نہ صرف واقعات بیان کرنے کے لئے پیش کیا جن سے کہ یہ

باب ۱۱ مسئلہ واضح اور روشن ہو جاتا ہے بلکہ اس نازک اور پریشاں کُن معاملہ میں گورنمنٹ نے جو پرسکون اور مستحکم طرزِ عمل اختیار کیا اُس سے حکومت کی سرشت اور اعتدال نمایاں ہوتا ہے اس کارروائی سے ایک بڑا سبق ملتا ہے اور تاوقتیکہ ہم تحمل اور رَواداری کے ان فیاضانہ اور آزادانہ اصولوں سے دست کش نہ ہوں جنھوں نے اس وقت تک ہمیشہ ہندوستان میں انگریزی حکومت کی رہنمائی کی ہے ہم اس سبق کو نہیں بھول سکتے ہیں اور اگر اس اصول کو جاری کر دیا جائے تو رعایا کے ساتھ انصاف کرنے میں ہم ایک ممنوع فعل کو انجام دینے کے مرتکب ہونگے کہ ہم نے جبریہ طور پر اس قسم کے خیالات کو رعایا کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کی جو خواہ کیسے ہی سچے کیوں نہ ہوں لیکن وہ خیالات ہندوستانیوں کے تعصبات جذبات اور اطوار کے منافی ہیں :۔

گذشتہ ۸۰ سال میں ہماری عملداری کو جو توسیع حاصل ہوئی اور اس کے باعث رعایا کے جذبات اور احساسات میں جو تبدیلی واقع ہوگئی ہے اس نے لارڈ منٹو کی رائے کو اور زیادہ معقول اور قوی کر دیا ہے۔ اہل ہند دیکھتے ہیں کہ ہمارا کوئی مدمقابل نہیں اور اگر بہکا کر یہ ان کے ذہن نشین کر دیا جائے کہ ہم نے انکے مذہب اور رسم ورواج کو بدل ڈالنے کی تدبیر کی ہے تو پھر یہ بات ان کے دل پر ایسی نقش کالحجر ہو جائے گی اور وہ اپنی کم عقلی کی وجہ سے یہ نہیں سمجھ سکیں گے کہ ہم جو وعدے کر چکے ہیں کیسے ہی وعدے اور شرائط کیوں نہ کریں اور اس قسم کی باتوں کے روکنے کے لئے جو اصول اختیار کرتے ہیں وہ ہمیں اس مقصد سے باز رکھنے کے لئے کافی ہیں :۔

مفتوحہ قوم کو اپنی ذلت کا جو احساس ہوتا ہے اس میں اس خیال سے بہت کچھ کمی ہو جاتی ہے کہ ہم کو اپنے مذہبی احکام اور مذہبی رسوم کے ادا کرنے کی کامل آزادی حاصل ہے جو ہمارے اسلاف سے وراثتاً ہم تک پہنچے ہیں لیکن (۲۷۹) اگر ہندوستانیوں کو اس کا ادنیٰ سا بھی اندیشہ ہوا کہ ہمارے مذہب پر حملہ کیا جاتا ہے تو اس معاملے میں وہ سب متحد ہو جائیں گے اور تجربہ نے ہم کو یہ سبق سکھا دیا ہے کہ صرف یہی خیال ہندو اور مسلمانوں کو متحد کر سکتا ہے اس کے علاوہ کوئی اور

باب ۱۱

سبب اُن کے اتحاد کا نہیں ہو سکتا۔ اس کی بدولت دونوں جاہل افراد عیاروں اور باغیوں کے ہاتھ میں اس حد تک آجاتے ہیں جس کا بجز ان حکام کے جنھیں اپنے فرائض کی وجہ روزمرہ نہایت غور کے ساتھ ہندوستانی سلطنت کی رعایا کے مختلف طبقوں کی حالت دیکھنے اور اندازہ کرنے کا موقع ملتا ہے دوسروں کو وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا ؛

ہم نے ۱۸۱۶ء میں بریلی کی بغاوت دیکھی ہے اگرچہ اس کے وجود کا کوئی تعلق مذہبی جذبات سے نہ تھا لیکن جب تعصب اور دہشت کا جذبہ مشتعل کر دیا گیا تو پھر صاف طور پر معلوم ہو گیا جس کی کوئی نظیر ہماری تاریخ میں موجود نہیں کہ ہمارے خفیہ دشمنوں کے قبضہ میں کیسی زبردست قوت موجود ہے جس سے وہ ہماری رعایا کو ہمارے خلاف صف بستہ کر سکتے ہیں۔ مخالفین کی یہ قوت صرف ایسی صورت میں کم ہو سکتی ہے کہ ہم نہایت غور و فکر کے ساتھ ہمیشہ ایسی تدابیر پر عمل کرنے سے گریز کریں جن سے انھیں عام رعایا کی سریع الاعتقادی یا تعصب کو برانگیختہ کرنے کا موقع مل سکتا ہے ؛

۱۸۱۳ء میں جو قانون نافذ ہوا اس کے چند شرائط کی رو سے ہندوستان کے عیسائی مبلغین کی جد و جہد کو نئی شہ ملی کیونکہ ہندوستان میں عیسائیوں کی جو انجمنیں ہیں ان کا تعلق اپنی ہم عقیدہ انگلستان کی انجمنوں سے ہے ان انجمنوں کی ساری کوشش اشاعت مذہب اور اشاعت تعلیم کے واسطے ہو رہی ہے لیکن اب اُن کے نہایت قابل اور برگزیدہ اراکین نے عام طور پر اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ جب تک بخوبی اشاعت علوم کے وسیلہ سے سنگ بنیاد نہ قائم کر دیا جائے اس وقت تک عیسائی مذہب کی اشاعت میں کامیابی حاصل ہو سکی۔ ۲۸۰

لے جلد اول صفحہ ۷۷۵۔

سے اگر کوئی اور امر مانع نہ ہوتا تو یہی سبب عیسائی مذہب کی اشاعت روکنے کے لئے بہت کافی ہے کہ جو پادری ہندوستان میں انجیل مقدس کا وعظ کہتے ہیں ان کے عقائد میں بیحد اختلافات موجود ہیں ؛

باب ۱۱ قومی امید نہیں ہوسکتی ہے۔ گذشتہ ۱۲ سال میں اسی عقیدہ پر عمل کیا گیا ہے اور اگرچہ حکومت نے نہایت ہوشیاری کے ساتھ نامعقول مذہبی سرگرمی[1] کو دبایا ہے لیکن اسی کے ساتھ اُس نے ایسی تدابیر میں نہایت فیاضی کے ساتھ مالی اعانت کی ہے جو رعایا کی فلاح اور بہبودی کا موجب ہو سکتے ہیں اور جن سے اُن کی آتش رشک وحسد نہیں بھڑک سکتی ہے جو امن عامہ کے لئے موجب خطرہ ہوتی ہے ؛

اور اس طریقے کے جاری رہنے پر نہ صرف سلطنت کی سلامتی کا انحصار رہے گا بلکہ علم اور سچے مذہب کی اشاعت ہی سے کامیابی کی توقعات وابستہ ہوسکتی ہیں ؛ (۱۸۱)

جن اصحاب کے سپرد ہماری مشرقی سلطنت کا نظم ونسق ہے انھیں اکثر یہ ناپسندیدہ فرض ادا کرنا پڑتا ہے کہ وہ بعض معاملات میں حکام انگلستان کی مخالفت کرتے ہیں جنھیں ہمارے اکثر ابنائے وطن کسی اعلیٰ وارفع مقصد کے حصول کی کھلی اور سیدھی شاہراہ تصور کرتے ہیں لیکن اگر کسی زمانے میں حکام انگلستان کے خیالات وجذبات میں تبدیلی واقع ہوگی یا ہندوستان کے مقامی حکام میں کمزوری اور ناروا جوش پیدا ہوگیا جس کے باعث وہ موجودہ قوانین کے بجائے کچھ اور اصول جہاں بانی کے مقرر کریں تو پھر فوراً ہی خطرات رونما ہوجائیں گے اور ابھی ہم کو تدریجی ترقیات کی جس قدر بھی توقعات ہیں وہ سب جلد کامیابی حاصل ہونے کی پُرجوش کوشش سے کلیتاً معدوم ہوجائیں گی ؛

---

[1] مسٹر چارلس لوشنگٹن (Mr. Charles Lushington) نے ان تعلیمی درسگاہوں کا مفصل حال تحریر کیا ہے جو اس وقت بنگال میں موجود ہیں ان میں سے بشپ کالج قابل تذکرہ ہے جو بشپ میڈلٹن نے قائم کیا ہے اس کے خاص مقاصد یہ ہیں کہ "وہ عیسائی بچوں کو دینی و دنیاوی علوم اور ہندوستانی خاص خاص زبانوں کی تعلیم دی جائے تاکہ وہ مشرکین میں اپنے مذہب کی اشاعت کرسکیں"، دوسری قابل الذکر درسگاہ چنسوراگی ہے جو پادری مسٹر مے (Mr. May) نے ہندوستانیوں کی تعلیم کے لئے قائم کی ہے۔ اس کا مقصد تبدیل مذہب نہیں بلکہ یہ اصلاح ہے کہ دیہاتی مدرسوں کو اشاعت تعلیم کا وسیلہ بنایا جائے اور اس مدرسہ میں نہایت احتیاط

باب ۱۱

ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کی کوشش کے صرف دو صحیح طریقے ہیں

اول غیر امداد اور بے تعلق عیسائی مبلغین کے ذریعہ سے دوسرے بذریعہ تعلیم
اول طریقہ میں شمہ بھر کامیابی کی امید بھی اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ اس کام کو
عیسائی مبلغین انجام دیں جو اس مسئلہ سے مبرا ہیں کہ ان کا کوئی تعلق حکومت سے
ہے بلکہ جو بہ نفس نفیس محض اپنی سعی اور تائید ربی پر بھروسہ کر کے کام کرتے ہیں
ان برگزیدہ اصحاب کی ذمہ کوئی دنیاوہند نہ ہونا چاہیئے جو ان کی کوششوں کے
مانع اور مزاحم ہو۔ یہ اصحاب بطیب خاطر جملہ قومی آرام و آسایش کو ترک
کر دیں جس کے وہ عادی تھے اور نہایت عجز و انکسار کے ساتھ اُن جملہ ۲۸۲
تکالیف اور خطرات کو برداشت کریں جو اُنھیں درپیش ہوں۔ انھیں اپنے
دائرہ عمل سے باہر نام و نمود حاصل کرنے کی ہرگز خواہش نہ کرنی چاہیئے اور اپنے
دائرہ سے باہر وہ جس قدر گمنام رہیں گے اُسی قدر انھیں اپنے مقصد میں
کامیابی حاصل ہونے کی توقع ہوگی۔ مذہبی مسائل کے ذہن نشین کرنے کا یہی بہترین
طریقہ ہے جو بیشتر ہندوستانیوں کے خیالات کے عین مطابق ہے کیونکہ جب دیکھیں گے
کہ یہ معلمین بے لوثی سے کام کرتے ہیں جن سے ہم کچھ نفع اُٹھا سکتے ہیں اور ان کی
جانب سے کسی بُرائی کا بھی اندیشہ نہیں ہے تو پھر وہ ان کے کام کو سرکاری امداد
سے وابستہ نہیں کریں گے جیسا کہ وہ اکثر کیا کرتے ہیں اور نہ ان لوگوں کی بابت یہ گمان
کرینگے کہ یہ کسی انجمن کے تنخواہ دار یا پیشہ ور معلم ہیں جو ان کے ساتھ رہ کر ان کی
غلطیوں اور جرایم پر بھی نظر رکھتے ہیں تا کہ بعید ممالک میں وہ ان کی اشاعت
کریں اہل ہند کے یہ خیالات ان لوگوں کے متعلق ہیں جو انھیں اپنا ہم مذہب
بنانے کی سعی میں مصروف ہیں۔ لیکن یہ کہنا بھی درست ہے کہ یہ خیالات خواہ
صحیح ہوں یا غلط لیکن اُن سے بھی سلطنت کو خطرہ پہنچنے کا احتمال ہے اور اشاعت
مذہب کی کوشش کے سد راہ یہی خیالات ہوں گے مگر اسی کے ساتھ یہ بات بھی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ سے کام لیا گیا ہے۔ کہ نصاب تعلیم کو مذہبی مسائل سے بالکل پاک و مبرا رکھا گیا ہے۔ فی الحقیقت
اس سمجھدار شخص نے نہایت محفوظ اور نہایت نفیس روش اختیار کی ہے جس سے کہ دلی مقصد حاصل ہو سکتا ہے

باب ۱۱ تسلیم کرنی ہوگی کہ عیسائی مبلغین کے ذریعے سے مذہب عیسوی کی اشاعت کا جو طریقہ تجویز کیا گیا ہے وہ زمانہ حال کے بجائے مذہب کے ابتدائی قرن کے عین موزوں و مطابق ہے اور اس وسیلہ سے کامیابی کی توقع محض قیاسی اور موہوم (۲۸۳) ہو سکتی ہے۔ اس لئے ہمیں دوسرے طریقہ پر کاربند ہونا چاہئے کہ ہم اپنی ہندوستانی رعایا کی فلاح کے واسطے درسگاہیں قائم کریں جن کا کوئی تعلق اشاعت مذہب کی کوشش سے نہ ہو اور ہم کو یہ امید رکھنی چاہئے کہ تعلیم کی بدولت اُن میں فراخ دلی اور روشن خیالی پیدا ہوگی وہ اپنی غلطیوں اور اوہام پرستی کو ترک کر دیں گے اور انجیل مقدس کے مسائل کو خود صحیح مان لیں گے جب اُن میں اس کے سمجھنے اور شناخت کرنے کی قابلیت پیدا ہو جائے گی بلا شبہ ہمارے حصول مقصد کا یہی صحیح طریقہ ہے۔ لیکن اس معاملے کے متعلق ہمیں اپنے نفس کو دھوکہ نہ دینا چاہئے۔ بہت سی نسلیں گذر جانے کے بعد کہیں اس مقصد کے حصول کا وقت آئے گا۔ اور اس دوران میں بہت سے سخت صدمے بھی برداشت کرنے پڑیں گے اور غالباً نہایت زبردست خطرہ اس وقت رونما ہوگا جب ایک طرف ہماری تعلیم سے مستفید ہو کر ہماری رعایا اپنے بے نظیر اخلاقی قوانین اور قیود سے آزاد ہو جائیگی جو اُن کے مذہب کی رو سے (خواہ اُس میں کیسی ہی غلطیاں اور اوہام پرستی کیوں نہ ہو) ان پر لازمی ہیں اور دوسری طرف سے احکام الٰہی پر صدق دل سے عمل نہیں کریں گے جو ان میں فراخ دلی پیدا کر سکتی ہے۔ یہی وہ خطرہ ہے جس کے سزاوار ہم ہی ہونگے اور اُس تباہی سے خود محفوظ رہنے اور جن لوگوں کی اصلاح کے ہم خواہاں ہیں انھیں محفوظ رکھنے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ ہم نہایت احتیاط سے کام لیں اور صرف معمولی اور غیر محسوس کامیابی پر قناعت کریں ہمارا اساسی اصول یہ ہونا چاہئے کہ ہمارے اعلیٰ مقصد کے واسطے یہی مناسب اور مفید ہے کہ بہت سے لوگوں کو سطحی تعلیم دینے کی بجائے ہم معدودے چند افراد کو پوری (۲۸۴) تعلیم دیں۔ ہمیں اپنی ساری جد و جہد صرف اُن ملکوں[1] کی اصلاحات تک محدود

[1] اس کے متعلق ہم بطور عام اصول کے بتائے دیتے ہیں کہ کسی ایسے ملک میں اس قسم کا تجربہ ا

باب ۱۱

کردینی چاہیئے جہاں پر ہماری منشا کی بابتہ بہت کم غلط فہمی کا امکان ہے اور اس کی کوشش میں اپنے ایسے جوش کی زیادتی کو روک دینا چاہیئے جو ہماری کامیابی کے سدراہ ہو۔ اور رعایا کے واسطے تعلیم وتربیت کے وسائل فراہم کر دینے کے بعد ہم یہ کام رعایا کے ذمہ چھوڑ دیں کہ وہ ان وسائل سے مستفیض ہو اگر وہ علم کے سرچشمہ سے سیراب ہونے کی خواستگار ہے تو پھر وہ خود ہی اس تک پہنچ جائے گی۔ لیکن اگر علوم کے پانی کو ادھر ادھر منتشر کر دیا جائے اور ایسے لوگوں کو اس کے پینے پر مجبور کیا جائے جو علم کے پیاسے نہیں ہیں تو یہ فعل علم کی قدر وقیمت زائل کرنے اور علم کی وقعت کو نقصان پہنچانے کا موجب ہوگا؛

خود ہمارے ہی جذبات اور تعصبات اہل ہند کی اصلاح وترقی کی کوشش میں سدراہ ہونگے۔ جن اصحاب کو بہت جلد ترقیات ہو جانے کی پوری امید ہے وہ (غالباً نادانستہ طور پر) ان خرابیوں کو مبالغہ سے بیان کر کے جن کی اصلاح کی خواہش ہے اور پیش آنے والی مشکلات کو خفیف بتا کر اعانت حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ بعض اصحاب کو وہ خطرات نظر آئیں گے جن کا فی الحقیقت کچھ وجود ہی نہیں ہے اور یہ حضرات ہر ایک دقت کو لاینحل تصور کریں گے اس افراط تفریط سے نہایت ناگوار تصادم کا احتمال ہے جو اس مقصد کے لئے سخت افسوسناک ہے۔ جو لوگ کہ اشاعت مذہب کے کام پر مامور ہیں ان کو واقعات کے بیان کرنے میں ہرگز مبالغہ سے کام نہ لینا چاہیئے کیونکہ مبالغہ (۲۸۵) کا انجام جھوٹ ہوتا ہے اشاعت مذہب جیسے شعبہ کے حضرات کو بغیر پوری معلومات حاصل کرنے کے کوئی بات وثوق کے ساتھ بیان کر دینا نہایت نازیبا حرکت ہے اور اسی طرح کسی خاص ضلع۔ صوبہ یا عملداری کے باشندوں کے مذہب کے متعلق باطل رسم ورواج کو دیکھ کر سارے ہندوستان کی مختلف قوموں اور فرقوں کی حالت کی بابتہ عام نتائج اخذ کرنا بھی دوسروں کو دھوکہ دینا ہے۔ ان اصحاب

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ کرنا خالی از علت نہ ہوگا جس میں ہماری حکومت قائم ہوئے ۵۰ سال سے کم کا زمانہ گذرا ہے ؛

باب ۱۱ چاہئے کہ اہل انگلستان کے دلوں کو مشتعل کرنے کی بجائے تسلی اور تشفی دیا کریں جن سے کہ یہ حضرات مراسلت کرتے ہیں کیونکہ اس قدر دور دراز مقام پر بیٹھ کر انگلستان والے یہاں کے ان مبلغین ہی کے بیانات کا اعتبار کر کے اپنی رائے قائم کیا کرتے ہیں۔ جو لوگ کہ اپنے اسلاف کے طریقوں کی اندھی تقلید کرتے ہیں ان کی سخت غلطیوں کو ایسے الفاظ میں بیان کرنا چاہئے جس سے وحشت اور نفرت کے بجائے سامعین کے دل میں رحم اور افسوس کا جذبہ پیدا ہو۔ جو حضرات کہ اس مسئلہ پر بحث کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں ان کو اس مضمون پر نخوت اور غرور سے نہیں بلکہ عجز و انکسار کے ساتھ بحث کرنی چاہئے۔ بڑے شکر کا مقام ہے کہ اپنی ہندو رعایا کے متعلق وسیع معلومات نے ہماری لاعلمی اور غلطیوں کو رفع کر دیا ہے اب نہایت عجز و انکسار کے ساتھ ہمیں یہ غور کرنا چاہئے کہ یہ متین، دیانت دار۔ شفیق اور بے ضرر قوم زندگی کے کس کس فرض اور اپنی کس کس خصلت میں ہم سے افضل اور برتر ہے اس میں بھی شک نہیں کہ ان کے بعض مذہبی مسائل اور رسم و رواج خلاف عقل اور خلاف فطرت ہیں۔ ستی اور دختر کشی کی خوفناک رسم سے اتلاف جان دیکھ کر ہر شخص کا دل بجز ان لوگوں کے کانپ اٹھتا ہے جو ان ظالمانہ حرکات کا ارتکاب کرنے کے عادی ہو گئے ہیں لیکن ان حرکات کے متعلق تنفر ظاہر کرنے میں ہمیں یہ بات ہرگز فراموش نہ کرنی چاہئے کہ نسبتاً یہ حرکتیں[1] مقامی
اور محدود ہیں اور از انجملہ دختر کشی[2] کی رسم کو ہماری طرح سب ہندو بجز (۲۸۶)
معدودے چند خاندانوں کے نہایت مذموم تصور کرتے ہیں؛

---

[1] ستی کی رسم بہت کم ہو گئی ہے اور جنوبی ہند میں تو کوئی شخص اس سے واقف تک نہیں اور دکن، مالوہ اور ہندوستان میں شاذ و نادر ہی کوئی عورت ستی ہوتی ہے البتہ بنگال خاص میں یہ خوفناک رسم ہندوستان کے دیگر حصوں سے کہیں زیادہ رائج ہے معلوم ہوا کہ سنہ ۱۸۱۹ء میں ۶۵۰ عورتیں کمپنی کے علاقہ واقعہ صوبہ بنگال میں ستی ہو گئیں ان میں سے ۴۲۱ عورتیں کلکتہ ڈویژن میں ستی ہوئی تھیں سنہ ۱۸۲۰ء اسی علاقہ میں ستی کی وارداتیں صرف ۵۹۷ ہوئیں از انجملہ کلکتہ ڈویژن میں ۳۹۰ عورتیں ستی ہوئیں۔

[2] دختر کشی کا مفصل حال کتاب موسومہ سنٹرل انڈیا کی جلد دوم کے صفحہ ۲۰۵ پر ملاحظہ فرمائیے۔

باب ۱۱

بیواؤں کے بخوشی جان قربان کرنے کو سب لوگ گناہ عظیم تصور کرتے ہیں لیکن اس رسم کو منسوخ کرنے کے طریقہ کی بابت بہت کچھ اختلاف رائے ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ علم کی اشاعت مثال کی قوت اور بزرگوں کی نرم و صلح جویانہ مگر زبردست فہمائش۔ نفرت اور بیزاری کرنے والے انسانوں کے بے لوث خیالات رفتہ رفتہ اس وحشیانہ رسم کا استیصال کر دینگے کیونکہ ہندوستان کے بہت سے مقامات پر اس رسم کا رواج نہیں رہا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ مثل سابق کے اب نہ تو بزرگ اور نہ پنڈت لوگ اس رسم پر عمل کرنے کی داد دیتے ہیں۔ لیکن اگر ہم نے یہ حماقت کی کہ اپنی قوت کے زور سے اپنی ہندوستانی رعایا کے کسی مذہبی رواج یا اس رسم کو موقوف کرنے کا ارادہ کیا تو جہاں کہیں یہ رسم جاری ہے وہاں پر اس کے ساتھ ہمدردی اور اس کی حوصلہ افزائی بدستور قائم رہے گی اور جن مقامات پر کہ اب اس کا رواج نہیں رہا ہے وہاں پر از سر نو جاری ہو جاوے گا اس رسم کے انسداد کے متعلق ہماری کوشش کو وہ ہماری دیگر اغراض پر محمول کر کے ناجائز اور ظالمانہ حرکت تصور کریں گے علاوہ بریں اپنی قوت کو اس طور پر استعمال کرنے کا اثر دیگر مزید پریشانیوں اور خرابیوں کا موجب ہوگا اور بعض مقامات پر اس معاملے میں تھوڑی سی مداخلت کرنے سے چونکہ کوئی فوری خطرہ نمودار نہیں ہوا اس لئے بعض حضرات ہماری اس رائے کے مخالف ہیں لیکن ان کو نہ تو ہندو آبادی کی خصلت کے متعلق زیادہ معلومات حاصل ہو سکتی ہیں اور نہ وہ اُن وسائل کی نوعیت سے آگاہ ہو سکتے ہیں جو ہماری قوت کے پوشیدہ دشمن ہمارے خلاف فراہم کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں ہماری اس قسم کی ہر ایک مداخلت سے ان کے ہاتھ ایک حیلہ آجاتا ہے

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گذشتہ۔ یہ ظالمانہ حرکت راجپوتوں کے چند خاندانوں تک محدود ہے لیکن نہایت ناانصافی کے ساتھ اسکا الزام ساری قوم راجپوت کے سر لگایا جاتا ہے جن میں سے ایک لاکھ تو ہماری فوج میں بھرتی ہیں اور اس بہادر وکثیر التعداد قوم میں ایک مثال بھی اس خوفناک رسم کی نہیں مل سکتی ہے۔

باب۱۱

جو ہمارے خلاف اپنے اہل وطن کو سخت کرنے کی توقعات میں اضافہ کا موجب ہوتا ہے کیونکہ غیر ملکی اور غاصبوں کی حکومت کا تختہ پلٹ دینے کو وہ ملکی ہمدردی اور مقدس کام تصور کرتے ہیں جنھوں نے انسانی ہمدردی اور اصلاح کے حیلہ سے یہاں کے ایسے رسم ورواج پر کھلم کھلا نہایت سخت حملہ کیا ہے جن کا احترام نہایت متعصب اور سخت گیر مسلمان فاتحین تک نے کیا ہے اور گذشتہ تین ہزار سال سے جن پر عمل ہو رہا ہے۔ کچھ عرصہ ہوا کہ عیسائی مذہب کی تبلیغ اور اشاعت

۱۔ ڈاؤڈورس سائیکولس (Diodorus Siculus) نے ستی کے حسب ذیل حالات اپنی تاریخ میں درج کئے ہیں اور رالن Rollin نے اپنی کتاب کی نویں جلد میں ان کا حوالہ دیا ہے۔

"کہ انٹی گونس اور یومینیز کی جنگ کے بعد آخرالذکر نے اول الذکر سے اپنے مقتولوں کو دفن کرنے کی اجازت حاصل کر لی۔

اس رسم کو ادا کرنے کے دوران میں ایک عجیب و غریب جھگڑا پیش ہوا مقتولین میں ایک ہندوستانی افسر کی لاش تھی جس کے دو بیویاں تھیں از انجملہ ایک سے اس نے حال ہی میں شادی کی تھی۔ ہندوستان کا قانون کسی بیوی کو شوہر کے بعد زندہ رہنے کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ شوہر کی چتا پر ستی ہونے سے اگر وہ انکار کر دے تو وہ ہمیشہ مطعون اور ساری عمر بیوہ رہے گی اور کسی قربانی یا دیگر مذہبی رسوم میں اس کو شریک ہونے کی اجازت نہیں ملے گی۔ اس قانون میں صرف ایک بیوی درج ہے لیکن اس مقتول کے دو بیویاں تھیں۔ ان دونوں میں سے ہر ایک ستی ہونے کیلئے اپنا حق فائق بتاتی تھی۔ پہلی بیوی کہتی تھی کہ زوجۂ اولی ہونے کے باعث میرا حق ستی ہو جانے کا ہے دوسری نے جواب دیا کہ حاملہ ہونے کے باعث قانوناً آپ ستی ہونے سے مستثنیٰ ہیں اور بالآخر یہی فیصلہ ہوا چنانچہ اس کے غم میں پہلی بیوی روتے روتے آنسوؤں میں نہا گئی اس نے اپنے کپڑے پھاڑے اور سارے بال نوچ ڈالے گویا کوئی سخت مصیبت اس پر نازل ہوئی تھی۔ اس کے برعکس دوسری بیوی ہنسی خوشی اپنے سب خویش واقارب کو لیکر اور شب عروسی جیسا سنگھار کر کے نہایت استقلال

باب ۱۱ (۱۲۸)

تعلیم کے متعلق مصنف ہذا نے اپنے بھی خیالات جلسۂ[1] عام میں ظاہر کئے تھے اور اس کے ان خیالات کی تائید اسکے تازہ تجربہ[2] سے

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گذشتہ۔ کے ساتھ اس رسم ادا ہونے کے مقام پر گئی وہاں پہنچ کر اس نے اپنا سارا زیور اپنے خویش واقارب کو دے دیا اور سب کو رخصتی سلام کیا۔ شوہر کی چتا پر خود اس کے بھائی نے اس کو اپنے ہاتھ سے بٹھا دیا اور جملہ حاضرین کی واہ واہ اور شاباش کے نعروں میں وہ اپنے شوہر کی لاش کے ساتھ ستی ہو گئی۔

اس بیان کی وہ حضرات تصدیق کر سکتے ہیں جنھوں نے ستی ہونے کی ساری رسم کو بچشم خود ملاحظہ کیا ہے اور یہ بیان آجکل کے ہندوؤں کے خیالات اور رسم و رواج کے عین مطابق ہے یہ واقعہ چنداں التفات کے قابل نہیں ہے کیونکہ اس سے نہ صرف نہایت عمیق مذہبی عقیدہ ظاہر ہوتا ہے جس پر کہ یہ وحشیانہ رسم مبنی ہے بلکہ یہ ایک مثال رسم و رواج کی زبردست اور لاینحل سختی کی ہے جو اس قدیم اور عجیب و غریب قوم میں جاری ہے۔

[1] بیان با جلاس دار الامرا مورخہ ۱۸۱۳ء (اسکیچ آف پولٹیکل انڈیا صفحہ ۴۶۸)
(Sketch of Political India)

[2] پادری مارشمین نے سیرام پور کی بپٹسٹ مشنری سوسائٹی کی جانب سے مصنف ہذا سے یہ درخواست کی کہ آپ ہمارے کالج کی سرپرستی قبول فرمالیجئے اس کے جواب میں مصنف ہذا نے کھمپ مٹو سے ایک مراسلہ مورخہ ۷ر نومبر ۱۸۱۸ء پادری صاحب موصوف کے نام روانہ کیا۔ یہ مراسلہ ایسے وقت پر لکھا گیا تھا جس سے مصنف ہذا کو ان اہم مسائل کے ہر ایک پہلو پر غور کرنے کا کافی موقع ہاتھ آگیا تھا۔ مراسلہ کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

"کہ آپ کا نوازش نامہ مورخہ یکم ستمبر موصول ہو کر مجھے بڑی مسرت حاصل ہوئی سیرام پور میں آپ کی جیسی جماعت کی عمدہ رائے میرے متعلق ہونا میرے واسطے باعث فخر ہے اگر میں اس کے جواب میں کچھ تکلف سے کام لوں تو میں ان خیالات کا ہرگز مستحق نہ ہوں گا جو آپ نے میری بابتہ ظاہر فرمائے ہیں آپ کے کالج کا سرپرست ہونا میرے لئے باعث افتخار ہے اگر میرے حسب ذیل بیان کے بعد بھی آپ مجھے اس اعزاز کا مستحق تصور کریں تو میرے ناچیز چندہ کو قبول فرمائیے جو آپ کے کالج کی امداد کے لئے پیش

باب ۱۱ (۲۸۹) ہوتی ہے جو اس مقام پر درج کردئیے گئے ہیں کیونکہ ان خیالات سے اس کا

بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ ۔ کرتا ہوں اگرچہ مذہب عیسوی کی صداقت میرے دل پر نقش کالحجر ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ اگر اخلاقی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہمارے مذہب نے دنیا کے دیگر مذاہب سے بہت زیادہ علم اور مسرت پھیلائی ہے لیکن ہندوستان میں جس طور پر ہماری عملداری قائم ہوئی ہے (اور میری ناچیز رائے کے مطابق) جس طرح اس کو قائم رکھنا چاہئے اس کا لحاظ کرکے ہندوستان میں ہماری حکومت کی نوعیت ایسی ہے کہ ہندوستان میں مذہب عیسوی کی اشاعت میں انگریزی حکومت کو ہرگز بالواسطہ یا بلا واسطہ کسی قسم کی مداخلت نہیں کرنا چاہئے ۔ واجب الاحترام عیسائی مبلغ خود ہی کوشش کرے اور حکومت یا اُس کے افسران کسی قسم کی اُسے مدد نہ دیں اور میں اپنی اس رائے میں اس قدر اور اضافہ کرتا ہوں کہ میری رائے میں اس کے خلاف عمل کرنا اُن لوگوں کے ساتھ بدعہدی ہوگی جن کو اپنی فوجی طاقت سے کہیں زیادہ ان حلفیہ وعدوں سے تسخیر کیا ہے جو ہم نے زبانی اور تحریری کئے ہیں کہ ہم ان کے مذہبی مسائل کا احترام کریں گے اور اُن کے مذہب کو بدستور قائم رکھیں گے لیکن اس کی خلاف ورزی کرنے سے ہمارا دلی مقصد فوت ہو جائے گا اور بالآخر ہم ایسے خطرات میں مبتلا ہو جائیں گے جن سے ہم اس وقت تک بالکل ناآشنا ہیں ۔ اپنی اس رائے کے متعلق تفصیل دلائل میں کئی بار صاف صاف بیان کرچکا ہوں اس لئے ان کا اعادہ کرکے میں آپ کی سمع خراشی کرنا نہیں چاہتا ہوں اب میں اس مسئلہ کے دوسرے جزیعنی اشاعت تعلیم کے متعلق عرض کرتا ہوں جس سے آپ کا زیادہ قریبی تعلق ہے ایشیا میں ہماری اس عجیب وغریب عملداری کی مستقبل کے بابت ہم صرف اس قدر قیاس کرسکتے ہیں کہ نہایت سرگرمی کے ساتھ اشاعت تعلیم کا کچھ عرصہ بعد یہ نتیجہ برآمد ہوگا کہ بہت سے انقلابات رونما ہوں گے لیکن ہمارے یہاں کے نہایت عقیل وفہیم اشخاص کے لئے بھی اس سوال کا جواب دینا نہایت مشکل ہے کہ ان انقلابات کا ہماری سلطنت پر کیا اثر پڑے گا میری رائے میں کسی قوم کو تعلیم دینا گویا اُس کے ہاتھ میں طاقت پیدا کرنا ہے اور جب وہ روشن خیال بن جائیں گے تو اُن میں آزادی اور حصول حکومت خوداختیاری کا فطری جذبہ پیدا ہو جائے گا جو انسانوں

باب ۱۱ (۲۹۰)

دلی اعتقاد ظاہر ہوتا ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اور قوموں کی روح میں قادر ذوالجلال نے ودیعت کیا ہے اور یہ جذبہ احساس فرائض وتحمل وبردباری کی تعلیم اور فیض پہنچانے والوں کے شکر گذار ہونے کے تمام سبقوں پر جو ہم اپنی ہندوستانی رعایا کو دے سکتے ہیں حاوی ہوگا۔ لیکن ان نتائج کے امکان کے باعث میں اپنی اس رائے پر قایم ہوں کہ انھیں معاشرتی زندگی کے ہر ایک شعبہ کی تعلیم دی جائے۔ ہمارا زمانہ ایسی پالسی سے بہت اعلیٰ وارفع ہے اور ہم اس ملک کے رہنے والے ہیں جس نے حال ہی میں قدیمانہ غلامی کی زنجیروں کو توڑنے میں نہایت ناموری اور سرخروئی حاصل کی ہے ہم کسی ایسے نظام کی حمایت کے متعلق دلائل کا سننا کب برداشت کرسکتے ہیں جو انسانی دل و دماغ کو اُن علوم کی روشنی سے محروم رکھے جن سے انسان کی مسرت اور فلاح کو ترقی ہوتی ہے لیکن یہاں پر تو اس مسئلہ نے ایک نہایت مشکل صورت اختیار کی ہے یہ امر علوم کی نوعیت اور طریقہ تعلیم پر منحصر ہے کہ وہ ہندوستان کے حق میں لعنت یا رحمت ثابت ہو وہ عرصۂ دراز تک کرۂ ارض کے اُس حصہ میں ہماری حکومت کا حامی یا اس کے تنزل کا باعث ثابت ہو۔ اگر ضرورت سے زیادہ جوش یا سرگرمی سے کام لیا گیا تو اسکا انجام ہماری تباہی ہے لیکن اگر ہم سلطنت کا استحکام چاہتے ہیں تو ہم کو مستقل مزاجی۔ فہم وفراست اور متانت سے کام لینا چاہئے لیکن حصول مقصد کے لئے یہ ضروری اوصاف شاذونادر ہی ایک جگہ مجتمع پائے جاتے ہیں۔

جناب من۔ میری دلی تمنا ہے کہ کاش مجھے اس امر کا یقین ہو جاتا کہ آپ کے جانشین بھی اس نازک کام کے واسطے ایسے ہی تجربہ کار ہونگے جیسے کہ آپ سیرام پور میں ہیں اُنھیں اس راہ میں دوڑنا نہ چاہئیے بلکہ آہستہ آہستہ گام زن ہونا چاہئے اب میں بلا تکلف ایک بات اور کہے دیتا ہوں کہ میں اس بات کا اطمینان حاصل کرنا چاہتا ہوں کہ اس رائے کو آپ مان لیں گے کہ چند اشخاص کو مکمل تعلیم دینا اس سے کہیں بہتر ہے کہ بہت سے لوگوں کو معمولی سی تعلیم دیدی جائے اور اشاعت تعلیم کے واسطے ہم اپنی کوشش صرف اُن شہروں تک محدود رکھیں جہاں کے باشندے ہماری حکومت سے

باب ۱۱

اخبارات کی آزادی

(۲۹۲)

ہندوستان میں اخبارات کی آزادی کا مسئلہ نہایت اہم ہے جس پر انگلستان میں بھی بہت کچھ توجہ ہو رہی ہے اس لئے یہ مسئلہ بیحد غور طلب ہے نصف صدی سے کسی قدر زیادہ زمانہ گذرا ہے جبکہ کلکتہ میں پہلا اخبار شائع ہوا تھا۔ یہ زمانہ اڈیٹر کی شہرت اور منفعت کے حق میں نہایت موزوں تھا کیونکہ اس نے واقعات کی اشاعت کی اور جب اس نے اخبار کی اشاعت کا کام شروع کیا وہ زمانہ غلط بیانی افترا۔ بہتان۔ سرکاری اور پرائیویٹ اشخاص کی بے آبروئی وغیرہ کے لئے نہایت بدنام تھا۔ اس وقت شہنشاہ معظم کی عدالت العالیہ اور حکومت بنگال کے اختیارات کی جنگ بڑے زوروں پر تھی بالآخر حکومت بنگال نے مجبور ہو کر

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ مانوس ہو گئے ہیں اور ہمارے منشاء کو سمجھتے ہیں اور وہ حضرات ایک کار آمد عمارت کا سنگ بنیاد نصب کر دینے پر مطمئن ہو جائیں گے اور ایک صدی کے کام کو صرف ایک ہی دن میں پایۂ تکمیل کو پہنچانے کی خواہش کر کے اپنے مقصد کو فوت نہ کریں اور نہ مفت کے خطرات اپنے سر مول لیں گے (کیونکہ اس کام میں جلد بازی کرنے میں ضرور خطرہ ہے)

اس مختصر عریضہ میں حتی الامکان میں نے اپنے خیالات کو وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ میرا یہ بیان کافی ہوگا اور مزید تفصیلات عرض کرنے کے لئے میرے پاس وقت بھی نہیں ہے اور یہ اعلان کر دینا میرے اور آپ کے دونوں کے حق میں مناسب ہے کہ اگرچہ مجوزہ تحریک کی تائید کرنا اور آپکی درسگاہ کی سرپرستی قبول کرنا میرے لئے باعث افتخار ہے لیکن اگر بتدریج ترقی دینے اور اس تحریک کو آہستہ آہستہ چلانے کی معتدل اسپرٹ اور اعلیٰ اصولوں سے روگردانی کی جائے گی تو میں حتی المقدور اس کی زبردست مخالفت کروں گا۔

مرقومۂ بالا مراسلہ شکر گذاری اور مدح سرائی کے ساتھ قبول کیا گیا اور مصنف ہذا اس کالج کا سرپرست بنا دیا گیا۔

باب ۱۱

اپنی سلامتی اسی میں دیکھی کہ وہ شہنشاہ معظم کی عدالت العالیہ کے چیف جج سے اعانت کی خواستگار ہوئی ورنہ یا تو وہ تباہ ہو جاتی یا اس کو اس درجہ مجبور اور معذور محض بنا دیا جاتا کہ اس کو اپنا وجود قائم رکھنا دشوار ہو جاتا۔ اس حالت میں ہر ایک اعلیٰ افسر کے طرفدار اور مخالفین موجود تھے لیکن ہلک کے جوش و خروش کو ایک اخبار نے اور بھی بڑھا دیا کیونکہ اُس نے ایسے واقعات اور مضامین کی اشاعت کی جو ایک جماعت کے تخیلات اور جذبات کے مناسب اور موزوں تھے اُس کی علانیہ پھکڑ بازی اور فحش گوئی انگلستان کے ہر ایک اخبار سے کہیں زیادہ بڑھی چڑھی تھی اُس وقت سول حکومت اگرچہ اپنے نظام ترکیبی کے باعث کمزور تھی لیکن چونکہ اخبار کی شر انگیزی حکومت کی شہرت اور (۲۹۳) اختیارات کے خلاف جاری تھی اس لئے حکومت نے اس شرارت کو بند کرانے کے لئے یہ امکانی تدابیر اختیار کیں کہ باغیانہ مضامین کی اشاعت کی پاداش میں اس کو کئی بار سزا دی اور اُس کے مدمقابل ایک اور اخبار جاری کر دیا لیکن اگرچہ ان تدابیر سے ایک دلاور مگر بے پروا شخص کو تباہ و برباد کر دیا گیا اور اس میں شک نہیں کہ جس عہدے کو مجبوراً اُس نے ترک کر دیا تھا اس عہدے پر کوئی دوسرا شخص اس کا جانشین ہو جاتا اگر مجلس مقننہ اپنے جدید قوانین کی رو سے سول حکومت کے نظام میں تبدیلی نہ کرتی اور اہانت و مخالفت سے اپنے کو بچانے کے لئے اُسے کامل اختیارات نہ دئیے ہوتے؛

مسٹر ہکیے کا بنگال گزٹ بند ہونے کے بعد سے ۱۷۹۱ء سے حکومت کو کسی مطبوعات کی اشاعت میں مداخلت کرنے کی ضرورت نہیں لاحق ہوئی جبکہ لارڈ کارنوالس نے بنگال جرنل کے ایڈیٹر مسٹر ولیم ڈالن (William Duane) کو ایک فرانسیسی سرکاری افسر اور بنگال کے چند باشندوں کے خلاف ایک اہانت آمیز عبارت لکھنے کی پاداش میں گرفتار کر کے انگلستان بھیجدینے کا حکم نافذ کر دیا؛

ایڈیٹر نے عدالت العالیہ میں قانون موسومہ ہیبس کارپس (Habeas Corpus)

باب ۱۱ کے حوالے سے اجرائے سمن کی درخواست دی جو منظور ہو گئی ،
لیکن فورٹ ولیم کے ٹاون میجر پر سمن تعمیل ہونے کے متعلق جن کے سپرد یہ قیدی تھا عدالت العالیہ اور حکومت کے مابین نہایت طویل بحث و مباحثہ ہوا جس کا خاتمہ اس صورت سے ہوا کہ حکومت نے اپنے جس اختیار سے کام
(۲۹۴) لیا تھا اس کو عدالت العالیہ نے تسلیم کر لیا اور ایڈیٹر کو حاضر عدالت ہونے پر پھر ٹاون میجر کی سپردگی میں دیدیا اور پھر فرانسیسی ایجنٹ مقیم کلکتہ نے سفارش کر کے ایڈیٹر کو موقع پر انگلستان جانے سے باز رکھا لیکن چونکہ اس کے بعد بھی اس نے نہایت بیہودہ اور اشتعال انگیز مضامین کا سلسلہ شائع کیا اس لئے اس کو ۱۷۹۴ء میں سزا دیدی گئی اور مجلس نظما نے اس کارروائی کو بیحد پسند کیا۔
۱۷۹۶ء میں کئی ایسے مضامین شائع ہوئے جو حکومت کی سخت برہمی کا موجب ہوئے مگر چونکہ اڈیٹر صاحبان نے اظہار تاسف کیا اور آیندہ کے واسطے زیادہ احتیاط سے کام کرنے کا وعدہ کیا اس لئے گورنمنٹ نے اُن کے خلاف کوئی سخت کارروائی نہیں کی ۔ ۱۷۹۸ء میں کلکتہ کے اخبار ٹیلیگراف میں منٹر (Mentor) کے نام سے ایک مضمون شائع ہوا جس سے ہندوستانی فوج میں بغاوت اور بے چینی پھیلنے کا احتمال تھا۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ اس کا لکھنے والا کپتان ولیمسن (Captain Williamson) ملازم افواج بنگال ہے اس لئے وہ برخاست کر دیا گیا۔ مجلس نظما نے اس کی تنخواہ نصف کر دی لیکن ہندوستان واپس جانے کی بابتہ اُس کی درخواست نامنظور کر دی ۔
اسی سال چارلس ایم لین (Charles, M Lean) کے دستخط سے اخبار ٹیلیگراف میں ایک مضمون شائع ہوا جس میں غازی پور کے جج و مجسٹریٹ کے متعلق سخت نکتہ چینی کی گئی تھی حکومت نے ایڈیٹر اور مسٹر ایم لین کو طلب کر کے ہدایت کی کہ آپ دونوں صاحبان اس سرکاری افسر سے معافی مانگ لیجئے چنانچہ ایڈیٹر نے تو
(۲۹۵) حکومت کے اس حکم کی تعمیل کر دی لیکن مسٹر ایم لین نے معافی مانگنے سے قطعی انکار کر دیا۔ اس لئے اس گستاخی اور بلا اجازت جہاز کی نوکری چھوڑ کر ہندوستان میں قیام کرنے کی پاداش میں اس کو یہ سزا دی گئی کہ وہ انگلستان کو بھیجدیا گیا

مجلس نظما نے اس کارروائی کو بیحد پسند کیا چونکہ آئندہ سال میں اخبار باب ۱۱
ٹیلیگراف نے چند سخت مضامین لکھ کر حکومت کو پھر ناراض کر دیا اور اسی قسم کے
چند بیہودہ مضامین دیگر اخبارات میں بھی شائع ہوئے اس لئے گورنر جنرل
باجلاس کونسل نے اخبارات کی اشاعت کے لئے حسب ذیل قواعد مقرر
کر دئیے ؛

(۱) اخبار کے نیچے ہر ایک پرنٹر اپنا نام چھاپا کرے ؛

(۲) اخبار کا ہر ایک اڈیٹر و مالک اپنے نام اور سکونت سے حکومت
کے معتمد کو اطلاع دے ؛

(۳) اتوار کو کوئی اخبار شائع نہ ہو ؛

(۴) تاوقتیکہ حکومت معتمد ہی یا کوئی اور مقرر کیا ہوا افسر اخبار کا معائنہ
نہ کرلے اس وقت تک کوئی اخبار شائع نہ کیا جائے ؛

(۵) مرقومہ بالا قواعد کی خلاف ورزی کرنے والے کو فوراً یورپ
روانہ کر دیا جائے ؛

مجلس نظما نے ان قواعد کو منظور کر لیا اور پھر لارڈ ویلزلی نے جو مزید
قیود اخبارات پر عائد کئے انھیں بھی مجلس نظما نے منظور کر لیا جن کی رو سے سرکاری
احکام اور جہازوں کی آمد و روانگی کی خبر شائع کرنے کی ممانعت تھی تاوقتیکہ حکومت (۱۷۹۹ء)
خود اپنے گزٹ میں ان کی اشاعت نہ کرے ؛

ان قیود کے عائد کرنے سے یہ غرض تھی کہ جب تک احکام سرکاری
مسلمہ شکل اختیار نہ کرلیں اس وقت تک ان کی اشاعت نہ ہونی چاہئے اور
تجارت و سلطنت کے فوائد کو دشمنوں سے محفوظ رکھنے کی غرض سے جہازوں
کی آمد رفت کی خبروں کی اشاعت ممنوع قرار دی گئی تھی اس زمانے میں ہندوستان
کے سمندروں میں فرانسیسی بحری قزاقوں کا دور دورہ تھا اور یہ معلوم ہو گیا
تھا کہ جہازوں کی نقل و حرکت کی خبریں اگرچہ اخبارات کے پڑھنے والوں
کے شوق کے خیال سے شائع کی جاتی تھیں مگر وہ بحری قزاقوں کے جہازوں
کے کمانڈروں کے پاس روانہ کر دی جاتی تھیں جن کے باعث وہ تجارتی

باب۱۱ جہازوں پر حملہ کرتے تھے اور انگریزی مسلح جہازوں کی گرفت سے اپنے کو بچا لیتے تھے اڈیٹر صاحبان کے تمرد اور بے پروائی کے باعث مجبوراً گورنمنٹ نے پابندی عائد کر دی تھی اور اسی سے انگلستان اور ہندوستان کے اخبارات کے نقطۂ نظر کا بیّن فرق معلوم ہو جاتا ہے بادی النظر میں جہازوں کی آمد و رفت کی خبروں کو ممنوع قرار دینا نہایت سخت اور ظالمانہ کارروائی معلوم ہوگی کیونکہ یہ معمولی سے واقعات ہیں جن سے اکثر اصحاب کو تعلق رہتا ہے لیکن اگر ہم غائر نظر سے دیکھیں تو معلوم ہو جائے گا کہ اگر حکومت ان خبروں کی اشاعت کی اجازت دیدیتی تو وہ اپنا فرض منصبی ادا کرنے سے قاصر رہتی اور اپنی رعایا (۲۹۷)
کے ساتھ سخت ناانصافی کرتی کیونکہ اس سے تاجروں اور حکومت کی شہرت اور ہز مجسٹی کے امیر البحر کو سخت نقصانات پہنچتے ان خبروں کی اشاعت سے صرف یہ غرض ہو سکتی ہے کہ کلکتہ میں رہنے والے انگریز اُن کو شوق سے پڑھیں جن کی تعداد انگلستان کے ایک گاؤں کے باشندوں کے برابر بھی نہیں ہے دوسرے یہ کہ سرکاری ملازموں اور دیگر اصحاب کو وہ خبریں معلوم ہو جائیں جو اگر اخبارات میں شائع بھی نہ ہوں تو انھیں نجی ذرائع سے معلوم ہو سکتی ہیں۔

یہ معاملہ مستثنیات کا ہے لیکن ہندوستان میں اخبارات کی آزادی کے مسئلہ کو اگر غائر نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا اور ہم کو لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جب وقت تک ہمیں ہندوستان میں خود مختارانہ حکومت قائم رکھنے کی ضرورت رہیگی اس وقت تک سلطنت اور رعایا کے حق میں اس قسم کے جرائم کی سزا دینے سے اُن کا انسداد کرنا بہتر ہے بالخصوص ایسی صورت میں کہ جرم کی سزا بہت سخت ہو۔ اس آخری صورت میں حکومت کے لئے بجز اس کے اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ جب حکومت کو حقیر سمجھا جائے اور اس کے معتدل احکام کی نافرمانی کی جائے تو وہ سخت گیری سے کام لے یا اپنی رعایا کے روبرو یہ نظارہ پیش کرے کہ اسکے احکام ناواجب اور باطل ہیں۔ سنسر (Censor) کا عہدہ قائم ہونیکے بعد نہایت معمولی قسم کی چند بے ضابطگیاں ہوئیں

باب ۱۱

اور وہ ارادتاً نہ تھیں بلکہ محض بے پروائی کے باعث وقوع میں آگئی تھیں ۞
(۲۹۸) لارڈ منٹو کی حکومت نے جو کارروائیاں ایسی مذہبی کتابوں کی اشاعت[1] کے انسداد کیلئے کیں
جو یہاں کے باشندوں کو ناگوار گذریں انکو ہم تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں ۞
(۲۹۹) اس شریف النفس وائسرائے کے دور حکومت میں پریس[2] کی نہایت ہوشیاری

---

[1] پادری بوکانن Buchanan نے لارڈ منٹو کی اس کارروائی کو سابق گورنر جنرل صاحبان کے طرز عمل کے متضاد بتایا ہے لیکن لارڈ موصوف نے اپنے مراسلہ بنام رازدار کمیٹی مجلس نظما مورخہ ۷ رنومبر ۱۸۰۸ء میں پادری کے اس حملے کی پورے طور پر تردید کردی اور فورٹ ولیم کالج میں مضمون مباحثہ علمی کے متعلق لارڈ ویلزلی کی کارروائی کا اس مراسلہ میں حوالہ دیا اور غدر ویلور کا تذکرہ کرکے مجلس نظما کی رائے کا حوالہ دیا جو اس سانحہ کے متعلق اس وقت ظاہر کی گئی تھی مطبوعات کی اشاعت کی بابتہ لارڈ موصوف نے ارقام فرمایا تھا کہ "ہندوستان میں بہت عرصہ سے مطابع پر قیود عائد کردی گئی ہیں اور یہ بات ہرگز تسلیم نہیں کی جاسکتی ہے کہ کسی سابق حکومت نے ایسی اشتعال انگیز کتابوں کی اجازت دینا امن عامہ یا ہمارے مواعید کے عین مطابق خیال کیا ہو جو کمپنی نے اپنی ہندوستانی رعایا کے ساتھ کئے ہیں۔ کہ اس کو اپنے مذہب میں پوری آزادی حاصل رہے گی اور کبھی کسی مذہب کی توہین نہ کی جائے گی۔"

سیرام پور کے پادریوں کے ساتھ جو گفتگو ہوئی تھی اس کی بابتہ لارڈ منٹو نے فرمایا کہ "مطبوعات کی نگرانی کے متعلق جو قوانین اور طرز عمل گورنمنٹ کا ہے اُس میں میری حکومت نے کوئی اختراع نہیں کیا ہے اور مذہبی کتابوں کے لئے کوئی نیا قانون نہیں بنایا گیا ہے بلکہ جو پابندیاں عام کتابوں کی اشاعت کے لئے ہیں وہی مذہبی کتابوں کی اشاعت کے واسطے ہیں اور وہ صرف اس صورت میں عائد ہونگی جب ان میں ہندوستان کے مذاہب کے متعلق ایسے اعتراض درج ہوں گے جو اہل ہند کو اشتعال اور غصہ دلانے والے ہوں اور رعایا میں جن کی اشاعت سے نقض امن کا اندیشہ ہو" ۞

[2] سنہ ۱۸۱۰ء میں حضور ملک معظم کے جہازات کے بیڑے کی تقسیم کے متعلق خبر شائع کرنے کی پاداش میں اڈیٹر ان اخبار کو سرزنش کی گئی کیونکہ سرکاری حکم کی خلاف ورزی کی گئی تھی

باب ۱۱ کے ساتھ سخت نگرانی کی گئی ۔ ۱۸۱۱ئہ میں یہ حکم دیا گیا کہ ہر ایک کتاب، اشتہار اور مطبوعہ کاغذ پر پرنٹر کا نام ضرور درج کیا جائے اور پھر دو سال بعد یہ احکام نافذ کئے گئے کہ نہ صرف اخبارات ۔ نوٹس اور اشتہارات بلکہ جملہ عارضی مطبوعات بھی معتمد خاص کے ملاحظہ کے واسطے بھیجی جائیں اور جن کتابوں کی اشاعت مقصود ہو ان سب کے عنوان اُسی افسر کے پاس روانہ کر دئے جائیں تاکہ اگر وہ ضرورت سمجھے تو اس کو تنقید کرا لے یہ مزید پابندیاں ایک ایسے شریف النفس وائسرائے کے دور حکومت میں پریس پر لگائی گئیں جو اپنے عادات وخصائل کی روسے ایسا شخص نہیں تھا کہ خواہ مخواہ اپنے اہل وطن پر ایسی پابندیاں عائد کردے جن سے وہ درگذر کر سکتا تھا ۔ یہ احکام اُس کے پیشرو کی فرزانگی اور دور اندیشی کی تصدیق کے طور پر تھے اور ان کے نفاذ سے روز افزوں خرابی کے انسداد کی شدید ضرورت ظاہر ہوتی ہے ان احکام کے باعث اسے کسی کے خلاف سخت کارروائی نہ کرنا پڑی اور یہ بات بھی دیکھنے کے لائق ہے کہ محکمۂ احتساب قائم ہونے کے وقت اگرچہ کلکتہ میں پانچ اخبارات شائع ہوتے تھے جن میں ہر قسم کی یورپین خبریں اور عام و مقامی دلچسپی کے جملہ معاملات (۳۰۰) وحالات درج ہوتے تھے لیکن ۱۸۰۱ئہ سے ۱۸۲۰ئہ تک یعنی بیس سال کے دوران میں کوئی ایک موقع بھی ایسا پیش نہیں آیا جس میں حکومت کسی شخص کو انگلستان واپس بھیجنے کی دھمکی تک دینے کے لئے مجبور ہوتی ۔

لارڈ ہسٹنگز کی حکومت کے اول تین سال میں اخبار ایشیاٹک مرر (Asiatic Mirror) کے ایڈیٹر کو اس کے نامعقول رویہ کی پاداش میں کئی بار تنبیہ کی گئی اپنے طرز عمل کی تائید میں اس ایڈیٹر نے محکمۂ احتساب کے مختلف افسران کے طریقۂ کار پر سخت نکتہ چینی کی اور یہ دلیل پیش کی کہ ایسی حالت میں اڈیٹروں کیلئے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ اور پھر یہ احکام نافذ کئے گئے کہ ان ہی شرائط کا لحاظ مدراس اور بمبئی میں بھی کیا جائے ۔

۱؎ خطوط نوشتۂ ڈاکٹر برائن (Dr. Bryen) ایڈیٹر اخبار مرر (Mirror) مورخہ فروری ۱۸۰۷ئہ

باب ۱۱

بڑی دقت ہے کہ وہ کونسا راستہ اختیار کریں اس نکتہ چینی کی کچھ پروا نہیں ہوئی لیکن
اگلے سال محکمۂ احتساب توڑ دیا گیا اور اس کے بجائے اڈیٹران اخبار کے متعلق
چند قواعد[1] نافذ ہوئے اس کارروائی سے حسد انگیز محکمہ کا خاتمہ ہو گیا۔ اور قابل
اعتراض مضامین شائع کرنے کی ذمہ واری سرکاری افسر سے ایڈیٹر اخبار پر (۳۰۱)
منتقل ہو گئی لیکن اس تبدیلی سے اخبارات کے متعلق کوئی شرط منسوخ تو نہ ہوئی
بلکہ جو شرائط پہلے سے موجود تھیں ان پر اگر زیادہ سختی سے نہیں تو دیگر تدابیر کی
طرح جو اس ضمن میں اختیار کی گئی تھیں سختی سے عمل ہونے لگا اسمیں شک نہیں
کہ ان شرائط کے متعلق عام خیال یہی ہوتا لیکن باشندگان مدراس کے ایک
سپاسنامہ کے جواب میں لارڈ ہیسٹنگز نے جو تقریر فرمائی اس کے ایک فقرے سے
ایک غلط فہمی پیدا ہو گئی سپاسنامے میں لارڈ موصوف کی ایک کارروائی کی مدح سرائی
کی گئی تھی "جس سے ہماری فیاض اور منصف مزاج حکومت کو تقویت پہنچنے کی
توقع تھی کیونکہ تحقیقات اور بحث وتمحیص کی آزادی اس کی سب سے بڑی

---

[1] یہ قواعد حسب ذیل تھے کہ :-

اڈیٹران اخبار کو اُن جملہ معاملات کی اشاعت کی ممانعت کی جاتی ہے جن کا
تعلق حسب ذیل عنوانات سے ہو سکتا ہے :-

(۱) مجلس نظما یا دیگر افسران انگلستان کے متعلق حکومت ہند کی کارروائیوں پر
لعنت وملامت کرنا۔ مقامی حکومت کی سیاسی کارروائیوں کی تفتیش وجستجو کرنا۔ لارڈ بشپ
کلکتہ یا ججان عدالت العالیہ کے سرکاری طرز عمل کے خلاف اہانت آمیز الفاظ تحریر کرنا۔

(۲) ایسے مباحثات کرنا جن سے اہل ہند کے مذہبی معتقدات میں دست اندازی
ہو اور جن سے ہندوستانیوں کے دل میں خوف ودہشت یا اشتباہات پیدا ہونے کا امکان ہو۔

(۳) عنوانات بالا کے متعلق انگریزی یا دیگر اخبارات سے ایسے فقرے نقل کرکے شائع کرنا
جن سے ہندوستان میں برطانیہ کی قوت یا شہرت کو صدمہ پہنچنے کا احتمال ہو۔

(۴) افراد کے متعلق ایسے اشتعال انگیز اور توہین آمیز کلمات تحریر کرنا جن سے سوسائٹی
میں عداوت اور مخالفت ہونے کا اندیشہ پیدا ہو۔

باب ۱۱ معاون ہے"، اور گورنر جنرل بہادر کا جواب کچھ ایسے الفاظ میں تھا جن کے
بعض لوگوں نے غلط معنی لگائے اس تقریر کا یہ غلط مطلب سمجھا گیا کہ گورنر جنرل بہادر
(۳۰۲) اخبارات کی آزادی کو بہت کچھ وسعت دینا چاہتے ہیں اور اخبارات پر جو پابندیاں
عائد کردی گئی ہیں اگر وہ اس کے اس ارشاد سے منسوخ نہیں ہوئیں تو کم از کم
ان کی خلاف ورزی کرنے والوں کو انگلستان واپس بھیجے جانے کی سزا نہ ملے گی
جیسی کہ سابق گورنر جنرل صاحبان کے زمانے میں دیجاتی تھی۔

مسٹر بکنگھم (Mr. Buckingham) ایڈیٹر کلکتہ جرنل نے اپنے اس خیال کو
ظاہر کرنے اور اس پر عمل کرنے میں پیش قدمی کی اس اخبار نے ابتداء میں ایسی
قابلیت اور جودت طبع دکھائی تھی کہ ہر حالت میں وہ نہایت کامیاب ثابت
(۳۰۳) ہوتا اور جب اس نے اپنے قابلانہ مضامین کے علاوہ جو اسمیں شائع ہوتے رہتے تھے

؎ اہل مدراس کے سپاسنامے کے جواب میں لارڈ ہسٹنگز نے ارشاد فرمایا تھا کہ "اخبارات
سے میرا بعض شرائط کو منسوخ کر دینا نہایت پر شوکت الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ میں چونکہ
فطرتاً اپنے ہم وطن صاحبان کا یہ قدرتی حق سمجھتا ہوں کہ ان کو اشاعت اخبارات کی
آزادی حاصل ہے اس لئے بغیر کسی احتیاط کے میں اس کارروائی کو بآسانی اختیار
کر سکتا تھا البتہ اشد ضرورت کے وقت اس معاملہ میں کسی قدر تنگ خیالی سے کام
لے لیا جاتا اور ان نفرت انگیز جکڑ بندیوں کی کوئی خاص ضرورت نہ معلوم ہوتی تو میں
ان کو قطعی منسوخ کر دیتا لیکن میں جانتا ہوں کہ میں نہایت محتاط حکمت عملی پر عملدرآمد
کر رہا ہوں اگر ہم نیک نیتی کے ساتھ کام کر رہے ہیں تو مقتضائے دانشمندی ہے کہ
اسکی ہماری ساری عملداری میں اشاعت کی جائے۔ اگر حکومت اعلیٰ کی نیت اور ارادے
پاکیزہ ہیں تو اخبارات کی تنقید اس کے حق میں سودمند ہوگی اور اسکی دیانتداری
اور راست بازی کو کچھ صدمہ نہ پہنچے گا اگر اخبارات اس پر نکتہ چینی کریں گے
اس کے برعکس اس کی قوت میں بیحد اضافہ ہو جائے گا۔ جو حکومت کہ کسی بات کو پوشیدہ
نہیں کرتی ہے اُسے وہ قوت حاصل ہوتی ہے جو دنیا میں کسی مقتدر اعلیٰ کو میسر ہو سکتی
ہے ساری رعایا کو اس پر اعتماد ہوتا ہے اور اس کی پوری جدوجہد اس کے ساتھ

باب ۱۱

سرکاری کاموں اور اعلیٰ حکام کی ذات پر سخت حملوں کا اور اضافہ کر دیا تو اس کی اشاعت بہت زیادہ بڑھ گئی۔ اس طرح احکام اور حکومت کے ساتھ اڈیٹر کے جھگڑے نے اس کے اخبارات کے صفحات کو خاص وقعت و شہرت دے دی انگریزی اصول پر کاربند ہوکر وہ اخبارات کی آزادی کا زبردست مؤید اور حکومت کے غیر محدود اختیارات کا سخت ترین مخالف بن گیا ان وجوہ سے اُس کے بہت سے سرگرم معاون پیدا ہوگئے جو اپنے اہل وطن کے جذبات کے مطابق اس کے حامی ہو گئے تھے لیکن انھوں نے اپنے دل سے اس زبردست فرق کو بالکل محو کر دیا تھا جو انگلستان اور اس سرزمین میں ہے جہاں انھوں نے سکونت اختیار کر لی تھی۔ ان کی حمایت۔ مالی نفع اور وقتی شہرت حاصل ہونے سے وہ اپنے طرز عمل پر قائم رہا جس کا خاتمہ اس طرح پر ہوگیا کہ وہ انگلستان بھیجدیا گیا۔ اس نے اپنے ساتھ ہندوستان میں سخت برتاؤ ہونے کے خلاف مجلس نظماء اور شاہی کونسل میں مرافعہ پیش کیا لیکن ان دونوں نے اس سخت فیصلے کو جائز اور حق بجانب قرار دے کر برقرار رکھا۔

بنگال سے روانہ ہونے سے قبل لارڈ ہسٹنگز نے اخبارات کی بدلگامی روکنے کے لئے جو تدابیر اختیار کیں اور اپنے پسندیدہ انگریزی استحقاق میں نرمی کرنے کے اثرات سے مایوس ہوکر جو خیالات ظاہر کئے ان کو تفصیل سے بیان کرنے کے لئے ایک دفتر درکار ہوگا اگرچہ اس موقع پر اُس نے اپنے فرض منصبی (۳۰۴) کو نہایت اعتدال کے ساتھ انجام دیا لیکن ان حضرات کے حملے سے محفوظ نہ رہ سکا جنھوں نے چند روز پیشتر اس کو آزادی عطا کرنے والا بیان کرکے اسکی ثناخوانی کی تھی وہی اب اسے آزادی کش کہنے لگے اس کے جانشین مسٹر ایڈم و لارڈ ایمہرسٹ کی کارروائیوں پر نہایت سخت حملے کئے گئے کیونکہ کلکتہ جرنل

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ کاموں میں شامل ہوتی ہے۔ ظالم فرانس سے سخت مقابلہ میں ہمارے محبوب وطن کو جو فتح مندی حاصل ہوئی ہے وہ خود زبان حال سے اس اسپرٹ کی قدر و قیمت کو بتا رہی ہے اور یہ اسپرٹ صرف ان لوگوں میں پائی جاتی ہے جو اپنے حقیقی خیالات اور جذبات ظاہر کرنے کے عادی ہیں

باب ۱۱ کے ایڈیٹراں کے مسلسل جرائم کی بابتہ انھیں بھی سخت کارروائیاں اختیار کرنی پڑی تھیں لارڈ ایمہرسٹ نے عدالت العالیہ کی منظوری سے چند قوانین نافذ کئے جن کی رو سے ہر ایک اخبار رسالہ اور کتاب کے چھاپنے سے پیشتر اس کے پرنٹر کو ایک اجازت نامہ حاصل کرنا پڑتا تھا اور مطبع کے متعلق جو قواعد مقرر تھے ان میں سے اگر کسی ایک قاعدہ کی بھی خلاف ورزی کی جاتی تھی تو وہ اجازت نامہ منسوخ کر دیا جاتا تھا ان قوانین کے نفاذ پر ایک جماعت نے لارڈ موصوف کے خلاف اتہامات اور الزامات کی بوچھاڑ کرنی شروع کر دی۔ یہ قانون سب لوگوں کے واسطے یکساں تھا اور اس وجہ سے یہ قانون محکمہ احتساب سے بہتر متصور ہوتا تھا جس کے بموجب حکومت کو صرف یورپینوں کو جلا وطن کر دینے کا حق حاصل ہوتا تھا اور اس لئے اینگلو انڈین اور ہندوستانی تمام قانون کی معمولی سزا کے علاوہ اس خاص سزا کے مستحق نہ ہوتے تھے اور اپنی مرضی کے مطابق جو چاہتے تھے چھاپ کر شائع کر ڈالتے تھے مدراس اور بمبئی کے قانون مطابع کی تاریخ بھی ایک مختصر پیمانے پر کلکتہ کے قانون کی مانند ہے۔

(۳۰۵) مدراس پریسیڈنسی میں صرف ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ تیس سال ہوئے کہ ایک ہتک آمیز مضمون لکھنے کی پاداش میں ایک[1] اڈیٹر کو انگلستان واپس جانے کا حکم دیا گیا۔ اس صوبے میں چونکہ محکمہ احتساب بدستور قائم ہے غالباً اسی وجہ سے پھر اس قسم کی کوئی اور سخت کارروائی کرنے کی ضرورت لاحق نہیں ہوئی یہ بیان کر دینا بھی ضروری ہے کہ جس زمانہ میں فاضل اور محترم لارڈ ولیم بنٹنگ برسر حکومت تھا اس وقت سر ہنری گوایلم (Sir Henry Gwillim) جج نے اعلیٰ جیوری کے خلاف سابق اجلاس میں جو اعتراض کیا تھا اس کی ایک نقل حکومت کے پاس اس درخواست کے ساتھ روانہ کی کہ اسے شائع کر دیا جائے لیکن یہ درخواست منظور نہیں ہوئی کیونکہ اُس اعتراض میں اس ملک کی سول حکومت پر ایک حملہ درج تھا۔ گورنر صاحب نے اس قسم کی جملہ مطبوعات کے متعلق اس

[1] جس جہاز پر کہ وہ سوار کیا گیا تھا اس پر سے وہ نکل کر بھاگ گیا۔

باب ۱۱

موقع پر اپنے حسب ذیل خیالات ظاہر کئے "کہ میری رائے میں امن عامہ کے لئے اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ ہندوستان میں اخبارات کی سخت نگرانی کی جائے اس سے غرض نہیں کہ خطرناک مضامین کسی شخص کے قلم سے نکلے ہیں لکھنے والا جسقدر بڑا شخص ہوگا اتنی ہی زیادہ مضرت اس کی تحریر سے پہنچے گی"؛

گورنر کی یہ رائے نہایت منصفانہ تھی چونکہ وہ انگریزی اخبارات کی آزادی کے حقیقی اصولوں سے پورے طور پر واقف تھا۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ وہ
(۳۰۶) ہماری ہندوستانی سلطنت کی ساخت سے بخوبی آگاہ تھا اور اسے یہ بات
ہرگز گوارہ نہ تھی کہ واہ واہ حاصل کرلے یا اپنی ذمہ داری ترک کرنے کے باعث وہ اپنے دورِ حکومت میں حکومت کے کسی شعبہ کو مضرت پہنچنے دے؛

۱۷۹۱ء میں صوبۂ بمبئی کے پریس ایک سرکاری افسر کی نگرانی میں دیدئے گئے اور یہ نگرانی اس وقت تک بدستور جاری رہی جب تک کہ کلکتہ میں محکمۂ احتساب قائم رہا اور کلکتہ میں اس محکمہ کے ٹوٹنے کے بعد بمبئی میں بھی یہ محکمہ توڑ دیا گیا۔ اگرچہ پریس کے متعلق بہت سے مباحثات ہوئے لیکن حکومت کو کوئی سخت کارروائی نہ کرنا پڑی بالآخر صاحب گورنر بہادر نے باجلاس کونسل بمبئی گزٹ کے ایڈیٹر مسٹر فیر (Mr. Fair) کو انگلستان واپس جانے کا حکم دیا چونکہ ایک جج عدالت العالیہ نے یہ شکایت پیش کی کہ میرے اجلاس کی قانونی کارروائی کے متعلق مسٹر فیر نے غلط واقعات شائع کئے ہیں؛

چونکہ یہ شکایت ایک جج عدالت العالیہ نے سول حکومت سے کی تھی اور اس سے اعانت کی درخواست کی تھی اس لئے تاوقتیکہ جج صاحب کی شکایت کی تردید نہ کیجائے وہ شکایت نہایت وزنی اور ضروری تھی اور اسی وجہ سے شکایت پر سخت کارروائی عمل میں لائی گئی اور اسکی قابل تردید وجہ یہ ہے کہ ہماری جیسی حکومت کے احکام کی اگر لوگ مخالفت کریں اور اسمیں وہ کامیاب ہوجائیں تو ہماری حکومت کی قوت کا وہ اثر زائل ہوجائے گا جو مختلف اور اہم فرائض کو انجام دینے کے لئے ضرور قائم رکھنا چاہیئے ہندوستان میں یوم قیام سے اس وقت تک کی تاریخ مطابع صرف اسی قدر ہے اور کلکتہ کے جدید واقعات سے انگلستان میں جو مباحثات پیدا ہوئے

(۳۰۷) اور جو مطبوعات شائع ہوئیں ان کے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ خاکسار
مصنف نے اس مسئلہ کے متعلق اپنے خیالات تفصیل کے ساتھ انڈیا ہاؤس کی
ایک بحث میں ظاہر کردئے تھے جو اسی کتاب کے ضمیمہ ۶ میں آپ ملاحظہ کرینگے
لیکن اس موقع پر میں چند معمولی امور بتائے دیتا ہوں اور میں امید کرتا ہوں کہ
نہایت سکون اور غور کے ساتھ ان کو پڑھا جائے گا چونکہ ہماری سلطنت ہند
کے متعلق یہ ایک نہایت ہی اہم مسئلہ ہے اور اس وجہ سے یہ اس کا مستحق ہے کہ
آپ سکون اور غور کے ساتھ اس کو ملاحظہ کریں انگریزوں کو ایسے اصولوں پر راضی
کرنا کچھ آسان کام نہیں ہے جو لبظاہر اس آزادی کے منافی ہوں جس کے وہ
اپنے بچپن سے خوگر ہیں لیکن ان اصولوں سے قدرے گریز کرنے کی معقولیت کی
تائید کرنے سے غالباً وہ انکار نہیں کریں گے اگر انھیں یہ ثابت کرکے دکھا دیا
جائے کہ ان کے ملک کی مرفہ الحالی اور نام وری قائم رکھنے اور دیگر اقوام کی
سود و بہبود کے واسطے ان کی شدید ضرورت ہے جو اگرچہ ہمارے زیر حکومت
ہیں اور انشاء اللہ وہ عرصہ دراز تک ہمارے زیر نگیں رہیں گے لیکن اُن کی
سوسائٹی کی حالت ہم سے بالکل جداگانہ ہے ۔

اس مسئلہ کے متعلق ہم کسی صحیح نتیجہ پر صرف اس صورت میں پہنچ سکتے ہیں
کہ ہم آزادی اخبارات کی عام نوعیت کو پورے طور پر ملاحظہ کریں اور اس آزادی
سے ہندوستان میں ہماری رعایا کے مختلف فرقوں پر جو اثرات پڑیں گے ان پر
ہم غور کریں ۔ ساری مہذب دنیا میں آزادی اخبارات ملک کی بھلائی یا
بُرائی کے لئے ایک زبردست آلے کا کام دیتی ہے اگر وہاں کے باشندوں
کا علم ان کے اداروں اور وہاں کی حکومت کی تشکیل اس قسم کی ہے کہ اخبارات
(۳۰۸) کو آزادی دی جائے تو اس صورت میں اخبارات کی آزادی ملک کے حق
میں مفید ہوگی اور اگر معاملہ برعکس ہے تو اخبارات کی آزادی اس ملک کے
حق میں سخت مضرت ناک ہوگی ۔

سلطنت کی کارروائیوں اور اس کے عمال کے طرز عمل پر اخبارات
کو آزادی کے ساتھ رائے زنی اور نکتہ چینی کی اجازت دینا اس صورت میں

مناسب ہے جبکہ رعایا آزاد خیال ہو جس کے روبرو اخبارات اپنے خیالات
اور اپنی تنبیہات پیش کرتے ہوں تاکہ اخبارات کی رائے کو وہ سمجھیں اور ان کے
ہم خیال بن جائیں تاکہ ان کی رائے کے اثرات سے بدنظمی کا انسداد ہو جائے
اور پبلک میں برہمی پیدا کرنے یا اس کو ناگوار ہونے کا خوف اخبارات کو مجبور
کرے گا کہ وہ ان اصحاب کی ہر ایک کارروائی پر نہایت اعتدال اور انصاف
کے ساتھ نکتہ چینی کریں جن کے ہاتھ میں سلطنت کے معاملات کے نظم و نسق
کی زمام دے دی گئی ہے لیکن آزاد خیال پبلک کی اس حالت کے کسی جزو کا بھی
ہماری سلطنت ہند پر اطلاق نہیں ہوتا ہے ہندوستان کی انگریز رعایا اتنی ہی
معزز ہے جتنی کہ کوئی اور جماعت دنیا میں ہو سکتی ہے لیکن انگریزی اصطلاح
کے مطابق اُسے پبلک نہیں کہہ سکتے ہیں ان میں سے زیادہ تر سول اور فوجی
محکموں کے ملازم ہیں جو زیادہ تر مقامی حکومت کے ماتحت ہیں اور ان کی ملازمت
کا اسی کی خوشنودی پر انحصار ہے باقی ماندہ سوداگر۔ تاجر۔ عیسائی مبلغین۔
دکاندار اور کاریگر ہیں جو حکومت کے ملازم نہیں ہیں انھیں برطانوی قانونی
عدالتوں کی نگرانی میں جملہ انگریزی حقوق حاصل ہیں البتہ انھیں وہ حقوق نہیں
دئے گئے ہیں جن کا اُن کے قبضے میں ہونا سلطنت ہند کے حق میں خطرناک
ہو سکتا ہے اور جو حقوق کہ انگریزوں کو نہیں دئے گئے ہیں اُن کی ضرورت
بھی شاذ و نادر ہی محسوس ہوتی ہے کیونکہ ہمارے آزاد دستور کی نوعیت کچھ
اس قسم کی ہے کہ خواہ انگریز کسی ملک اور کسی حیثیت میں کیوں نہ ہوں وہ اُن (۳۰۹)
کی نگرانی اور حفاظت کرتا رہتا ہے اس کے سود مند اثر سے ایسے خود مختارانہ
اختیار کی اصلاح ہو جاتی ہے جو غیر ملکوں میں حکومت کرنے کے واسطے انگریزی
سلطنت کو دئے جاتے ہیں اور ہر ایک انگریز اس کی حمایت کرتا ہے اور
انگریزوں کی جو مقتدر جماعت ہندوستان میں قائم ہو گئی ہے اُس کے دل میں
اس کا خیال پیدا ہو گیا ہے جو آئندہ زور پکڑتا رہے گا اور اس سے ہماری
توقعات کے مطابق حکومت کی کارروائیوں کی نہایت معقول روک تھام ہوتی رہیگی
جسے واقعات کے لحاظ سے نہایت زبردست اور بعض امور میں مطلق العنان

باب۱۱

ہونے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہندوستان میں ہماری بادشاہی کے مناسب حال انفرادی آزادی پائی جاتی ہے لیکن اگر کوئی شخص ہندوستان کی غیر قومی حکومت کو جو غیر معمولی واقعات نے ہم کو عطا کی ہے اگر انگلستان کی قومی سلطنت کے مانند اور مشابہ بنانے کا خواہاں ہو اور اسی خیال کو مدنظر رکھ کر وہ ہندوستان کی حکومت کی کارروائیوں پر نکتہ چینی کرے اور حکام پر اعتراضات کی بوچھاڑ کرے۔ شکایات اور تکالیف کی تشہیر کرے داخلی و خارجی حکمت عملی کے مسائل پر ردو قدح کرے اہل ہند کے رسم و رواج اور مذہب کا مضحکہ اڑائے تو اس کی ان حرکتوں کا لازمی نتیجہ نافرمانی۔ بے چینی اور بد دلی برآمد ہوگا اور تاوقتیکہ زبردست سیاسی قیود اور پابندیاں عائد
نہ کی جائیں حکام کی سخت سے سخت تنبیہات اور وقتاً فوقتاً قانونی چارہ جوئی ۳۱۰
لوگوں کو ایسی حرکتوں سے ہرگز باز نہیں رکھ سکتیں جن کی بدولت ان کو مالی نفع و شہرت حاصل ہوتی ہے اور یہ شہرت اور جلب منفعت گویا معاوضہ ہے ان کے زبردست حملوں کی داد کا اور تلافی ہے اس نقصان کی جو جج صاحبان سرکاری قانون یا جوری کے زور سے ان کو پہنچاتے ہیں۔ مزید براں ممبران جیوری ان حضرات کو مخالفانہ نظر سے نہیں دیکھ سکتے ہیں جو برسر اقتدار حکام یا ان سے معزز افراد پر حرف گیری کرتے ہیں۔ اخبارات کی آزادی سے یورپین حکام کو جن نقصانات کے پہنچنے کا احتمال ہے اُن سے کہیں زیادہ باشندگان ہند کو نقصانات پہنچنے کا اندیشہ ہے اس لئے اس مسئلہ پر اپنی قوم کی فلاح سے بہت زیادہ اہل ہند کے بہبود کو مدنظر رکھنے کی ضرورت ہے

۱؎ آج کل اکثر والیان ریاست کے دربار سے اخبارات شائع ہوتے ہیں جو ایک طرح کے سرکاری گزٹ ہیں اور ان میں جھوٹے سچے واقعات بلا تنقید اور رائے زنی کے درج ہوتے ہیں ان اخبارات کے ایڈیٹر ملازمان ریاست ہوتے ہیں اور اس واقعہ سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ان اخبارات کو انگریزی اخبارات سے کسی قسم کی مشابہت اور مناسبت حاصل نہیں ہے؛

انگلستان کے واسطے یہ بات قطعی ناممکن ہے کہ وہ اہل ہند کو علم وفضل کی برکات باب ۱۱
سے محروم رکھے لیکن جس طور پر انھیں علمی برکات سے مستفیض کیا جائے گا اسی طور و طریقہ
پر اہل ہند کی خوش حالی اور انگلستان کی عظمت کا دار و مدار ہو گا۔ اس لئے
نہایت حزم و احتیاط کے ساتھ اشاعت تعلیم کے متعلق ہمیں بہترین رائے قائم کرنی
چاہیئے کوئی ایسا شخص اخبارات کو آزادی عطا کرنے کی سفارش کریگا جس نے (۳۱۱)
اہل ہند کی گذشتہ تاریخ کا بغور مطالعہ کیا ہے اور وہ ان کی موجودہ حالت
اور ان کی خصلت و سیرت و حالت سے بخوبی واقف ہے۔ جب ہم اپنی رعایا
کو بتدریج ترقی دیکر اخبارات کی آزادی سے بہرہ مند ہونے کے قابل بنا دیں گے
اس وقت یہ استحقاق ان کو دیا جائے گا اور ہماری اس پالیسی کی کوئی نظیر اُن
کی گذشتہ تاریخ میں موجود نہ ہوگی اور ہمارا یہ عطیہ اس وقت اور بھی زیادہ
شریفانہ قرار پائیگا جب کہ ان میں اسی کی بدولت یہ عقیدہ پیدا ہو جائے گا
اور برقرار رہیگا کہ قومی خیالات اور آزادی کی تمنا غیر ملکی حکومت کی غلامی
کے ساتھ خواہ وہ کیسے ہی منصفانہ اصول اور فراخ دلی پر مبنی ہو نہیں چل سکتی
ہے۔ اخبارات کی آزادی کو وہ معدودے چند یورپین صاحبان ضرور پسند
کرلیتے ہیں جو ہندوستان کے بڑے شہروں میں رہتے ہیں اور ان ہی کی تائید
اور اعانت سے اخبارات کو مقامی حکومت کی کارروائیوں اور اہل ہند کے
مذہب اور رسم و رواج پر حملہ کرنے کی جسارت اور تقویت حاصل ہوئی ہے
اور آئندہ بھی ہوگی اور صرف قانونی کارروائی سے اس اثر کا ازالہ ہرگز نہیں
ہو سکتا ہے کیونکہ ایڈیٹر صاحبان کو حکومت اور اُس کے افسران کے مقابلہ
میں جو فتح مندی حاصل ہوئی ہے اُس سے ایک قلیل مدت ہی میں انگلستان
اور ہندوستان دونوں مقامات پر انھیں بہت کچھ تقویت حاصل ہو جائے گی
کیونکہ ہندوستان میں رہنے والے انگریزوں کی بھی بیشتر تعداد ان تعلقات سے
بالکل لاعلم ہے جن کی بدولت ہم ہندوستان پر حکومت کر رہے ہیں جو حضرات
کہ انگریزی قانون سے آگاہ ہیں وہ اپنی عادت اور تعلیم کے باعث عموماً آزادی
کے حامی ہیں ہندوستان میں رہنے والے بہت سے یورپین صاحبان اپنی (۳۱۲)

باب ۱۱ موجودہ حالت سے بیزار اور آیندہ کی فلاح کی توقعات سے مایوس ہیں۔ بڑے شہروں میں رہنے والے بعض انگریز اپنے انگریزی خیالات اور جذبات پر بدستور قائم ہیں اور وہ اپنے شہر سے باہر کے ہندوستانیوں کے خیالات اور ملک کی حالت سے بالکل ناآشنا ہیں۔ یہ حضرات بسا اوقات (اپنے پندار میں اس کو جائز سمجھکر) ان تمام امور سے تنفر ظاہر کر لیتے ہیں جو اُن کی رائے میں مشرقی خود مختاری کا نمونہ معلوم ہوتے ہیں۔ بہت سے اصحاب ایسے ہیں (اور ان کی تعداد روز افزوں ترقی پر ہے) جو تعلیم اور مذہب کی اشاعت کے واسطے نہایت سرگرمی کے ساتھ جد و جہد کر رہے ہیں وہ نہایت جوش کے ساتھ ہر ایک ایسی امداد کا خیر مقدم کرتے ہیں جس سے ان کے مقاصد تعجیل کے ساتھ حاصل ہو سکیں گے اور یہ کوئی استعجاب کا مقام نہیں اگر یہ حضرات ہندوستان میں اخبارات کی آزادی کو اس کے لئے ضروری تصور کریں اس لئے لاعلمی۔ بددلی۔ تعصب اور جوش و خروش کی بدولت ہندوستان میں اخبارات کو آزادی دینے کے حامیوں کی تعداد ترقی کر رہی ہے اور ان باتوں کا اثر انگلستان کے ان اصحاب پر بھی پڑ رہا ہے جو ہندوستان کی حالت اور یہاں کی تاریخ سے قطعی لاعلم یا برائے نام واقفیت رکھتے ہیں لیکن واقف کار حضرات کو باور کرایا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کے واسطے معجون مرکب کی ضرورت ہے جس کے چند اجزا اگرچہ انگلستان کے واسطے ناموزوں ہونگے اور نہ صرف انگلستان کا نفع بلکہ انسانیت اور اشاعت علوم کا فائدہ اسی میں ہے کہ ہم نہایت استقلال کے ساتھ اس رائے پر قائم رہیں اور اختراع اور نامناسب سرگرمی اور اس کے ساتھ اسی قسم کی دوسری باتوں کو روکتے رہیں؛ (۳۱۲)

کہا جاتا ہے کہ اخبارات کو آزادی عطا کرنے سے ہماری مخلوط النسل یا اینگلو انڈین رعایا کی حالت درست ہو جائے گی۔ اور اس میں علوم و فنون رائج ہو جائیں گے ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس جماعت کی طرف حال ہی میں کس قدر توجہ کی گئی ہے اس میں اتنا اضافہ کرنا ضروری ہے کہ اس جماعت کی اصلاح اور ترقی کے لئے

باب ۱۱

جو تدابیر اختیار کی گئی ہیں ان میں اخبارات کی آزادی سے کامیابی حاصل ہونے کے بجائے سخت ناکامیاں پیش آئیں گی چونکہ وہ جماعت ابھی صرف مبتدی ہے اس لئے اخبارات کی آزادی اس کے حق میں نہایت مہلک عطیہ ثابت ہوگی۔ کیونکہ یہ آزادی اُسے نیکی اور اعتدال کی بجائے نافرمانی۔ نااتفاقی اور گمراہ کن حرص وہوس کی تعلیم دیگی حالانکہ اس جماعت کا سلطنت میں وقار اور اعزاز حاصل کرنا صرف اُس کی مستعدی۔ جفاکشی اور اعلیٰ قابلیت پر منحصر ہے۔ ہندوستان میں اخبارات کو سردست جس قدر حقوق دئے گئے ہیں ان سے مستفید ہوکر یہ جماعت ضروری معلومات حاصل کرسکتی ہے لیکن اگر مقررہ حدود سے تجاوز کرنے کی اجازت دیدی جائے تو یہ اخبارات اس جماعت کے حق میں نہایت مضرت رساں ثابت ہوں گے کیونکہ اخبارات کی آزادی سے اس جماعت کو توکوئی نفع پہنچ نہیں سکتا اور بفرض محال اگر وہ کسی قسم کی منفعت یا مضرت اس جماعت کو پہنچانا بھی چاہیں تو اُس کا اثر معدودے چند یورپین[1] صاحبان پر پڑے گا اور اس منفعت اور مضرت کی کچھ حقیقت نہیں اگر ہم اس واقعہ پر غور کریں کہ آزادی کا بہت زیادہ اثر ہمارے ۸ کروڑ رعایا پر ضرور پڑجائیگا۔

(۳۱۴) اس جماعت کی حالت پر بحث کرنے سے پیشتر ہمیں یہ بات تسلیم کرلینی چاہئے کہ ہندوستان میں انگریزی حکومت جیسی اور کوئی سلطنت نہیں ہوئی ہے جس کے خیالات انگریزوں جیسے منصفانہ اور فیاضانہ ہوں اور جو اپنے شاہی فرائض کو ایسی بردباری اور اعتدال سے انجام دینے کے خواہاں ہوں چونکہ اب سلطنت برطانیہ کو عدیم النظیر قوت حاصل ہوگئی ہے اس لئے اب وہ اپنی وسیع سلطنت کی رعایا کی تدریجی اور مستقل و مستحکم ترقیات کی تدابیر سوچتی ہے لیکن جو برکات کہ ہم اپنی رعایا کو سلامتی کے ساتھ عطا کرنے کے خواہاں ہیں اگر ان میں احمقانہ طور پر عجلت کی گئی تو ان سب اعلیٰ توقعات

[1] سول اور فوجی ملازموں کے علاوہ ہندوستان میں اندازاً ۳ ہزار یورپین ہیں۔

پر پانی پھر جائے گا۔ اس طور سے ہم نہ صرف اپنی تباہی کے موجب بنیں گے بلکہ
ہندوستان میں اس سے کہیں زیادہ بدامنی اور مصیبت پھیل جائے گی جو ہمارے
آنے کے وقت تھی اس افسوسناک حالت کو اور ترقی حاصل ہوگی اگر آزاد ممالک
جیسے قوانین کی پابندی کے ساتھ اخبارات کو آزادی عطا کر دی جائے گی کیونکہ
ہندوستان میں آزادی اور حریت کے معنی سمجھنے سے پیشتر رعایا کے خیالات
بدلنے کی ضرورت ہے اور ان برکات سے مستفید ہونے سے پیشتر غیر ملکی حکومت
سے اُس کو گلو خلاصی اور آزادی حاصل کرنی لازمی ہے اور ہماری اس رائے
کو سمجھنے کے واسطے اشد ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اہل ہند کے کیرکٹر
کا بغور مطالعہ کریں ہندوستان میں ہماری رعایا کی دو بڑی جماعتیں مسلمان اور
ہندو ہیں۔ مسلمان اگرچہ تعداد میں کم ہیں لیکن ہندوستان میں ہماری سلطنت
قائم ہونے سے انھیں کو بہت زیادہ نقصانات پہنچے ہیں لیکن مسلمانوں کے
(۳۱۵) ہاتھ میں ہماری سلطنت کا پانسہ الٹ دینے کے ایسے ذرائع موجود نہیں ہیں جسقدر
کہ ہندوؤں کے پاس ہیں اگرچہ مسلمانوں میں اب وہ مذہبی جوش موجود نہیں
جو کسی زمانے میں تھا اور جو اُن میں اتحاد اور قوت پیدا کرنے کا موجب ہوتا
تھا پھر بھی کاہلی اور بدخصلتی کے باوجود ان میں ابھی ہمت و شجاعت موجود
ہے اور اسی وجہ سے وہ نہایت خطرناک ہیں۔ اُن کی حالت ہر وقت تبدیل
ہو سکتی ہے اور چونکہ وہ عیش پرستی کے بہت مشتاق ہیں اس لئے اس کے
شوق میں وہ ہر ایک خطرناک حرکت کرنے پر آمادہ اور تیار ہو سکتے ہیں یہ
قوم عیار اور غیر مطمئن لوگوں کا بہ آسانی آلۂ کار بن سکتی ہے ہندوؤں میں اگرچہ
ہر قسم کے انسان داخل ہیں۔ کامل ہوشمند سے لے کر انتہائی کودن تک۔ ان
میں نہایت دلاور لوگ بھی ہیں اور بیحد ڈرپوک بھی۔ اگرچہ قوم۔ ذات اور پیشے
کے لحاظ سے وہ ایک دوسرے سے علحدہ ہیں لیکن اسی کے ساتھ چند عام
جذبات ایسے بھی ہیں جن سے کہ وہ متحد ہو سکتے ہیں اور تعلیم یافتہ ہندو اچھی
طرح جانتے ہیں کہ موقع اور ضرورت کے وقت مختلف ہندوؤں کو کسطرح
متحد کیا جا سکتا ہے برہمن اور ملازمت پیشہ ہند و صدیوں تک برائے نام

باب ۱۱

ملازم اور فی الحقیقت اپنے ملک کے جاہل و باطل پرست مگر بہادر اور مفسد فرقوں کے آقا بن کر رہے ہیں اپنی اس خطرناک قوت سے بار ہا کام لینے کے باعث اس کے استعمال میں وہ خوب ماہر ہیں اور اگر ہم اس حقیقت پر غور کریں کہ ہندوستان میں ہماری حکومت قائم ہونے سے انھیں کیا نقصان پہنچا تو پھر یہ توقع کرنا محض حماقت ہے کہ وہ ہماری عملداری پلٹ دینے کی کوشش نہیں کریں گے۔ (۳۱۶)

چونکہ ہم ہمیشہ مختلف تدابیر کرتے رہتے ہیں اسلئے ان تدابیر کے اختیار کرنے میں ہمکو ہمیشہ یہ احتیاط مدنظر رکھنی چاہیے کہ ہم کوئی ایسی کارروائی نہ ہونے دیں جو ہمارے مخالفین کی کامیابی میں معاون ثابت ہو اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب تک کہ اہل ہند کے خیالات تبدیل نہ ہوں۔ اُن کے تعصبات دور نہ ہوں اور ان میں بتدریج تعلیم کی اشاعت نہ ہو جائے اُس وقت تک برہمنوں اور دیگر تعلیم یافتہ ہندو استانیوں کے ہاتھ میں آزاد اخبار کا سا کوئی ہتیار نہ دینا چاہئے جسے وہ ہمارے خلاف استعمال کرنا جانتے ہوں اولاً وہ ہماری دیسی فوج کو خراب کرنے کی کوشش کریں گے کیونکہ وہ اپنی حالت سے خود واقف ہیں اور اپنی تنخواہ کے ادنےٰ درجے سے بھی نابلد نہیں ہیں اس لئے ان بہادر اور اطاعت شعار لوگوں کی وفاداری پر جو نامعقول حملے ہوں ان سے ان کی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے اور ہمارا نفع بھی اسی میں ہے اگر خدانخواستہ ہماری فوج کے کسی حصے سے جھگڑا ہوا تو گویا وہ زنجیریں ٹوٹ جائیں گی جو ہماری سلطنت کے وجود کے لئے ضروری ہیں اگر بائی ہندوستانی فوج کا مقابلہ ہم نے انگریزی فوج سے کرایا تو صرف ایک مختصر زمانے کے واسطے ہمیں کامیابی حاصل ہو جائے گی لیکن اس وقت سے ہم صرف اپنی فوجی طاقت پر بھروسہ کرنے لگیں گے اور اس کے بعد وہ زنجیر ٹوٹ جائیگی جس کی بدولت سلطنت ہند ہمارے قبضے میں ہے اور پھر ہم ننئے نئے مشکلات اور خطرات میں مبتلا ہو جائیں گے جس کا افسوسناک انجام ہماری سلطنت کا خاتمہ ہوگا۔ ہماری رعایا اور ہماری دیسی فوج میں سانچینی

باب ۱۱ پھیلانے کے واسطے ہمارے ہوشیار دشمنوں نے جو تدابیر اختیار کی ہیں ان میں انھیں قدرے کامیابی حاصل ہوگئی ہے اسی سے ثابت ہے کہ اگر اخبار کو آزادی دیدی جائے تو پھر دیسی زبانوں میں رسائل اور اشتہارات وغیرہ مشتہر ہوں گے جن سے زبردست خطرات رونما ہونے کا قوی احتمال
(۲۱۷) ہے۔ جو اندیشے ہم نے ظاہر کئے ہیں ان کے متعلق مثالیں اور واقعات بیان کرنے کی چنداں حاجت نہیں ہے یہاں پر صرف اس قدر عرض کر دینا کافی ہے کہ اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں اور ان سب کی غرض یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں ہماری قوت کے خلاف مخاصمانہ جذبات پیدا کئے جائیں۔

ان واقعات کی موجودگی میں احتیاط اسی کی مقتضی ہے کہ اخبارات کی نہایت سختی کے ساتھ نگرانی کی جائے اگر لوگوں کو حکومت اور افسروں کی توہین و تذلیل کرنے والیان ملک اور رؤسا کی وقعت ان کی رعایا کی نظر میں کم کرنے اہل ہند کے رسم و رواج پر حملے کر کے انھیں پریشان اور خوف زدہ کرنے۔ بغاوت و غداری کے اصول کی حمایت اور تشہیر کرنے سے باز نہ رکھا گیا تو ہماری قوت کا بتدریج زوال اور بالآخر خاتمہ ہو جائے گا اور اس کام کو
(۲۱۸) اخبارات قانون انگلستان کی مطلق خلاف ورزی نہ کرکے اور اس شرارت کے حامیوں کی بدنیتی کے بدون بآسانی انجام دے سکتے ہیں۔ ان کی محدود واقفیت اور نامکمل معلومات اور اُن کی سرگرمی مل جُل کر انھیں ان خطرات

لے نہایت معتبر دستاویزات سے ثابت کیا جا سکتا ہے کہ انگریزی حکومت کا قلع قمع کرنے کے واسطے گذشتہ ۲۵ سال میں بہت سے اشتعال انگیز کاغذات بشکل اعلانات۔ خطوط اور پیشین گوئی شائع کئے گئے ہیں اور ان سب میں ہماری دیسی فوج کو مخاطب کر کے اُن کے جذبات کو برانگیختہ کئے گئے ہیں بعض اوقات ان تحریروں کا نہایت زبردست اثر پڑا ہے لیکن افشاء راز کے اندیشہ اور ان تحریرات کی مزید کاپیاں تیار کرنے کی دقت نے انکی اشاعت کو ملک کے خاص حصوں تک محدود کر دیا ہے اور اس وجہ سے ہمارے دشمن جو نقصان پہنچانا چاہتے تھے وہ نہیں پہنچ سکا۔

باب ۱۱

کے دیکھنے کے لئے اندھا کر دیں گے جو وہ خود پیدا کر رہے ہیں اور ان سے زیادہ گہرے لوگ اپنے دوسرے مقصد کی تائید میں جو بہت سوں کے نزدیک قابل وقعت ہوگا ان اصحاب کا نام لیں گے اور انھیں آزادی۔ مفید معلومات اور صحیح مذہب کی اشاعت کا حامی بتائیں گے۔

جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انگلستان کی طرح ہندوستان میں اخبارات کو آزادی دینا اس حکومت کے ہرگز موزوں نہیں ہے جو ہم نے ہندوستان میں قائم کی ہے ہندوستان میں ہماری حکومت کا خاتمہ رعایا کے حق میں سودمند ہونے سے بہت پیشتر ہی اخبارات کی آزادی نہایت تعجیل کے ساتھ ہماری قوت کو ختم کرنے کا موجب ہوگی اور اس آزادی کی بدولت اینگلو انڈین اور یورپین اصحاب کی ترقیات کی جملہ تدابیر کامیاب ہونے کے بجائے مسدود ہو کر رہ جائیں گی اور ان کا شوق ان کے قومی تعصبات اور ذاتی خیالات پورے ہونے کے بجائے اخبارات کی آزادی انھیں فرقوں اور جماعتوں میں تقسیم کر دیگی جو ہر لحاظ سے ہماری رعایا کے اس اہم مگر مختصر جماعت کے امن اور چین اور مفاد کے حق میں سخت مضرت رساں ثابت ہوگی اس حقیقت سے انکار نہیں کہ اخبارات کی آزادی غیظ کی اسپرٹ پیدا کرتی اور بعض پوشیدہ قوتوں کو متحرک کر دیتی ہے اور ہم اس حقیقت کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ سرکاری ملازمان اور ان کی کارروائیوں پر تبصرہ و تنقید کرنے سے عمدہ نتائج برآمد ہوتے رہیں اور بھی حرکات کی بہت کچھ روک تھام ہو جاتی ہے لیکن ہندوستان میں انگریزی
جیسی حکومت میں یہ فوائد برائے نام اور غیر یقینی ہیں البتہ آزاد اور بے لگام اخبارات (۳۱۹)
عام اور بے شمار خرابیاں پیدا ہونے کا دروازہ کھول دیں گے۔ ہندوستان کے اخبارات پر بحالت موجودہ کوئی ایسی پابندی عائد نہیں ہے جس سے کہ وہ اپنی مرضی کے موافق کسی بڑے پیمانہ پر کوئی نیک کام انجام نہ دے سکیں البتہ انھیں حکومت پر ایسے حملے کرنے کی اجازت نہیں دی گئی ہے جن سے کہ حکومت کا وقار جاتا رہے کیونکہ حکومت کو اپنے فرائض انجام دینے کے واسطے اس وقار کے قائم رکھنے کی اشد ضرورت ہے اخبارات کو ایسے مضامین شائع کرنے کی بھی ممانعت

باب ۱۱ ہے جن سے سوسائٹی درہم برہم ہو جائے اور لوگوں کے خیالات اور جذبات میں اسقدر انتشار اور اشتعال پیدا ہو جائے جس کا انجام بے چینی۔ بے وفائی اور بالآخر غداری اور بغاوت ہو ان قیود کے علاوہ اُنھیں ہر قسم کی کامل آزادی اور ترغیب حاصل ہے جس کی ایک اشاعت کا حامی خواہش کرسکتا ہے (اور ایک متصف مزاج حکومت کے لئے اشاعت ضروری بھی ہے) علوم وفنون اور مہذب زندگی کے متعلق ہر قسم کی ترقیات پیش کرنے کی ہرگز ممانعت نہیں ہے لیکن اس بات کے دیکھنے کی بھی اشد ضرورت ہے کہ ہماری قابلیت اسی میں ہے کہ ہم اخبارات کو صرف اس قدر آزادی عطا کریں جس سے کہ ہماری تجاویز متعلق ترقیات و اصلاحات کے حق میں وہ کارآمد اور سودمند وسیلہ ثابت ہوں اور اس کا انحصار ہماری اس سختی اور ہوشیاری پر ہے جس سے کہ ہم اس بات کی نگرانی کرتے رہیں کہ اخبارات ان مفید حدود سے باہر قدم نہ رکھنے پائیں جو (۳۲۰) ایڈیٹروں کے واسطے ہم نے معین کردی ہیں یہ دلیل بھی پیش کی جاتی ہے کہ آزاد اخبارات کے وسیلے سے شکایتیں سنائی دیں گی جس سے کمزوروں اور مظلوموں کی حفاظت ہوگی اور مظالم وزیادتیوں کی فریاد حکومت اور اس کے اعلیٰ افسران کے کانوں تک پہنچ سکے گی اور اس طور سے اختیارات کے بے جا استعمال کی ایک حد تک روک تھام ہو جائے گی لیکن فوائد صرف اس صورت میں حاصل ہو سکتے ہیں جب کہ اخبار نویسوں کو اہل ہند کے عادات وخصائل ان کے کیرکٹر تعلقات

۱؎ کسی شخص کو اپنے ذاتی خیالات یا فیصلہ سے یہ حق حاصل نہیں کہ وہ حکومت کے مقررہ قوانین کی خلاف ورزی کرے۔ ہر ایک معاملے میں جب کوئی قاعدہ منسوخ ہو جاتا ہے پھر کسی خاص معاملے میں اس کا استعمال ناجائز اور غیر منصفانہ ہو جاتا ہے۔ مالی منفعت یا شہرت کے لالچ سے اگر کوئی شخص مقررہ قوانین کی خلاف ورزی کریگا تو پھر اور لوگ بھی اس کا اتباع کرنے لگیں گے اور اسکی روک تھام روز بروز زیادہ دشوار ہوگی اور اگر اس معاملے میں احمقانہ چشم پوشی یا نرمی سے کام لیا جائیگا تو پھر مفید مطبوعات کی اشاعت کا جو حق اخبارات کو دیا گیا ہے وہ بھی اُن کے ہاتھ سے جاتا رہے گا۔

باب ۱۱ اور اُن کی زبانوں کے متعلق کافی واقفیت اور معلومات حاصل ہو۔ اور اُن کے
خیالات اُس سوسائٹی کے عین مطابق ہوں جس کی یہ اخبار حمایت کریں ورنہ ان کی
حمایت و تائید اغلاط سے پُر اور ان کی رائے سطحی اور بے نتیجہ ہوگی۔ اخبار کے
کسی انگریز ایڈیٹر کے پاس ایسے وسائل موجود نہیں ہیں جن سے کہ وہ ہماری
ہندوستانی رعایا کا بے لاگ اور مفید ترجمان بن سکے اب رہے ہندوستانی
ایڈیٹر۔ ان سے تو ہم یہ توقع کر ہی نہیں سکتے کہ حکومت کے عطا کردہ استحقاق کو
وہ اس کی مفید حدود کے اندر استعمال کریں گے جیسے حکومت گوارہ کر سکتی ہے
کیونکہ قومی آزادی اور حریت کے اصول جن کی اشاعت اپنے ہموطنوں میں کرنا ۴۲۱
اگر وہ اس کے اہل ہوئے ان کا خاص فرض ہوگا ہماری قوت کے منافی ہیں چونکہ
ہم رعایا کے کثیر حصے سے بالکل الگ تھلگ ہیں اس لئے ہم ان کے خیالات اور
محسوسات کی تبدیلی کا بخوبی مطالعہ نہیں کر سکتے ہیں لیکن جو حضرات کہ ان کے
کیرکٹر اور اُن کی سوسائٹی کی ساخت سے واقف ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں
کہ گفتار اور کردار کی آزادی ایسے لوگوں کے حق میں بتدریج ہی سودمند ہو سکتی ہے
مدت مدید گزر جانے کے بعد اس ملک کی فطرت میں آزادی داخل ہو سکے گی
چونکہ یہ ملک آزادی کے نام سے قطعی نا آشنا ہے اور جب تک کہ وہاں کے
باشندے اس کو قبول کرنے کے واسطے تیار نہ ہو جائیں اُس وقت تک یہ آزادی
اُن کے حق میں ہرگز سودمند نہیں ہو سکتی ہے البتہ اعلیٰ درجہ کے اسکول اور کالج
قائم کر کے اور اُن میں عمدہ قسم کی اور مفید تعلیم دینے کے بعد ہم یہ توقع کر سکتے ہیں
کہ ہم اپنے حریت پسند اور منصفانہ خیالات رعایا کے دل و دماغ میں پیدا
کر سکیں گے۔ ان معقول ذرائع سے کام لے کر ہم اپنی امن پسند رعایا میں تعلیم کی
اشاعت کر سکتے ہیں جو ایک زمانۂ دراز گذر لینے پر اُن کے حق میں مفید ثابت
ہوگی۔ اور جیسے جیسے اُن کے خیالات وسیع ہوتے جائیں ہم اُن کی ترقیات
کے واسطے اپنی کوششوں میں اضافہ کریں۔ اس راہ کے اختیار کرنے میں
البتہ سلامتی اور بہتری ہے لیکن اگر اخبارات اور رسائل کی روک تھام نہ کی گئی
تو بلا خلاف ورزی قانون اُن میں ایسے مضامین شائع ہوں گے جو ہماری شورش پسند

اور جنگجو رعایا کی سمجھ سے باہر ہوں گے اور اُن پر ایسے مضامین کی اشاعت کا
بہت بُرا اثر پڑیگا کیونکہ اپنے مذہب اور رسم و رواج کی تحقیر سے اُنھیں اشتعال (۳۲۲)
پیدا ہوگا اور اُن کے افسران کی توہین اور تذلیل کر کے ان میں بے جا توقعات پیدا
کی جائیں گی اور اُنھیں بغاوت کرنے پر آمادہ کیا جائے گا۔ اور جن لوگوں کو ہم نے اپنی
حفاظت کے واسطے مسلح کیا ہے ایسے اخبارات سب سے اول ان ہی کے قوانین
اطاعت شعاری اور فرض شناسی کو توڑ ڈالیں گے اور ان اخبارات کے ذریعہ
سے عیار اور بد دل حضرات گمراہ کن اور غلط اسباق کی تعلیم دیں گے ان کی حالت
اور واقفیت ابھی صرف اُس ادنی درجہ میں ہے جس کے باعث (جیسا کہ تجربہ سے
ظاہر ہو چکا ہے) اُن کا بھولا اور پُر شوق دل نہایت آسانی کے ساتھ گمراہ کیا
جا سکتا ہے بے لگام پریس کی امداد سے ہمارے دشمن ہماری اس بہادر اور
وفادار جماعت کو یہ باور کرا سکتی ہے کہ ہمارے زوال اور بربادی سے اُنھیں
ترقیات اور آزادی حاصل ہو جائے گی۔

ہم قلیل الحیات مطبوعات۔ نا تجربہ کار اخبار نویسوں کی بے ترتیب
کوششوں اور احمقانہ جوش سے اہل ہند کی ترقی و اصلاح کی توقع نہیں کر سکتے
ہیں ان حرکات سے لوگوں کی نگاہ خیرہ ہو سکتی ہے اور وہ ان امور سے دلچسپی لیکر
اپنی انجمنیں مجلسیں بنا سکتے ہیں جو اپنی خیالی سربلندی سے مغرور ہو کر اپنی جماعت سے اپنے
کو علٰحدہ کر کے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنالیں گے یہ جماعت کوئی مفید اور
کار آمد امور تو انجام دے نہیں سکتی البتہ وہ بہت کچھ خرابیاں پیدا کر سکتی ہے

(۳۲۳) ہم جن تبدیلی کے خواہاں ہیں وہ عام اور سود مند ہونی چاہئے اور سوسائٹی کو خود
یہ تبدیلی اپنے اندر پیدا کرنی چاہئے اور ہماری آن تھک اور مسلسل کوششوں کا یہ
مقصد نہ ہو بلکہ اس کا انجام یہ تبدیلی ہو۔

اس عجیب و غریب اور عظیم الشان سلطنت کی فلاح و بہبود کے واسطے
ہم نے جو تدابیر اختیار کی ہیں ان میں کامیابی حاصل ہونے کے لئے حسب ذیل
امور پر ہمیں کاربند ہونا چاہئے کہ یہاں کے باشندوں پر حکومت اور انصاف
کرنے کے واسطے ہم نہایت احتیاط کے ساتھ حکام کا انتخاب کریں سرکاری

باب ۱۱

ملازمین میں ذوق وشوق اور سرگرمی پیدا کریں۔ لوگوں کو تجارت کی طرف رغبت دلائیں۔ مہذب وشائستہ زندگی کے واسطے مناسب اور کارآمد فنون رائج کریں اور جن لوگوں پر ہمیں حکومت کرنی ہے اُن کے طور وطریق اور ان ہی کی سمجھ اور خیالات کے موافق ہم خود اختیار کریں رفاہ عام کے کاموں میں روپیہ صرف کریں۔ رعایا پر مناسب اور معتدل مالگذاری لگائیں۔ رعایا کے مذہب نیز اوہام پرستی کے رسم ورواج کا احترام کریں معقول اور مستحکم اصولوں پر رعایا کیلئے درسگاہیں قائم کریں اُن ہندوستانی سرکاری ملازمان کی حوصلہ افزائی اور قدردانی کریں جن کی فہم وفراست اور راست بازی یا اپنے اہل وطن پر اُن کا اثر اور اُن کی وجاہت اس امر کی مقتضی ہے کہ اُن کی قدر افزائی کرکے انھیں سربلند کرنا قرین مصلحت اور دانشمندانہ فعل ہوسکتا ہے علاوہ ازیں سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہندوستان کی سی وسیع سلطنت پر حکومت کرنے میں اہل انگلستان کی خواہشوں اور خیالات کا لحاظ کرلنے کے بجائے زیادہ (۳۲۴) اہل ہند کے مفاد اور اُن کے کیرکٹر اور اُن کی حالت کو زیادہ تر ملحوظ رکھا جائے لیکن ان تجاویز کی عملی تدابیر کو مقامی حکومت کے ذمے چھوڑ دینا چاہیئے اگرچہ اس کے ممبران اپنے ملک میں ناموری اور شہرت حاصل کرنے کے بہت زیادہ خواہش مند ہیں تاہم وہ ہندوستان کی اصلاح وترقی کی رفتار کو بڑھانے نہ کہ اُس میں روک ٹوک پیدا کرلنے کے سب سے زیادہ مستعد اور آرزومند پائے جاتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ زمانہ ہندوستانیوں کے کیرکٹر میں تبدیلی پیدا کردے لیکن ہم اس ملک میں اپنی حکومت کی نوعیت ہرگز نہیں بدل سکتے چونکہ یہ حکومت غیر ملکیوں کی ہے اس لئے صرف موجودہ

لہ سب سے زیادہ ضروری اور قابل توجہ سرکاری ملازمان کا برتاؤ ادنی واعلیٰ کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ خاکسار مصنف کی اس مسئلہ پر مفصل رائے اُن ہدایات میں درج ہے جو اس نے ۱۸۲۱ء میں ہندوستان سے روانہ ہولنے سے پیشتر اپنے نائبوں کو دی تھیں یہ ہدایتیں ضمیمہ ع۸ میں درج ہیں۔

شکل ہی میں یہ قائم رہ سکتی ہے اور اس امر کی ضرورت ہے کہ یہ نہایت باقاعدہ اور مطلق العنان رہے اور ہمیشہ انگلستان کی سخت ذمہ داری کے تحت کارروائی کیا کرے لیکن ساتھ ہی ساتھ اُسے ہمیشہ ایسے وسیع اختیارات حاصل رہیں کہ وہ اپنی رعایا کی مخالفت۔ سرکشی اور نامعقول جوش اور اپنے دشمنوں کی سازشوں اور حملوں کے ہر خطرہ کو پوری طاقت کے ساتھ دبا سکے اور رفع کر سکے ×

---

(۱)

ضمیمہ (۱)

خلاصہ کارروائی مجلس شوریٰ برائے ترتیب و تدوین عہد نامہ سرنگاپٹم سنہ ۱۷۹۲ء مابین آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی۔ نظام (یا صوبیدار دکن) و پیشوا فریق اول و ٹیپو سلطان فریق دوم۔

سرجان کینی وے۔ نمائندۂ ایسٹ انڈیا کمپنی
میر عالم ——— نمایندۂ نظام دکن
غلام علی و علی رضا (سابق سفرا متعینۂ قسطنطنیہ) نمایندۂ ٹیپو سلطان گوبند راؤ و پنڈت بھیکاجی۔ نمایندۂ پیشوا۔

مرقومۂ بالا نمایندے ایک خیمے میں مجتمع ہوئے جو عیدگاہ[1] کے قریب نصب کیا گیا تھا۔

۱۳؍ فروری۔ پہلے دن صرف رسمی کارروائی ہوئی اور آیندہ اجلاس کے واسطے مناسب انتظامات تجویز ہوئے۔

۱۴؍ فروری۔ اتحادیوں کے نمائندوں نے ٹیپو سلطان کی نصف مملکت اور ۶ کرور روپیہ تاوان جنگ طلب کیا۔

(۲) ۱۸؍ فروری۔ اسی مقام پر جلسہ ہوا۔ حاضرین بھی وہی تھے جو سابق موقع پر شریک ہوئے تھے

۱۸؍ ۔ ٹیپو کے نمایندوں میں سے علی رضا نے اپنے آقا کا چوتھائی ملک اور

---

[1] عیدگاہ ایک کھلی ہوئی مسجد ہوتی ہے جس میں مسلمان عیدین یعنی عید الفطر اور عید الضحیٰ کی نماز ادا کرتے ہیں۔

۳ کرور روپیہ نقد ادا کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ لیکن سر جان کینی وے نے کہا کہ اگر ٹیپو کا یہ مختتم جواب ہے تو جلسہ برخواست اور جنگ پھر جاری کر دی جائے کیونکہ ہم اپنے مطالبات سے نہیں ہٹ سکتے ہیں اور یہ کہ ٹیپو کے نمائندے آج ہی رات کو یہاں سے سرنگاپٹم چلے جائیں اس کے اسباب بیان کرنے کی مجھے اجازت نہیں دی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے کہا کہ ان حضرات سے گفتگو کرنے اور ان کے خوش اخلاقی کا مجھ پر بہت گہرا اثر پڑا ہے اور یہ بات کہنے میں مجھے سخت تکلیف اور صدمہ ہوتا ہے لیکن میں اپنے فرائض اور حکام بالا کے احکام کی تعمیل کرنے پر مجبور ہوں۔

اس دھمکی کا ٹیپو کے نمائندوں پر نہایت زبردست اثر پڑا اور انہوں نے عرض کیا کہ ہمارا آقا اس قدر گرانقدر رقم نہیں دے سکتا ہے اور آپ کے یہ شرائط نہایت سخت ہیں۔

سر جان کینی وے نے اس کے جواب میں کہا کہ چونکہ اتحادی اب برسر اقتدار ہیں اس لئے ٹیپو کی زیادتیوں نے ان کو اس امر کا مستحق بنا دیا ہے کہ وہ ٹیپو کے ان مقبوضات کو لے لیں جن کی آمدنی سے مصارف جنگ نہیں ادا ہو سکتے ہیں۔

ٹیپو کے نمائندوں نے قرآن کی قسم کھا کر بیان کیا کہ ہمارا آقا ہرگز ڈھائی کروڑ روپیہ سے زیادہ ادا نہیں کر سکتا ہے اور ہم اس بات کو خزانہ کے حسابات کے کاغذات دکھا کر ثابت کر سکتے ہیں قلعہ بندیوں سرکاری عمارات پر اور جنگ میں ہمارے آقا کا بہت زیادہ روپیہ صرف ہو گیا ہے ان وجوہ سے ہم پھر عرض کرتے ہیں کہ ہماری پہلی درخواست منظور فرمائی جائے۔

(۳) اس کے جواب میں سر جان کینی وے نے کہا کہ میں اپنے سابق مطالبہ کو پھر دہراتا ہوں جو نہایت معتدل اصولوں پر مبنی ہے ہم تو اپنی سلطنت کے نمائندے ہیں اور ہمارے افسران بالا دست نے صاف

اور صریح الفاظ میں اپنے شرائط بتا دئے ہیں جن کی تعمیل کرانا ہمارا فرض ہے ٹیپو سلطان کے وکیلوں نے آپس میں مشورہ کیا اور تھوڑی دیر بعد غلام علی نے کہا کہ میں نصف ملک اور ۵۰ لاکھ روپیہ اور یعنی کل ۳ کروڑ روپیہ دینے کی ذمہ داری کرتا ہوں اور یہ رقم بھی صرف اس صورت سے ادا ہو سکتی ہے جبکہ ہمارے سلطان کے ۱۰۰۰ اسردار اس کی مالی اعانت کریں سرجان کینبی دے نے اپنا وہی مطالبہ پھر پیش کیا اور ٹیپو کے وکلاء سے باصرار کہا کہ آپ حضرات سرنگا پٹم واپس جائیے۔

انھوں نے قیام کی اجازت طلب کی اور یہ التماس کی کہ ہماری درخواست لارڈ کارنوالس کی خدمت میں روانہ کردی جائے بالآخر سرجان کینبی دے راضی ہو گیا اور اس نے کہدیا کہ مجھے امید نہیں کہ آپ کی درخواست منظور ہو جائے گی اور آپ کو کل صبح کے بعد بھی یہاں ٹھہرنے کی اجازت مل جائے گی۔ آپ کی روانگی کے متعلق سخت احکام نافذ کرنے میں مجھے تکلیف محسوس ہو گی اس لئے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اگر کل صبح آپ میرا خیمہ یہاں پر استادہ نہ دیکھیں تو آپ اپنا خیمہ بھی ضرور اکھڑوا دیں۔

علی رضا نے اس دوران میں یہ خیال کر کے کہ ہمارا آقا لارڈ کارنوالس کے روبرو نہایت ظالم اور جابر ظاہر کیا گیا ہے اس لئے اس نے اپنے آقا کی حمایت میں تقریر شروع کردی۔

اس نے محاصرۂ منگلور کو ٹیپو کے فیاضانہ برتاؤ کی مثال کے طور پر پیش کیا اس کے جواب میں سر کینبی دے نے فرمایا کہ اسکی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ محصورین نے جن شرائط پر اطاعت قبول کی اُن کی خلاف ورزی نہیں کی گئی۔

اس کے بعد علی رضا نے دوسری مثال یہ پیش کی کہ جنرل میتھیوز (General Methews) کی ماتحتی میں جو فوج قلعۂ بدنور میں محصور ہوگئی تھی اس کے ساتھ ہمارے آقائے نامدار نے نہایت اچھا سلوک کیا تھا اسکے جواب میں سرجان کینبی دے نے

فرمایا کہ اپنے قول و قرار کو ٹیپو سلطان نے نہایت شرمناک طریقے سے توڑ دیا تھا اس کے جواب میں علی رضا نے کہا کہ اول جنرل منرو ہی نے عہد و پیمان کے شرائط کی خلاف ورزی کی اُس کے متعلق تحقیقات (۴۲) سے معلوم ہوا کہ وہ قلعہ لہ کا خزانہ نکال کر لے جاتا تھا۔ ہمارے آقا پر یہ اتہام لگانا سخت نا انصافی ہے کہ اُنہوں نے اسیران جنگ کے ساتھ بدسلوکی اور ظلم کیا۔ اس کی حقیقت صرف اسقدر ہے کہ ہمارے یہاں کے سرکاری ملازمان نے دغا بازی کر کے وہ روپیہ خود خرچ کر لیا جو اسیران جنگ کے مصارف کے لئے دیا گیا تھا کہ خاص خاص واقعات کے متعلق یہ عذر ایک حد تک تسلیم کیا جا سکتا ہے لیکن عام طور پر اسیران جنگ کے ساتھ انسانوں کا نہیں بلکہ وحشیوں کا برتاؤ کیا گیا ہے۔ آپ سے اسیران سرنگاپٹم کی رہائی والے معروضے کو لارڈ کارنوالس نے کریمانہ نظر سے دیکھا ہے اگرچہ آپ کی یہ درخواست سردست منظور نہیں ہوئی لیکن لارڈ کارنوالس آپ سے توقع کرتے ہیں کہ آپ ہمارے اسیران جنگ کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کریں گے جیسا کہ ہم آپ کے اسیران جنگ کے ساتھ کرتے ہیں۔

قریب ۹ بجے کے جلسہ برخاست ہو گیا۔

۱۹ فروری۔ سر جان کینی وے نے بوقت ۵ بجے صبح حسب الحکم لارڈ کارنوالس حضور نظام دکن کے وکیل سے ملاقات کی اور ٹیپو کے معروضہ کا جواب دینے کی بابت اس کی رائے دریافت کی۔ وکیل نے جواب دیا کہ لارڈ کارنوالس کی جو کچھ رائے ہو میں اوسکی تائید کرنے پر تیار ہوں آپ کے نزدیک لارڈ موصوف کا اس کے متعلق کیا ارادہ ہے۔ سر جان کینی وے نے اس کے جواب میں بیان کیا کہ ۳ کروڑ روپیہ تو فوراً نقد وصول ہو جانا چاہئے اور چونکہ ٹیپو کے وکلاء قسمیہ بیان کرتے ہیں کہ

لہ انہی پالکی کے بانس میں اُس نے زر نقد اور جواہرات بھر لئے تھے۔

اس سے زیادہ وہ نہیں دے سکتا ہے اور وہ خزانہ کے حسابات دکھانے پر
آمادہ ہیں اس لیئے مجھے بھی اس میں شک ہے کہ اس سے کچھ اور وصول
ہو سکتا ہے اب تصفیہ طلب صرف یہ بات رہ جاتی ہے کہ کیا ہم ٹیپو
کے معروضہ کو منظور کر لیں یا اور ایک کروڑ کے مطالبہ پر قائم رہتے ہوئے
جنگ کو اور طول دیں۔ حضور نظام کے وکیل نے اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ
جو رقم پیش کی جاتی ہے وہ بھی ایک کثیر رقم ہے لیکن ٹیپو کی درخواست
منظور کرنے سے بیشتر ہم اس کی مالگذاری کے حسابات طلب کریں
اور اس سے یہ اندازہ کیا جائے کہ اس کی مقبوضہ مملکت کی کسقدر آمدنی ہے (5)
اس کے جواب میں سرجان کینی وے نے کہا کہ حسابات کے
کاغذات طلب کرنے سے صلح کی گفت و شنید معرض التوا میں پڑ جائیگی
اور تاوقتیکہ اس کے پرگنات ہمارے قبضے میں نہ ہو جائیں ہم اس کی
نیک نیتی اور شرائط معاہدہ کی پابندی ہونے کا اعتبار نہیں کر سکتے ہیں
اسکی تکمیل ہونے کے بعد کاغذات طلب کیئے جا سکتے ہیں حضور نظام
کے وکیل نے لارڈ موصوف کی اس رائے کو بطیب خاطر پسند اور منظور
کر لیا اس کے بعد سرجان کینی وے وہاں سے رخصت ہوا اور میر عالم
کو اپنے ہمراہ لیکر ہری پنت کے خیمہ میں گیا۔
مرہٹہ سردار سے بھی انہی طرح گفتگو شروع ہوئی جس طرح حضور
نظام کے وکیل کے ساتھ کی گئی تھی۔ اس نے یہ معلوم کر کے کہ سرجان
حضور نظام کے وکیل کے پاس ہو کر آ رہے ہیں ان سے دریافت کیا کہ
وکیل موصوف کی کیا رائے ہے۔ میر عالم نے اس کے جواب میں فرمایا
کہ میری وہی رائے ہے جو آپ کی ہوگی۔
ہری پنت نے فرمایا کہ میں نہایت خوش ہونگا اگر ٹیپو کا بالکل
استیصال کر دیا جائے اور پھر ہم اس کے ملک کی تسخیر اور مال غنیمت سے
متمتع ہوں لارڈ کارنوالس کے قول کے مطابق ہر ذی مرتبہ شخص کے
لیئے ایسی صورت میں دو راستے ہو سکتے ہیں اول یہ کہ اپنے مقدر کی یاوری

جبکہ غنیم ہمارے رحم پر ہے ہم اس کی عرض و معروض پر مطلق توجہ نہ کریں اور اُسے بالکل تباہ و برباد کر ڈالیں دوسرے یہ کہ جب وہ عاجزی اور انکسار کا اظہار کرتا ہے اور رحم سے ترحم کا خواستگار ہے تو ہم اُسے پھر برسرِ اقتدار کر دیں مگر اسی کے ساتھ ہم اپنی ترقی اور سلامتی کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ سر جان کینی وے نے فرمایا کہ لارڈ کارنوالس ترحم فرمانے کو پسند کرتے ہیں اور انکی یہ بھی رائے ہے کہ چونکہ ٹیپو کے لئے تین کرور سے زیادہ روپیہ ادا کرنا نہایت دشوار ہے اس لئے مزید رقم کا مطالبہ کر کے جنگ کو اور طول نہیں دینا چاہیئے۔

مرہٹہ سردار نے اس رائے کو پسند کیا اور اس کی تائید میں یہ مثل پیش کی کہ موقع سے فی الفور فائدہ اٹھانا چاہیئے یا یہ کہ گرم لوہے پر ہتھوڑا مارنا چاہیئے۔

(۶) میر عالم اپنی اُس رائے پر قائم رہا کہ جب تک مجوزہ علاقوں کی آمدنی کا اندازہ کرنے کے واسطے ضروری کاغذات و حسابات دستیاب نہ ہو جائیں اُس وقت تک کوئی مختتم جواب نہ دینا چاہیئے۔

ہری پنت نے اس تاخیر پر اعتراض کیا اور کہا کہ میں اس بات کا ذمہ لینے کے لئے تیار ہوں کہ ٹیپو کے ممالک محروسہ سے تین کرور روپیہ وصول ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد ہری پنت نے سر جان کینی وے سے کہا کہ آپ ہماری یہ تجویز لارڈ کارنوالس کے روبرو پیش کر دیجئے کہ وہ مصارف دربار کے نام سے ایک رقم خاص کا اور مطالبہ ٹیپو سے کریں تاکہ بطور صلۂ خدمات اُن افسران کو یہ رقم دی جاسکے جو تین سلطنتوں کی جانب سے جنگی خدمات پر مامور تھے ورنہ نظام کے وزرا اور دیگر سول افسران کو اس جنگ سے ایک حبہ تک نہ ملیگا۔ ایسے موقعوں پر یہ مطالبہ عموماً کیا جاتا ہے اور اس مطالبہ سے صلح کی بات چیت میں کچھ رکاوٹ نہیں ہو سکتی ہے میری رائے میں ۶۰ لاکھ کا مطالبہ کیا جائے اور کم از کم ۳۰ لاکھ روپیہ قبول کر لیا جائے۔

سرجان کینی وے ہری پنت کے خیمے سے رخصت ہو کر لارڈ کارنوالس کی خدمت میں حاضر ہوا اور پھر اُس نے صلح کانفرنس کے اجلاس میں ٹیپو کے نمائندوں سے گفتگو کرنے کے لئے تیاری کی۔

بوقت ساڑھے آٹھ بجے شب اسی مقام پر جلسہ شروع ہوا۔ سرجان کینی وے نے یہ کہکر جلسے کا افتتاح کیا کہ لارڈ کارنوالس نے آپ کے معروضہ پر غور کیا اور اتحادیوں کے نمائندوں سے مشورہ کرنیکے بعد آپ کی اس شہادت پر بھی غائر نظر ڈالی ہے کہ ٹیپو سلطان کے لئے تین کروڑ سے زیادہ رقم ادا کرنا ناممکنات سے ہے اور یہ کہ ماہرین فن سے ٹیپو کے خزانہ اور حسابات کی جانچ کرائی جائے۔ لارڈ ممدوح آپ کی عرضداشت کو منظور فرماتے ہیں لیکن اُن کی خواہش ہے کہ صلحنامہ میں یہ شرط اور بڑھا دیجائے کہ ۳ کروڑ روپیہ کے علاوہ ۶۰ لاکھ روپیہ بطور مصارف دربار اور دیا جائے گا۔

غلام علی خاں نے لارڈ کارنوالس کی اس نوازش کا شکریہ ادا کیا کہ حضور ممدوح نے ہمارے آقا کے معاملات میں بہت کچھ توجہ اور عنایت فرمائی ہے اور سرجان کینی وے سے میں درخواست کرتا ہوں کہ براہ کرم وہ مصارف دربار کے لئے کم سے کم رقم کا تعین فرما دیں جس کے لئے وہ اصرار کر سکتے ہیں تاکہ اس شرط کی بحث میں صلحنامہ مرتب ہوتے ہیں فریقہ تاخیر واقع نہ ہو۔

سرجان کینی وے نے جواب دیا کہ کم از کم ۳۰ لاکھ روپیہ ہو سکتا ہے اس کے بعد سرجان نے صلحنامہ کے شرائط مرتب کئے اور ایک ایک شرط پر علیحدہ علیحدہ بحث کی۔ شرائط صلح حسب ذیل تھے :- (۲۴۴)

(۱) معمولی دیباچہ جس میں نمائندوں کے نام اور اُن کے اختیارات درج تھے اور یہ بھی تحریر کیا گیا کہ فلاں فلاں شخص کو فلاں فلاں سلطنت نے اپنا نمایندہ مقرر کیا ہے۔

متحدین کو ٹیپو کی سلطنت کا نصف علاقہ دیا جائے اور ان میں سے ہر ایک اپنی سلطنت سے ملحق علاقہ خود پسند کرے گا میر علی رضا نے

خود پسند کر لینے کے الفاظ پر اعتراض کیا اور کہا کہ اس طرح متخدین کو ٹیپو کے (۸)
آبائی علاقوں کے لینے کا بھی حق حاصل ہو جائے گا مثلاً کالیکٹ۔
اس نے ۱۷ تاریخ کے اجلاس میں بھی اس پر اعتراض کیا تھا۔
(۲) اتحادیوں کو ۲ کروڑ روپیہ نقد ادا کیا جائے گا۔
کیفیت۔ علی رضا نے دریافت کیا کہ کیا نقرئی و طلائی سکے جواہرات
و زیورات اور اسباب اس رقم کے معاوضہ میں لیا جا سکتا ہے۔
سر جان کینی وے نے کہا کہ نقدی کی شرط ہے اور اس میں صرف روپیہ
اشرفیاں اور ٹیپو کے طلائی سکے قبول کئے جا سکتے ہیں۔
(۳) ۳۰ لاکھ روپیہ بطور درباریا سول مصارف کے دینے ہوں گے
(۴) جملہ اسیران جنگ خواہ حیدر علی کے یا اس کے بعد کے ہوں فوراً
واپس دیئے جائیں گے
(۵) مرقومۂ بالا ۴ شرائط کی تعمیل ہونے تک کے واسطے ٹیپو کے دو بڑے
صاحبزادے بطور یرغمال کے ہمارے سپرد کئے جائیں گے اس کے بعد
جنگ بند ہو گی۔
کیفیت۔ سر جان کینی وے نے لارڈ کارنوالس کی جانب سے
ٹیپو کے وکلا کو اس امر کا یقین دلایا کہ شہزادوں کا نہایت ادب و احترام
ملحوظ رکھا جائیگا۔
غلام علی نے اس کے جواب میں کہا کہ ہمارے سلطان کو شرم
و ندامت کے خیال سے اس شرط پر اعتراض ہو گا اور وہ اور اشخاص
کے نام پیش کریں گے لیکن ہم اُن سے اس کے متعلق کل گفتگو کر لیں گے
(۵) مرقومۂ بالا صلحنامہ پر ٹیپو سلطان کے دستخط اور مہر ثبت ہونے کے
بعد اس صلحنامے کی نقل پر نواب گورنر جنرل۔ وزیر نظام اور ہری پنت
اپنے دستخط اور مہریں ثبت کر دیں گے۔
جلسہ برخاست ہونے سے بیشتر جو ۱ بجے دوپہر تک منعقد رہا تھا
سر جان کینی وے نے علی رضا کو مخاطب کر کے کہا کہ آپ اپنے آقا کے

معاملات کی نازک حالت پر غور کیجئے میرے نزدیک تکمیل معاہدہ میں عجلت کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ غلام علی نے جواب دیا کہ میں مع اپنے ساتھی کے ابھی قلعہ معلی کو جاتا ہوں اور حتی المقدور بہت جلد واپس آؤں گا

۱۲ فروری - میر عالم نے سر جان کے پاس یہ پیام بھیجا کہ میرے ہمراہ مرہٹوں کے وکلا گوبند راؤ کشن اور گوبند راؤ بسنت بھی ہیں اور ہم سب آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں - چونکہ سر جان اس وقت کھانا کھا رہے تھے اس لئے انھوں نے کہلا بھیجا کہ میں خود میر عالم کے خیمے پر حاضر ہونگا چنانچہ بوقت ۵ بجے شام وہ میر عالم کے خیمے پر جا پہنچے - مرہٹوں کے وکلا نے کہا کہ چونکہ صرف ایک ہی معاہدہ مرتب ہوا ہے جس میں ہم سب کے حقوق درج ہیں اس لئے اس معاہدے میں گذشتہ معاہدوں کی تصدیق اور توثیق درج ہونی چاہیئے اور اس میں یہ شرط اور بڑھا دی جائے کہ آئندہ ٹیپو سلطان کسی ہندو کو مختون نہ کریں -

سر جان کینی وے نے دریافت کیا کہ کیا آپ حضرات کو گذشتہ معاہدوں کے شرائط معلوم ہیں اس کا جواب نفی میں دیا گیا مگر اس کے متعلق تحقیقات کرنے کا وعدہ کیا گیا -

سر جان کینی وے نے کہا کہ کیا ختنے کے متعلق معاہدے میں شرط درج کر دینے سے کچھ فائدہ پہنچے گا اگر یہ شرط نتیجہ خیز ہے تو معاہدے میں درج کر دی جائے گی کیونکہ یورپین صاحبان کو بھی اس سے نقصانات پہنچے ہیں -

ٹیپو سلطان کے وکلا قلعہ معلی سے ۵ بجے شام کو واپس آگئے
اجلاس اُسی مقام پر اور انھیں حضرات کی موجودگی میں پھر شروع ہوا - (9)
مختصر سی بات چیت کے بعد ٹیپو کے وکلا نے اپنے ہاتھ میں صلحنامہ لیکر مجوزہ شرائط کے متعلق بحث شروع کی اور بیان کیا کہ ہمارے آقا کی عین تمنا ہے کہ میرے جانشین اور لارڈ کارنوالس اس معاہدہ کے شرائط کی پابندی کریں -

سرجان کینی وے نے جواباً کہا کہ لڑائی بند ہونے پر جب اس معاہدے کی تکمیل ہو جائے گی اس وقت انشاء اللہ آپ کی مرضی کے مطابق یہ معاہدہ فریقین کے حق میں مفید ثابت ہوگا۔ شرط ۱ کے متعلق ہمارے آقا کہ وہ اپنی موروثی ریاست سرنگاپٹم کے کسی علاقے کو منتقل کرنا پسند نہیں کرتے ہیں جس میں کالی کٹ۔ بنگلور۔ سیونا درگ۔ اوسور۔ رائے درگ۔ چترا درگ۔ بدنور اور گوتی داخل ہیں۔

شرط ۲ کے متعلق ہمارے سلطان ڈیڑھ کروڑ روپیہ فی الفور ادا کرنے پر تیار ہیں اس میں سے ۵۰ لاکھ روپیہ نقد اور باقی ایک کروڑ کے جواہر۔ اسباب۔ گھوڑے۔ ہاتھی وغیرہ دئے جائیں گے باقی ماندہ ڈیڑھ کروڑ روپیہ ایک سال کے اندر باقساط ادا کر دیا جائے گا۔

شرط ۳ پر ہمارے سلطان کو یہ اعتراض ہے کہ معاہدے میں اسکی تصریح کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کی خلاف ورزی کا دستور ہی نہیں یہ بات ہماری رائے پر چھوڑ دی جائے اور ہمیں اس میں کمی و بیشی کرنیکا حق حاصل رہے گا۔

شرط ۴ کے متعلق ہمارے آقا کی خواہش ہے کہ فریقین یکساں طور پر اس سے مستفیض ہوں۔

شرط ۵ کے متعلق وکلاء نے بیان کیا کہ ہمارے آقائے نامدار اپنے ایک صاحبزادے کو بطور یرغمال کے آپ کے سپرد کرنے پر آمادہ ہیں خاندانی وجوہ کی بنا پر وہ ایک سے زیادہ بیٹا دینے سے قاصر ہیں ہم کو امید ہے کہ لارڈ کارنوالس بہادر اپنے مطالبے میں اسقدر ترمیم کرنے پر راضی ہو جائیں گے۔

وکلاء کی تقریر ختم ہونے پر سرجان نے جواباً کہا کہ یہ سنکر مجھے بیحد مسرت حاصل ہوئی کہ ٹیپو سلطان اپنے ایک صاحبزادے کو ہمارے حوالے کرنے پر تیار ہیں اور اس سے اُن کی نیک نیتی ظاہر ہوتی ہے ہم آپ کے معروضے کو لارڈ کارنوالس کی خدمت میں پیش کرینگے گر ہم

آپ کو اس کی منظوری کا متوقع نہیں کرتے ہیں لیکن ہمارے مطالبے
میں اس قدر ترمیم ہونے کے بارے میں لارڈ کارنوالس کی پدرانہ (۱۰)
شفقت ٹیپو سلطان کے حق میں سفارش کرے گی۔
تاوان جنگ کے ایک جزو کا جواہر وغیرہ کی شکل میں ادا کئے
جانے کے متعلق کہا کہ ان اشیاء کو فروخت کرنے کا ہمارے پاس کوئی
ذریعہ نہیں تاہم میں اس وقت تک کوئی خاص جواب نہیں دے سکتا
ہوں جب تک کہ میں لارڈ کارنوالس۔ میر عالم۔ بھیکا جی پنڈت۔ جنگ
عظیم الامرا اور ہری پنت سے ان کے متعلق مشورہ نہ کرلوں۔ البتہ اسیران
کی رہائی کے متعلق میں اس کا ذمہ لیتا ہوں کہ فریقین اس سے یکساں
طور پر مستفیض ہونگے۔ ۸ بجے شب کو جلسہ برخاست ہوا اور قرار پایا کہ
کل صبح کو پھر جلسہ منعقد کیا جائے۔

۲۲ فروری۔ آج بوقت گیارہ بجے دن جلسۂ صلح منعقد ہوا حسب
معمول وہی نمایندے جلسہ میں شریک ہوئے۔

سر جان نے ٹیپو سلطان کے وکیل کو مخاطب کر کے کہا کہ لارڈ
کارنوالس نے آپ کے اس حلفیہ بیان کو صحیح تسلیم کر کے کہ ٹیپو سلطان
کی مالی حالت کمزور ہے اپنے ۶ کرور کے مطالبے میں بے حد کمی کردی
اور ٹیپو سلطان کو مناسب تھا کہ اتحادیوں کی اس نیک نیتی اور مہربانی
کی قدر کرتے لیکن میں نہایت افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ سلطان
نے اسکی قدردانی نہیں کی جیسا کہ اُن کے اعتراضات اور عذرات سے
ظاہر ہوتا ہے جو کل شام کو پیش کئے گئے تھے اور یہ کہ لارڈ کارنوالس
سخت مجبور ہو کر جنگ میں شریک ہوئے ہیں اور چونکہ وہ کالی کٹ
کے راجہ یا زمورن سے معاہدہ کر چکے ہیں اس لئے اب یہ بات قطعی ناممکن
ہے کہ راجہ موصوف کو پھر سلطان کا زیر دست بنا دیا جائے اور چونکہ ہم نے
بنگلور۔ سیونڈرگ (Sevendroog) اور اوسور (Oossor)
وغیرہ کو بڑی جدوجہد کے بعد فتح کیا ہے اور یہ مقامات بیش قیمت مقبوضات ہیں

اس لئے فی الحال یہ مقامات ہمارے ہی قبضے میں رہیں گے لیکن لارڈ کارنوالس کو امید ہے کہ ایک وقت ایسا آئیگا جب ہماری آپس کی سلطنتوں کے مابین پورے طور پر دوستانہ تعلقات قائم ہو جائیں گے اور لارڈ کارنوالس کا پیشتر سے یہی ارادہ ہے کہ ہم یہ مقامات ٹیپو کو واپس کردیں اور ان پر ثابت کردکھائیں کہ حاشا وکلا ہم ان کے خاندان
(۱) اوران کی سلطنت کو تباہ کرنا نہیں چاہتے بلکہ دونوں کو قائم و برقرار رکھنے کے ہمہ تن دل سے خواستگار ہیں۔ اس کے جواب میں غلام علی نے محولہ بالا فیاضی اور نوازش پر کسی قدر طویل تبصرہ کرنے کے بعد کہا کہ "ابن الوقت اور تنگ دل دوست سے دانا اور سمجھدار دشمن بہتر ہوتا ہے" سرجان نے شرط ۲ کے متعلق ٹیپو کے وکلاء کو اطلاع دی کہ زر نقد کے بدلے میں اسباب وغیرہ لینے کی ہماری سرکار عادی نہیں ہے اور اگر بازار میں جواہر بمقدار کثیر بیچے جائیں گے تو ان کی قیمت گر جائے گی۔ اس کا یہ جواب دیا گیا کہ اس میں تو ٹیپو ہی کا نقصان ہے سرجان نے اسکی بابتہ کہا کہ کیمپ میں ساہوکار موجود ہیں ان کی معرفت یہ اشیاء فروخت کی جاسکتی ہیں لیکن لارڈ کارنوالس کو اس سے کچھ سروکار نہ ہوگا لیکن یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ لارڈ موصوف ہر قسم کے سمجھوتے کے لئے تیار ہیں وہ سونا اور چاندی قبول کرنے پر راضی ہیں

شرط ۳ کے متعلق سرجان کینی وے نے انھیں اطلاع دی کہ لارڈ کارنوالس اور ان کے اتحادیوں کی متفقہ رائے یہی ہے کہ مصارف دربار کی مد میں ۳۰ لاکھ روپیہ ضرور لیا جائے گا اور یہ کہ کل ۳ کروڑ ۳۰ لاکھ کے مطالبہ میں سے ایک کروڑ ۶۵ لاکھ روپیہ نقد یا بشکل زر فی الفور دینا ہوگا اور باقی نصف مطالبہ ۱۲ ماہ کے اندر باقساط لیا جائے گا۔

سرجان نے معاہدہ پر عملدرآمد ہونے کے اطمینان کے واسطے ٹیپو سلطان کے لڑکوں کو بطور یرغمال لینے کے متعلق بیان کیا کہ لارڈ کارنوالس کو پرائیوٹ طور پر اس شرط کے لگانے کا سخت صدمہ ہے لیکن اپنے سرکاری فرض سے مجبور ہو کر انھوں نے اس کا مطالبہ کیا ہے لارڈ ممدوح کے بھی ایک بیٹا ہے اور وہ وعدہ کرتے ہیں کہ سلطان کے لڑکوں کے ساتھ میں اپنے بیٹے جیسا برتاؤ کرونگا اور سلطان کے معروضہ کے متعلق لارڈ موصوف فرماتے ہیں کہ سلطان کے تین بڑے بیٹوں میں سے دو لڑکے لئے جا سکتے ہیں

سلطان کے وکلاء نے اپنے آقا کی جانب سے لڑکوں کے معاملے (۱۲۳)
کی بابت لارڈ کارنوالس کا شکریہ ادا کیا اور عرض کیا کہ اُن کے تین لڑکوں میں سے سب سے بڑا لڑکا حیدر صاحب سلطان کی مرضی کے موافق نہیں ہے اس لئے وہ اپنے سے جدا کرنا پسند نہیں کرتے ہیں دوسرا بیٹا بچپن سے دائم المرض ہے اس لئے وہ زنانہ سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ تیسرا بیٹا معزالدین جس کی عمر ۵ سال کی ہے وہ سلطان کا نہایت محبوب فرزند ہے اور سلطان اسی کو اپنا ولی عہد نامزد کرنا چاہتے ہیں۔ سلطان اس بیٹے کو بطور یرغمال دینے پر تیار ہیں ہمارے سلطان نے اپنی نیک نیتی ظاہر کرنے کے لئے اس بیٹے کو آپ کے حوالے کرنے کا تہیہ کیا ہے دوسری غرض یہ بھی ہے کہ انگریزوں کے اعلیٰ افسران میرے جانشین سے واقف ہو جائیں اور یہ کہ چونکہ سلطان کے تینوں صاحبزادے ابھی خورد سال ہیں اس لئے ہم دریافت کرتے ہیں کہ کیا سلطان کے ۲ یا ۳ سردار ان کے صاحبزادوں کے بجائے بطور یرغمال کے قبول کئے جا سکتے ہیں۔ سرجان کینیوے نے اس کا نفی میں جواب دیا۔

وکلا نے اپنی تجویز کے منظور ہونے پر بہت زور دیا اندازہ سے معلوم ہوتا تھا کہ دیگر شرائط کے مقابلے میں وہ سلطان کو اس شرط پر راضی کرنا زیادہ دشوار خیال کرتے تھے۔

اجلاس برخاست ہونے سے پیشتر سر جان نے مرقومۂ بالا شرائط کا مسودہ مرتب کرکے سلطان کے وکلاء کے حوالے کیا اور کہا کہ لارڈ کارنوالس ان شرائط میں ایک حرف کی بھی ترمیم نہیں کریں گے اور مجھے امید ہے کہ ٹیپو سلطان ان شرائط کو تسلیم کرکے معاہدے پر دستخط کر دیں گے اور یرغمال کی آمد پر فوراً جنگ ختم کر دی جائے گی اور پھر معاہدہ کی تکمیل ہو گی لیکن اگر ٹیپو نے کوئی اعتراض یا عذر پیش کیا تو آپ کا واپس آنا محض بے سود ہے اس صورت میں آپ کو چاہیئے کہ اپنے خیمے اکھڑوانے کا حکم بھیجدیں۔ اس کے جواب میں سلطان کے وکلاء نے عرض کیا کہ غالباً اس کی نوبت نہ آئے گی اور ہم کل واپس آجائیں گے۔ (۱۳)

۲۳ فروری۔ ٹیپو کے وکلاء نے سب کو مبارکباد دینے کے بعد بیان کیا کہ صلحنامے کا جو ابتدائی مسودہ پیش کیا گیا تھا اُس پر ہمارے سلطان نے دستخط کر دیئے ہیں اور مطالبے کے وقت اُنکے صاحبزادہ آپ کے حوالے کر دیئے جائیں گے۔ سر جان کینی وے نے کہا کہ جس کاغذ پر ٹیپو نے دستخط کئے ہیں وہ پڑھکر سنایا جائے تاکہ اصل مسودہ سے اس کا مقابلہ کر لیا جائے۔

چنانچہ مقابلہ کرنے سے معلوم ہوا کہ شرط ۱ میں ترمیم کر دی گئی ہے اور اس میں سے "ملک مفوضہ کا انتخاب" حذف کر دیا گیا ہے۔

سر جان نے اس ترمیم کی نامعقولیت پر اعتراض کیا اور بہت کچھ ردّ و قدح کرنے اور پھر لارڈ کارنوالس سے ملاقات کرنے کے بعد وہ اجلاس میں واپس آیا اور سلطان کے وکلاء کو اطلاع دی کہ تاوقتیکہ محذوفہ فقرہ شرط ۱ میں فوراً داخل نہ کیا جائیگا لارڈ موصوف معاہدہ نہیں کریں گے اور لارڈ موصوف یا اتحادیوں کی ہرگز یہ خواہش نہیں ہے کہ وہ ٹیپو کی سلطنت کے غیر متعلق یا تکلیف دہ علاقوں پر قبضہ کر لیں لیکن اگر علاقے کے انتخاب کا استحقاق اتحادیوں کو حاصل رہا تو اس سے آئندہ کی ساری مقدمہ بازی بند ہو جائے گی۔

وکلاء نے عرض کیا کہ میر عالم کے اس ارشاد پر کہ ٹیپو سے شہر سیرا لے لیا جائے گا، ہمارے سلطان نے وہ الفاظ حذف کر دیئے ہیں۔ اس کے جواب میں میر عالم نے فرمایا کہ اس فقرہ سے میری غرض صرف یہ معلوم کرنے کے واسطے تھی کہ آیا حیدر کے آبائی مقبوضات میں سیرا بھی داخل ہے۔

ٹیپو کے وکلاء نے عرض کیا کہ میر عالم کی اس توضیح سے ہمارا اطمینان ہو گیا اور ہم محذوف شدہ الفاظ شرط ۱ میں خود داخل کر دینگے سلطان کو اس کے متعلق اطلاع دینے کی ضرورت نہیں۔

سر جان نے کہا کہ اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ سلطان اس شرط کے اندراج کی ضرورت سے آگاہ ہو جائیں اور پھر وکلاء سے دریافت کیا کہ سلطان کے آبائی مقبوضات میں کون کون مقامات داخل ہیں۔ اس کے جواب میں وکلاء نے عرض کیا کہ آبائی مقبوضات

(۱۴) سرنگا پٹم۔ سیرا اور گوٹی ہیں ان کے علاوہ کومبٹور بھی ہے۔ سر جان نے فرمایا کہ آپ کے معروضہ کو منظور کرنا قطعی ناممکنات سے ہے کیونکہ کومبٹور وہ مقام ہے جس کے لینے کا اتحادی غالباً سب سے اول مطالبہ کریں گے۔ میر عالم نے کہا کہ سر جان کی احتیاط اور دور اندیشی کو ملاحظہ کیجئے اور وکلاء نے اس کو تسلیم کر لیا کہ فی الحقیقت سر جان نے کمال احتیاط سے کام لیا ہے۔ وکلاء معاہدہ پر دستخط کرا کے بوقت ۱۲ بجے واپس آ گئے اور انھوں نے عرض کیا کہ چونکہ معاہدہ کی تکمیل ہو گئی ہے اس لئے جنگ فوراً بند کر دینی چاہئے۔ اور یہ کہ شہزادے کل آپ کے حوالے کر دیئے جائیں گے۔

۲۴ فروری۔ سر جان کینیؔ وے نے معاہدہ کی نقل جس پر عظیم الامرا وزیر نظام اور لارڈ کارنوالس کے دستخط تھے سہ پہر کے وقت غلام علی کے پاس روانہ کر دی اور اپنے اس استعجاب سے بھی اُسے مطلع کر دیا کہ دن کا بڑا حصہ گذر چکا لیکن شہزادوں کے خیمے ابھی تک یہاں نہیں آئے ہیں۔

۲۵ فروری - سرجان - میر عالم اور دیگر نمایندوں نے اپنے خیمے عیدگاہ کو منتقل کر دیئے جہاں پر کہ شہزادوں کے خیمے نصب ہونے والے تھے سلطان کے وکلاء ایک بجے دن کو واپس آ گئے - سرجان نے کہا کہ لارڈ کارنوالس نے شہزادوں کے جلد آ جانے کے وعدہ پر اعتماد کرکے صلحنامے کی مندرجہ شرط کے معینہ وقت سے پیشتر ہی جنگ بند کر دی ہے اور اگر آج شام تک شہزادے نہ آئیں گے تو جنگ از سرنو شروع کر دی جائے گی -

اس کے جواب میں وکلاء نے عرض کیا کہ خرد سال شہزادوں کی علیحدگی کا گھر والوں کو سخت صدمہ ہے اور اگر اصرار کیا گیا تو وہ آج شام تک آ جائیں گے چونکہ گھر والوں کے نزدیک آج کا دن نامسعود ہے اس لئے اگر آپ نے آج کی حاضری معاف کر دی تو کل سہ پہر تک وہ ضرور آ جائیں گے اور سلطان کو آپ کی نوازش سے امید ہے کہ اتحادی اُن شہزادوں کے استقبال کے لئے نہایت معقول اشخاص مقرر کریں گے جو اُن کے رتبہ اور خاندانی وجاہت کے موافق مناسب اعزاز اور احترام کے ساتھ لارڈ کارنوالس کے حضور میں پہونچا دیں گے - (۱۵)

سرجان نے کہا کہ لارڈ کارنوالس کی یہ خواہش ہرگز نہیں ہے کہ رات میں اُن کے خیمے پر آنے کے لئے شہزادوں کو تکلیف دی جائے لیکن اب جو وقت معین کیا گیا ہے اگر اس میں مزید تاخیر ہوئی تو اسکے نتائج بہت خراب ہوں گے اور میں آج رات ہی کو آپ کا یہ معروضہ لارڈ موصوف کی خدمت میں پیش کر دونگا کہ شہزادوں کو لانے کے واسطے معقول اشخاص تعینات کئے جائیں - سرجان نے ہری پنت وغیرہ کا دستخطی معاہدہ بھی ان وکلاء کے حوالے کر دیا -

۲۶ فروری ۔ بعد مشورہ کے یہ رائے قرار پائی کہ شہزادے آج تو
صرف لارڈ کارنوالس کی خدمت میں حاضری دیں اور پھر کل وہ سکندر جاہ
اور ہری پنت سے ملاقات کریں ۔

سر جان کینی وے[1] اپنے ساتھ نواب گورنر جنرل کے نمایندے
مسٹر چیری کو لیکر ایک خیمے میں تشریف لے گئے جو ٹیپو کے آدمیوں نے
مستقر سے دو میل کے فاصلے پر سرنگا پٹم کے پھاٹک کے نزدیک نصب
کیا تھا ۔ بوقت ۲ بجے دن یہ دونوں حضرات خیمہ میں ایک دروازہ سے
اور شہزادے دوسرے دروازہ سے داخل ہوئے ۔ رسمی آداب و
تسلیمات کے بعد ۱۹ توپ کی سلامی ہوئی اور یہ جماعت لارڈ کارنوالس
کے خیمے کو روانہ ہوئی اور بطور اظہار اطاعت کے تلواریں نذر کیں ۔
اس کے بعد شہزادے اور وکلاء اپنے خیمے واپس آئے ۔ شام کو سر جان
نے پھر ملاقات کی اور وکلاء پر صلحنامے کے دیگر شرائط پر عملدرآمد ہونے
کی ضرورت پر زور دیا وہ یہ تھے کہ اول اسیران جنگ فوراً رہا کر دیئے
جائیں دوسرے یہ کہ حسابات پیش ہوں جن میں مالگذاری اور حقیقی (۱۶)
آمدنی درج ہو اور حتی الامکان موعودہ رقم بہت جلد بھیجدی جائے ۔
وکلاء نے وعدہ کیا کہ ان شرائط کی فی الفور تعمیل کیجائے گی
اور لارڈ کارنوالس سے عرض کیا کہ اسی طرح اتحادیوں کو بھی اپنے

[1] مسٹر چیری حضور نواب گورنر جنرل و کمانڈر انچیف بہادر کے فارسٹر دان
سکرٹری تھے ۔ سنہ ۹۴-۱۷۹۳ء میں لارڈ کارنوالس کے یورپ واپس جانے پر مسٹر
موصوف لکھنو میں رزیڈنٹ مقرر ہوئے اور بعد ازاں بنارس میں گورنر جنرل
بہادر کے ایجنٹ مقرر کئے گئے ۔ جب گورنمنٹ نے وزیر علی سابق
نواب اودھ کو کلکتہ بھیجنے کے احکام نافذ کئے تو نواب کے ہوا خواہوں
نے نہایت بیدردی کے ساتھ مسٹر چیری کو مار ڈالا ۔ مسٹر موصوف کمپنی
کے نہایت پسندیدہ ۔ قابل قدر اور سرگرم ملازم تھے ۔

وعدوں کے ایفا کے لئے جلد کارروائی کرنی چاہئیے اور پرسرام بھاؤ کی سخت مذمت کی کہ اس شخص نے دربار کے موعودہ شرائط کی خلاف ورزی کی ہے اور عرض کیا کہ اسد علی خاں کے نام گورم کنڈہ کے نزدیک لڑائی بند کرنے کے احکام نافذ کئے جائیں اور وعدہ کیا کہ کوئمبٹور اور ساحل ملابار میں لڑائی بند کرانے کے لئے جو قاصد روانہ کئے جائیں گے اُنھیں ہمارے سلطان پروانۂ راہداری مرحمت فرمائیں گے ۔

۲۷ ر فروری ۔ لارڈ کارنوالس نے شہزادوں سے ملاقات بازدید کی اور علی رضا قلعہ کو چلا گیا جہاں پر اُس کے نام سرجان نے ایک مراسلہ روانہ کر کے اسیران جنگ ۔ وصولی زرِ نقد اور حسابات کے متعلق جملہ شرائط کی تعمیل کی یاددہانی کی ۔

۲۸ ر فروری ۔ میر عالم شہزادوں کے خیمے میں موجود تھے کہ سرجان کا خط موصول ہوا جس میں یہ درج تھا کہ سلطان کے وکلاء سے یہ طے کر لیجئے کہ سلطان کے افسران مال مع حسابات کے یہاں بھیجدئے جائیں میر عالم[1] نے اس کا زبانی جواب دیدیا اور سرجان کے پاس آنے کے بجائے وہ شہزادوں کو سکندر جاہ کے پاس لے گیا ۔ سرجان کو میر عالم کی اس حرکت پر سخت حیرت ہوئی اور میر عالم کے نام اُس نے پھر ایک مراسلہ تحریر کیا جس میں باقی کارروائی کرنے پر زور دیا تھا ۔ میر عالم نے اس کا جواب سرجان کو یہ تحریر کیا کہ سلطان کے وکلاء نے مجھے اطمینان دلادیا ہے کہ افسرانِ مال حسابات لیکر کل ضرور حاضر ہوں گے اور یہ کہ

[1] ۱۷۹۹ء میں سرنگاپٹم پر قبضہ ہونے کے بعد شاہی محل سے کاغذات برآمد ہوئے جن سے ثابت ہوا کہ اُس دوران میں میر عالم کی مسلسل خط و کتابت راز میں ٹیپو سلطان سے ہوتی رہی ۔

روپیہ بہت جلد بھیجدیا جائے گا۔

سرجان کو واپسی پر وکلاء کا ایک خط ملا چنانچہ وہ اُن کے خیمے پر ۴ بجے شام کو گیا۔

(۱۷) معمولی گفتگو کے بعد وکلاء نے بیان کیا کہ ہمارے سلطان حضور نواب گورنر جنرل بہادر سے دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کے نہایت آرزومند ہیں اور صلح کی گفت و شنید میں آپ کے شریفانہ اور مخلصانہ طرزِ عمل کے ہم لوگ نہایت مداح و ثناخواں ہیں لیکن حسابات کے معاملے میں اتحادیوں کی فضول نکتہ چینی سے ہمیں بڑی پریشانیوں اور مشکلات کا سامنا ہوگا اور اس بے جا حرف گیری سے محفوظ رہنے کے لئے ہم لارڈ کارنوالس کی دستگیری کے متمنی ہیں۔ سرجان نے کہا کہ میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ لارڈ کارنوالس آپ کی پورے طور پر دستگیری کریں گے بشرطیکہ آپ بھی نہایت نیک نیتی اور صفائی کے ساتھ اپنے حسابات پیش کریں۔

علی رضا نے نہایت متانت و سنجیدگی کے ساتھ سرجان کو اطمینان دلایا کہ کسی قسم کا دھوکہ اور فریب نہ کیا جائیگا اور اپنے آقا کی طرف سے خندقوں کے خالی کرانے پر زور دیکر قلعے کو واپس چلا گیا۔

۲۹ فروری۔ وکلاء کی درخواست پر سرجان نے شہزادوں اور علی رضا سے ملاقات کی جس نے بیان کیا کہ خزانہ لادا جا رہا ہے اور افسران مال خزانے کے ساتھ آجائیں گے۔ خندقوں سے فوجوں کے ہٹنے کے بعد ان کے ساتھ ہی اسیران جنگ روانہ کردئے جائینگے۔

اس کے جواب میں سرجان نے بیان کیا کہ میں آپ کی درخواست کے متعلق لارڈ کارنوالس کا منشا معلوم کرونگا لیکن خزانے کی روانگی کو اس شرط پر منحصر کرنا کچھ ناموزوں سا معلوم ہوتا ہے۔

وکلاء اس فقرے کا مطلب تاڑ گئے۔ اس کے بعد انھوں نے سرجان کی خدمت میں سلطان کا ایک مراسلہ اور دو کاغذات پیش کئے

ازانجملہ ایک کاغذ میں ٹیپو سلطان کے قدیم مقبوضات کے حالات اور
دوسرے میں سرحدی مقامات کے حالات درج تھے اس کے ذرا ہی
دیر بعد وکلاء شہزادوں کو لیکر ہری پنت سے ملاقات کرنے گئے اور
وہاں سے ۴ بجے شام کو واپس آگئے اور پھر سر جان نے انخلاء
خندق کی بابتہ اُن کے نام ایک مراسلہ روانہ کیا جس میں یہ تحریر تھا کہ
چونکہ اب دونوں سلطنتوں کے مابین دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے
(۱۸) ہیں اس لئے سر دست کچھ عرصہ تک ہمارا قبضہ خندقوں پر برقرار رکھنے
میں کچھ ہرج نہیں۔ اور مجھے اس کے باور کرنے میں مطلق شبہ نہیں ہے
کہ اسیران جنگ روپیہ اور حسابات بہت جلد آجائیں گے۔ جو کاغذات
کہ آپ نے پیش کئے ہیں وہ محض بیکار ہیں کیونکہ اُن میں آمدنی کی
تعداد درج نہیں ہے۔ اور لارڈ کارنوالس کو یہ دیکھکر سخت حیرت
ہوئی کہ آمدنی میں سے کچھ رقم ٹیپو کو دیا جانا بھی ان کاغذات میں درج
ہے جس کا دیا جانا ہرگز منظور نہیں کیا جاسکتا ہے اور میں آپ سے درخواست
کرتا ہوں کہ حسابات بلا پس و پیش و بلا تاخیر جلد روانہ کردئے جائیں۔

اس خط کی ایک نقل مع کاغذات محولۂ بالا حضور نظام دکن
اور مرہٹوں کے نمایندوں کی خدمت میں روانہ کردی گئی۔

یکم مارچ۔ سر جان کینی وے کو سلطان کے وکلاء کا ایک مراسلہ
ملا جس میں اُسے مطلع کیا گیا تھا کہ گذشتہ شب اور آج صبح میں قلعہ سے
ایک کرور ساڑھے نو لاکھ روپیہ آگیا ہے اس کے جواب میں سر جان
نے تحریر کیا کہ اس خبر سے لارڈ کارنوالس خوش ہو جائیں گے اور آپ
محاسبوں کے ساتھ میرے خیمے پر تشریف لے آیئے۔

اس موقع پر سلطان کے وکلاء۔ گوبند راؤ کشن نمایندہ پیشوا اور
بھیکاجی پنڈت سر جان کینی وے کے خیمے میں جمع ہوئے۔

سر جان نے عام مسائل پر گفتگو کرنے کے بعد غلام علی سے
ٹیپو سلطان کی سلطنت کی کل اور حقیقی آمدنی کا حساب دریافت کیا۔

غلام علی نے کل دئے ہوئے کاغذات اور دہلی کے شاہی دفتر کے کاغذات سے مرتب کئے ہوئے اپنے آقا کی آمدنی کے کاغذات واپس طلب کئے اور اس طرح سرجان کے سوال کا جواب ٹال دیا۔

سرجان نے فرمایا کہ تاوقتیکہ آپ کے کاغذات تیار نہ ہو جائیں میں اپنا کوئی کاغذ نہیں دے سکتا ہوں۔ اس کے جواب میں علی رضا نے عرض کیا کہ خود غرض لوگوں نے سازش کر کے معاملہ گڑبڑ کر دیا ہے اس وجہ سے کاغذات تیار نہیں ہوئے اس لئے میں اسی وقت قلعہ معلی کو جاتا ہوں اور جملہ ضروری کاغذات فراہم کر کے کل صبح کو واپس آجاؤنگا اور اپنی (۱۹)
روانگی سے قبل اس نے سرجان سے منت التجا کی کہ لال باغ میں اور گنجم کے قرب و جوار میں اب مزید فوجی کارروائی نہ کی جائے۔

اور جنرل ایبرکرومبی (General Aberrombic) کی فوج کو موضع پاپکی میں لوٹ کھسوٹ کرنے کی ممانعت کر دی جائے۔

۲؍ مارچ۔ چونکہ علی رضا قبل از دوپہر حسب وعدہ نہیں آیا اس لئے سرجان نے اسے یاد دہانی کی۔ علی رضا بوقت ۴ بجے شام کے آگیا اور اسنے تاخیر کی معافی مانگنے کے بعد اطلاع دی کہ میں ٹیپو کے وزیر فینانس سمعا راؤ کو مع ضروری کاغذات کے اپنے ہمراہ لے آیا ہوں۔

سرجان نے تحریر کیا کہ آپ خود آپ چلے آئے اس کے جواب میں وکلاء نے عرض کیا کہ کاغذات کو بیشتر سے مرتب کرنا پڑے گا اس لئے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ کل تک ہمارے کاغذات مرتب ہو جائیں گے اور ہم کاغذات لیکر کل آئیں گے۔ اور سہ پہر کے وقت اتحادیوں کے اسیران جنگ کی ایک جماعت رہا کر دی گئی۔

۳؍ مارچ۔ سرجان شہزادوں سے ملاقات کے لئے جاتے وقت اثناء راہ میں لارڈ کارنوالس کی خدمت میں حاضر ہوا اور وکلاء کو مطلع کیا کہ آپ نے جس امر کی بابت کل شکایت کی تھی اس پر غور کرنے کے بعد لارڈ موصوف نے جنرل ایبرکرومبی کو کیمباڑی منتقل ہونے کا حکم دیدیا ہے

اور اُس جزیرہ کے حاکم کرنل اسٹوارٹ کو حکم دے دیا گیا ہے کہ وہ لال باغ
کے درخت کاٹنے اور گنجام کے مکانات مسمار کرنے سے دست کشی
اختیار کرے اس کے جواب میں علی رضا نے بیان کیا کہ ہمارے سلطان
نے اپنے رسالے کو حکم دیا ہے کہ جنرل ایبر کرومبی کی رسد نہ روکی جائے
فریقین کے جملہ نمائندے دس بجے سر جان کینی وے کے خیمے
میں جمع ہوئے۔ ٹیپو کے نمائندوں نے اپنے آقا کی رعایا اور ایام جنگ
کی ایک فہرست پیش کی جو اتحادیوں کے قبضے میں تھے۔ سلطان کے
وکلا اور مرہٹوں کے نمایندوں کے درمیان دارور کی قلعہ بندی فوج کے
متعلق طے شدہ شرائط کی خلاف ورزی کرنے کی بابتہ نہایت سخت
کلامی ہوئی سر جان نے حسابات اور کاغذات طلب کئے اور معائنہ
کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ کاغذات بھی پہلے نامکمل کاغذات سے صرف
قدرے بہتر ہیں۔ حسابات کے اندراج کے بعد حسابات کی درستی (۲۰)
ثابت کرنے کے واسطے شمبھا راؤ نے عرض کیا کہ میں اپنی عزت کی قسم
کھا کر کہتا ہوں کہ اگر کسی قریبی موضع یا ضلع کی آمدنی کی جانچ کی جائے
تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے حسابات بالکل ٹھیک ہیں
سر جان نے دریافت کیا کہ یہ حسابات کس سال کی بابتہ ہیں؟
شمبھا راؤ نے عرض کیا کہ یہ حسابات جنگ سے پیشتر کے ہیں
اور مختلف سال کے مرتب کئے گئے ہیں اور ضلع کورگ کی طرح بعض
اضلاع کی آمدنی ۷ سال پیشتر کی ہے کیونکہ ان اضلاع سے اس کے
بعد کسی قسم کی آمدنی وصول نہیں ہوئی ہے۔ سر جان نے کہا کہ آمدنی
کے حسابات اس نامعقول اور بے قاعدہ مرتب کرنے سے اب
یہ بات قطعی ناممکن ہے کہ ایک سال کی آمدنی کا مقابلہ دوسرے
سال کی آمدنی سے کیا جائے۔ بارش کی کمی و بیشی سے ہر ایک سال
کی مالگذاری میں اختلاف واقع ہوگا اس لئے آپ نے جس ترتیب
سے حسابات پیش کئے ہیں اُس سے اوسط آمدنی کا اندازہ کرنا ناممکن ہے

وکلاء نے عرض کیا کہ اس کی درستی ہو سکتی ہے لیکن اس سے آخر کی میزان میں نہایت خفیف فرق واقع ہوگا جو ۲ کرور ۱۰ لاکھ کے قریب ہے (یعنی ....۲۰۴ پونڈ)۔

چنانچہ قرار پایا کہ جو حسابات اس وقت درج کئے گئے ہیں اُن کا اصل کاغذات سے مقابلہ کرنے میں دن کا باقی وقت صرف ہو جائے گا اس لئے مناسب ہے کہ سب صاحبان کل پھر تشریف لائیں اور سلسلہ وار بحث کریں اور پھر اپنی اپنی حکومت کو اس کی اطلاع دیں۔ سر جان نے گوبندراؤ کو ہری پنت کی یہ بات یاد دلائی کہ ٹیپو کی مملکت سے ۳ کرور کی آمدنی ضرور حاصل ہوگی۔

۴ مارچ۔ سر جان نے کل کے بحث و مباحثہ کے متعلق سلطان کے وکلاء کے نام ایک مراسلہ روانہ کیا۔ میر عالم اپنے یہاں کے وزیر و (۲۱) سے مشورہ کرکے واپس آگیا اور ہری پنت نے میر عالم کی یہ رائے ظاہر کی کہ ٹیپو کے محاصل کے جو حسابات پیش کئے گئے ہیں وہ غلط ہیں اور میں اپنے اس دعوہ کو سلطان کے دفتر کے ایک کاغذ سے ثابت کر سکتا ہوں جو تعلقہ ولانور (Velanoor) ضلع گوٹی کے محاصل کی بابتہ ہے اور جس کے متعلق سر جان نے انھیں اطمینان دلایا ہے کہ تحدین اس علاقے کے خواستگار نہیں ہیں اس کاغذ میں ولانور کی آمدنی ۲۶۸۶۴ پگوڈا درج تھی اور ٹیپو نے ۸۰۰۰ پگوڈا کا تخمینہ درج کیا تھا وزیر مذکور نے اس لئے یہ مشورہ دیا کہ صوبہ راؤ یا وکلا سے اس بات کی ضمانت لے لی جائے کہ اگر ان کے پیش کردہ حسابات غلط ثابت ہوئے تو وہ سخت سے سخت سزا کے مستحق ہوں گے۔

ہری پنت نے کہا کہ پرسرام بھاؤ سے مشورہ کرنے سے پیشتر میں اپنی رائے ظاہر نہیں کر سکتا ہوں۔ ٹیپو نے علاقہ بدنور کی آمدنی ۷ لاکھ بتائی ہے لیکن پیشوا اسکے حصہ ۱۲ لاکھ کے معاوضے میں اس علاقہ کو لینے کے واسطے میں تیار ہوں۔

سر جان نے میر عالم کو اپنا خط دکھایا جو آج صبح سلطان کے وکلا کے نام روانہ کیا گیا ہے اور میر عالم نے اس کی تائید کی۔

میر عالم اور گوبند راؤ بسونت حسابات محاصل ٹیپو لیکر سر جان کی خدمت میں پہونچے اور بیان کیا کہ یہ حسابات ٹیپو کے ایک ربع افسر مال سے ہمیں ملے ہیں جو آج کل مرہٹہ کیمپ میں قید ہے۔ اس کاغذ سے ٹیپو کا پیش کیا ہوا موجودہ حساب آمدنی اور اس افسر کی تخمینی آمدنی اور دونوں کا فرق معلوم ہو گیا۔ گوبند راؤ نے عرض کیا کہ ہری پنت تعلقہ بدنور کو حسب ذیل تینوں صورتوں میں لینے پر تیار ہے۔

اول۔ ٹیپو کی بیان کی ہوئی آمدنی سے دوچند آمدنی کے معاوضے میں۔

دوسرے۔ اُسی آمدنی کے معاوضے میں اس حساب سے کہ ایک پگوڈا کی قیمت تین روپیہ کے بجائے چار روپیہ تسلیم کی جائے۔

تیسرے۔ اس صورت سے کہ اُسی آمدنی کے معاوضے میں اس رعایت کے ساتھ کہ ٹیپو کے نقشہ میں جو تعلقے درج ہیں ان میں از انجملہ ۳۔۴ تعلقے چھوڑ دئے جائیں۔

سر جان نے کل کے عریضہ کے جواب میں وکلا کو تحریر کیا اور اُنھیں زبانی بھی یاد دلایا کہ حسابات پیش کرنے کا وقت آج ختم ہو جائے گا
(۲۲) اس کے جواب میں وکلا نے مطلع کیا کہ علی رضا قلعہ معلی کو جا رہے ہیں اور وہ آج رات کو یا کل واپس آجائیں گے اسوقت میں سلطان کا جواب ارسال کردونگا۔ شام کے وقت سر جان نے میر عالم کے ہمراہ سلطان کے نمائندوں اور شہزادوں سے ملاقات کی۔ غلام علی نے بیان کیا کہ سلطان نے آپکا کل کا مراسلہ ملاحظہ فرما کر سبھا راؤ اور دیگر محاسبوں کو طلب کیا اور اپنی ناراضی ظاہر کی وہ تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارے محاسبوں نے جو حسابات پیش کئے ہیں وہ ناقابل اطمینان ہیں اور لارڈ کارنوالس کا مطالبہ درست ہے۔ سر جان نے کہا کہ میں نے کل ہی انھیں متنبہ کردیا تھا کہ حسابات کی غلطی پر سزا دیجائے گی اور یہ کہ اتحادیوں نے اپنے جملہ

حقوق لارڈ کارنوالس کے سپرد کر دئیے ہیں اور اس عالم میں کوئی امر انھیں چشم پوشی کرنے پر آمادہ نہیں کر سکتا ہے غلام علی نے کہا کہ حساب کا فرق بھول چوک ہے اور اسکی تصحیح بہت جلد ہو سکتی ہے۔

۶ مارچ۔ علی رضا خاں قلعۂ معلیٰ سے واپس آگیا اور سر جان نے اُس سے اپنے مراسلہ مورخہ ۴ مارچ کا تحریری جواب طلب کیا علی رضا نے اس کا یہ جواب دیا کہ انشاء اللہ میں کل بہ نفس نفیس حاضر ہونگا اسپر سر جان نے اصرار کیا کہ آپ مع اپنے رفیق کے آج شام ہی کو میرے خیمہ پر تشریف لے آئیے۔ چنانچہ وکلاء اس بات پر بمشکل راضی ہوے اور بوقت ۷ بجے شب سر جان کے خیمے پر آکر انھوں نے اتحادیوں کے نمائندوں سے ملاقات کی۔

اولاً اسیران جنگ کی رہائی کی بابتہ گفتگو شروع ہوئی۔ علی رضا نے اپنے اس مطالبے پر نہایت جوش کے ساتھ زور دیا کہ ہر دا اس دیگر دارواڑ نے اطاعت کا قول و قرار کیا تھا اُسے معافی دیدی گئی تھی لیکن بدرالزماں خاں قلعہ دار کے ساتھ اُس نے وعدہ خلافی کی یہ افسر ہمارے سلطان کے حوالہ کر دیا جائے کیونکہ اس کے ذمہ ہمارے سلطان کا کئی لاکھ روپیہ باقی ہے۔ مرہٹوں کے نمائندوں نے اس کے جواب میں نہایت جوش کے ساتھ بیان کیا کہ چونکہ یہ افسر ہماری پناہ میں آگیا ہے اس لئے ہم اُسے سلطان کے حوالے نہیں کر سکتے ہیں۔

سر جان نے اس سخت کلامی کو یہ کہکر روک دیا کہ میرے ۴ مارچ والے مراسلے میں محاصل کے جس حساب کا مطالبہ کیا گیا تھا وہ پیش ہونا چاہیئے۔ (۲۴)
اس کا جواب دیا گیا کہ سبھا راؤ وزیر فنیانس سے اس کے متعلق دریافت کیا جائے۔ اُس نے بیان کیا کہ بدہور۔ کوئمبتور اور کالی کٹ کے صوبوں کے کاغذات اور حسابات اس جنگ میں ضائع ہو گئے جس میں آخر الذکر دو صوبے انگریزوں نے فتح کئے تھے۔ اسی طرح دار واڑ۔ گیتی درگ اور بنگلور کے حسابات اُن کے فتح ہونے پر ضائع ہو گئے لیکن دیگر علاقوں کے

حسابات حتی الوسع تیار ہو جائیں گے اور وہ ۳-۴ دن میں مکمل ہو جائیں گے
علی رضا نے بیان کیا کہ ۶ار فروری کو بے شمار کاغذات ضائع ہو گئے جبکہ خود اسی کی فوج نے ٹیپو کے کیمپ میں لوٹ مار کے علاوہ بریں ٹیپو کے تخت نشین ہونے کے بعد سے حسابات نہایت لاپروائی کے ساتھ رکھے جاتے ہیں اس کا یہ جواب دیا گیا کہ لارڈ کارنوالس اور اتحادیوں کے نمائندوں سے اس کے متعلق مشورہ کرنے کے بعد جواب دیا جائیگا۔

لارڈ کارنوالس کا ایک ادنے ملازم حسین علی دیگر قیدیوں کی رہائی کے بعد روک لیا گیا تھا لیکن باضابطہ استدعا کرنے پر آج وہ بھی رہا کر دیا گیا۔

۷ار مارچ - میر عالم اور گوبند راؤ لبسونت سر جان کینی وے کے خیمہ میں گئے اور سر جان نے ان کے روبرو اپنی یہ رائے پیش کی کہ چونکہ ٹیپو سلطان نے حسابات دینے سے پہلو تہی کی ہے اس لئے اس امر کی فوراً ضرورت ہے کہ ہم میں سے ہر ایک حکومت ایک نقشہ تیار کر کے پیش کرے کہ وہ فلاں فلاں علاقہ پانے کی مستحق ہے اور سب کا مجموعہ معاہدہ میں درج کر دیا جائے کمپنی اپنے حصہ میں ۲۹۵ور۸۸و۳۷ روپیہ کا علاقہ لے گی۔ انھوں نے وعدہ کیا کہ ہم آپ کی اس تجویز کو ہری پنت اور عظیم الامرا کے روبرو پیش کر دیں گے۔

دوسرے روز بوقت صبح سر جان نے سلطان کے وکلاء کے نام دو مراسلے روانہ کئے ایک میں یہ تحریر تھا کہ کل سے مزدور قلعہ میں پھر کام کر رہے ہیں دوسرے میں یہ درج تھا کہ باقی اسیران جنگ اب بھی رہا نہیں ہوئے ہیں۔

ٹیپو سلطان نے اپنے پدر بزرگوار حیدر کی قبر پر فاتحہ خوانی کے واسطے جانے کی اجازت طلب کی جو فوراً منظور کر لی گئی (۲۴)
سر جان کینی وے نے حسب الارشاد لارڈ کارنوالس ٹیپو کے

نمائندوں سے ملاقات کی اور ان کے آقا کے غلط حسابات پیش کرنیکی
بابتہ نہایت سخت الفاظ میں لارڈ کارنوالس کا استعجاب ظاہر کیا اور
بیان کیا کہ سرنگاپٹم - ٹیپو کا خاندان - اُسکا خزانہ اور سلطنت لارڈ موصوف
کی گرفت میں ہیں اور محض خلوص اور نیک نہادی کے باعث وہ اتحادیو
کی مرضی کے خلاف مصالحت کرنے پر آمادہ ہوگئے ہیں اور اس کے
معاوضے میں انھیں دھوکہ دینے کے واسطے ہر طرح کی کوششیں کی گئی ہیں
انگریزوں نے کالی کٹ کو اپنے قبضے میں رکھنے کی ضرورت سے صاف
الفاظ میں اطلاع دیدی تھی اور ٹیپو نے اسکی اصل قیمت سے ۶ لاکھ روپیہ
زیادہ بتائے - وکلاء نے عام الفاظ میں اس کا جواب عرض کیا کہ گورنر
جنرل کے ساتھ ہمارے آقا دوستی قائم رکھنا چاہتے ہیں اور وہ خود تقسیم
مملکت کی تجویز پیش کرنے کو تیار ہیں جس میں کمپنی کے مفاد کے خلاف
کوئی بات نہوگی - لیکن ہمارے سلطان کو اتحادیوں سے دلی نفرت
ہے جیسی کہ انھیں سلطان کے ساتھ ہے اور اس وجہ سے وہ اپنا ملک
اتحادیوں کے حوالہ کرنا باکراہ گوارا کریں گے اور اگر انگریز اتحادیوں کے
معاون نہ ہوتے تو ہمارے سلطان اپنی موجودہ شکستہ حالت میں
بھی اتحادیوں کو اپنے ملک سے نکال باہر کرتے - اس کے جواب میں
سرجان کینی وے نے کہا کہ ہماری حکومت مختلف معاہدوں سے
اتحادیوں کی ساتھی ہے اور کوئی خود غرضی ان معاہدوں کو نہیں توڑ سکتی
ہے اور مجھے اب بھی توقع ہے کہ آپ کے آقا ان معاہدوں کی پابندی
کرکے فائدہ اٹھائیں گے - سلطان کے وکلاء سے رخصت ہونیکے
بعد سرجان نے اتحادیوں کے نمائندوں کو طلب کیا جنھوں نے تقسیم
مملکت میں اپنے اپنے حصہ کی فہرست پیش کی - سرجان نے اس فہرست
میں سے بسوا پٹم - جیتل درگ - رائے درگ - اور ہاریونلی کو خارج کردیا
باقی ماندہ ملک ۷۸،۰۳۱،۸۸ پونڈ کا رہ گیا اور کمپنی کا حصہ ملاکر اس کی قیمت
۲۸۰۸۹، ۱۲۹ پونڈ تھی -

سرجان کینی وے نے ابتدائی صلح نامے کے مطابق ایک مکمل
عہد نامہ مرتب کیا جس میں مطلوبہ ممالک درج تھے اور سرکاری نوٹ (۲۵)
کے ساتھ یہ عہد نامہ ٹیپو کے وکلاء کے حوالے کر دیا گیا۔ اس نوٹ میں
جن کاغذات کا حوالہ دیا گیا تھا ان کی تصدیق ایک عامل اور
ایک سررشتہ دار نے کر دی تھی اور ہرداس سابق دیوان داروار
(Darwar) کا ایک بیان بھی اس نوٹ میں درج تھا۔

سرجان کینی وے نے لفٹننٹ میکلوڈ افسر محکمۂ خبر رسانی سے
درخواست کی کہ جو کچھ معلومات آپ فراہم کر سکیں اس سے ٹیپو کے
مرسلہ حسابات کا مقابلہ اور موازنہ کریں۔

سرجان کے نام بوقت ۹ بجے صبح ٹیپو کے وکلاء کا ایک مراسلہ
آیا جس میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی گئی تھی۔

سرجان کی استدعا پر سلطان کے وکلاء اور نظام کے نمائندے
تشریف لائے لیکن مرہٹوں کے نمائندے اس موقع کو ٹال گئے
سلطان کے وکلاء نے دیروزہ نوٹ کے لہجے اور صلحنامے کی سخت شرائط
پر اپنا استعجاب ظاہر کیا اور عرض کیا کہ ہم یہ صلحنامہ اپنے آقا کی حضور
میں پیش کریں گے لیکن ہماری درخواست ہے کہ اسی دوران میں
یہ چند حسابات دیکھ لئے جائیں جو سُبھاراؤ اپنے ساتھ لایا ہے۔

اسکے جواب میں سرجان نے کہا کہ حسابات کی جانچ کا وقت گزر چکا
لارڈ کارنوالس نے نہایت صبر اور تحمل کے ساتھ ٹیپو کے مالی حسابات
وغیرہ پیش ہونے کے واسطے بیس دن تک انتظار کیا تاکہ وہ اس کی
مناسب تقسیم کر سکیں اور چونکہ آپ نے حسابات پیش کرنے میں
ٹال مٹول کی اور وقت نہایت بیش قیمت تھا اس لئے لارڈ موصوف
نے خود اُن معلومات کی بناء پر تقسیم کر دی ہے جو انہیں فراہم ہو سکے
اس لئے وہ اب کوئی حساب دیکھنا پسند نہیں کرتے ہیں اور نہ کوئی
ترمیم اس معاہدے میں کریں گے جس میں ملک کی تقسیم کے شرائط

درج ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ لارڈ موصوف کی خود غرضی یا حرص و آز کو اس میں کچھ دخل نہیں ہے اور آپ کے آقا کے لڑکوں کو بطور یرغمال کے لینے کے واقعے نے اُن کے مطلوبہ شرائط کو اور نرم کر دیا ہے۔ (۲۶)
سلطان کے وکلا نے سر جان سے دریافت کیا کہ گورنر جنرل بہادر نے اس معاہدہ میں ہمارے آقا کی عزت اور حقوق کا بھی لحاظ رکھا ہے! سر جان نے فرمایا کہ آپ اسکا جواب اپنے انصاف۔ مصلحت وقت اور معقولیت سے طلب کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد سبھا راؤ نے مجوزہ علاقوں کی فہرست پڑھکر سنائی جو اُس نے سب سے اول کورگ کا نام لیا جسے اُس نے سرنگاپٹم کا دروازہ بتایا کیونکہ وہاں سے سرنگاپٹم صرف دس بارہ ۱۰-۱۲ کوس کے فاصلے پر ہے۔ سر جان نے جواب دیا کہ فاصلہ اس سے زیادہ ہے اور چونکہ ہم کورگ کے راجہ سے پیشتر ہی معاہدہ کر چکے ہیں اس لئے ہم اُسے ہرگز نہیں چھوڑ سکتے ہیں اس کے بعد سبھا راؤ نے دبائی کوٹہ کا نام لیا اور کہا کہ وہ بنگلور کے قریب ہے اور آپ کی سرحد سے فاصلے پر ہے۔

اُسے جواب دیا گیا کہ جب اس معاہدے پر عمل درآمد ہوگا اُس وقت یہ مقام سرحد کے قریب واقع ہوگا۔ اسی طرح سالم (Salim) اور سنکا گھیری کے متعلق عذرات کے جواب دئے گئے۔ اور اسی سلسلے میں اس نے کہا کہ دریائے نوئل (The Noil) جو آپ نے اپنی جنوبی سرحد قرار دی ہے اس کا کوئی وجود نہیں بلکہ اُس مقام پر ایک ندی ہے۔

سر جان نے جواب دیا کہ نقشہ میں وہ موجود ہے اگر نام غلط ہے تو صاف نقل میں اس کی تصحیح کر دی جائے گی۔ پھر سبھا راؤ نے بلاری اور گوٹی کا حوالہ دیا اور کہا کہ اتحادیوں نے جملہ زبردست قلعے اپنی تقسیم میں لے لئے ہیں۔ سر جان نے اسکا یہ جواب دیا کہ معاہدہ کی رو سے اوسٹور اور منگلور کے قلعے آپ کے آقا کے لئے چھوڑ دئے

گئے ہیں جو کلکتہ اور مدراس کے قلعہ جات کی مانند نہایت مستحکم ہیں ہم نے محض اپنی مدافعت کے واسطے قلعہ جات لئے ہیں تاکہ ہماری سرحد مستحکم رہے اور وہ مصیبتیں دوبارہ نازل نہ ہونے پائیں جو حیدر اور ٹیپو کے اچانک حملوں سے کرناٹک پر نازل ہوئی تھیں آخر میں سرجان نے ارشاد کیا کہ مزید بحث فضول ہے آپ قلعہ معلی تشریف لے جائیے اور یہ معاہدہ ٹیپو کے حضور میں پیش کیجئے اور ان کا جواب لیکر بہت جلد (۲۷)
واپس آجائیے اور اب میں آپ کو مسٹر چیری کے سپرد کرتا ہوں تاکہ زرموصولہ کو سکوں کی صورت میں تبدیل کرلیا جائے اور جب یہ معاملہ ختم ہوجائے تب آپ میرے پاس واپس آجائیں۔ سرجان کی واپسی پر علی رضا نے پھر پہلی بحث شروع کردی اور سنبھاراؤ نے دریافت کیا کہ آپ کا یہ اعتراض کس دلیل پر مبنی ہے کہ "ٹیپو کے آبائی مقبوضات کی قیمت کم لگائی گئی ہے" سرجان نے اس کا یہ جواب دیا کہ علاوہ دیگر وجوہ کے اس کے ثبوت میں ہمارے پاس تعلقہ دینور کے عامل کا دستخطی اور مُہری حساب موجود ہے جس سے ظاہر ہے کہ اس تعلقے کی مندرجہ آمدنی سے حقیقی آمدنی سہ چند ہے۔ اس جواب سے وکلاء اولاً قدرے پریشان ہوئے لیکن ذری دیر بعد انھوں نے اس بیان کی حقیقت کی بحث چھیڑی اور کہا کہ یا تو وہ حساب جعلی ہوگا یا اس میں سنین ماضیہ کی بقایا ملاکر یہ تعداد ہوگئی ہوگی۔ سرجان نے فرمایا کہ کاغذ بالکل درست ہے اور ضرورت کے وقت ہم اسے پیش کردیں گے میں نہایت سنجیدگی کے ساتھ آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ آپ سب صاحبان قلعہ معلی واپس چلے جائیں صوبہ راؤ نے دریافت کیا کہ ہم وہاں جاکر کیا کریں؟ اس کے جواب میں سرجان نے کہا کہ آپ قلعہ معلی میں جاکر دریافت کیجئے کہ یہاں پر آپ کو کیا کرنا چاہئے۔ اس پر سنبھاراؤ نے عرض کیا کہ چونکہ کسی بات کا تصفیہ نہیں ہوا ہے اس لئے ہمارے آقا اپنا سارا غصہ مجھ ہی پر اتاریں گے پھر وہ سرجان سے رخصت ہوکر

واپس گئے اور کل صبح یا زیادہ سے زیادہ کل شام تک واپس آجانے کا وعدہ کیا۔ اسی اجلاس کے اثناء میں سرجان کو مخاطب کرکے فرمایا تھا کہ لارڈ کارنوالس کو ایک معتبر ذریعے سے اطلاع ملی تھی کہ آپکے سلطان خندقوں کے محاذ میں عمارتوں کی مرمت کرا رہے ہیں اسلئے لارڈ موصوف نے بھی اپنے انجینیروں کو خندقوں کے سامنے دمدمے اور دھس تیار کرنے کا حکم دیدیا ہے۔ علی رضا نے اسپر اظہار افسوس کرنے کے بعد عرض کیا کہ مرمت بند کردیجائے گی۔ سرجان کینیوے نے یہ خواہش بھی ظاہر کی کہ اگر کوئی انگریزی دستہ فوج والے جارہے کی تلاش میں چٹھی کا مفتش دستہ) دریا پار بھیجا جائے تو ایسی مدد کرنی چاہیئے کہ کسی طرح کا نقص امن نہ ہو سرجان نے سلطان کے وکلاء کو ان کی اس شکایت کے جواب میں کہ میجر کوپیج درہ گزل ہٹی سے گذر کر اڈہ پر چڑھ آئے ہیں۔ ایک تحریر بوقت سہ پہر روانہ کی۔ (۲۸)

۱۸ مارچ۔ چونکہ اتحادیوں کے حصے یکساں نہ تھے اور حضور نظام دکن کے وزیر نے اپنے حصے میں موکا (Moakah) نہیں درج کیا تھا اسلئے جدید تقسیم کی ضرورت لاحق ہوئی جس کی رو سے ایسٹ انڈیا کمپنی کو سابق علاقوں کے علاوہ ضلع ڈوبین کا نک گیری لارپنا دادر انگلول اضلاع کی پشت پر ڈورل کا ایک حصہ اور مل گیا۔

سرجان کی تنبیہ اور وکلاء کے وعدوں کے بعد بھی آج قلعہ کی مرمت بدستور جاری رہی۔

۲۱ مارچ۔ چونکہ حسب وعدہ رات وکلاء واپس نہیں آئے اور قلعہ کی شکست وریخت بدستور جاری تھی اس لئے لارڈ کارنوالس نے سرجان کو بوقت ۱۱ بجے دن ہدایت کی کہ وکلاء کو اطلاع دو کہ جنگ بند ہوجانے کی بعد خلاف معاہدہ قلعہ کی درستی جاری ہے اس لئے حکم دیا جاتا ہے کہ اگر قلعہ کی مرمت فوراً بند نہ ہو تو خندقوں میں جنگ شروع کردیجائے۔ قاصد بوقت ۳ بجے شام واپس آگئے کہ ہم وکلاء سے ملے انھوں نے آپ کا مراسلہ دیکھکر فوراً سلطان کی خدمت میں